Marfat.com

گردش

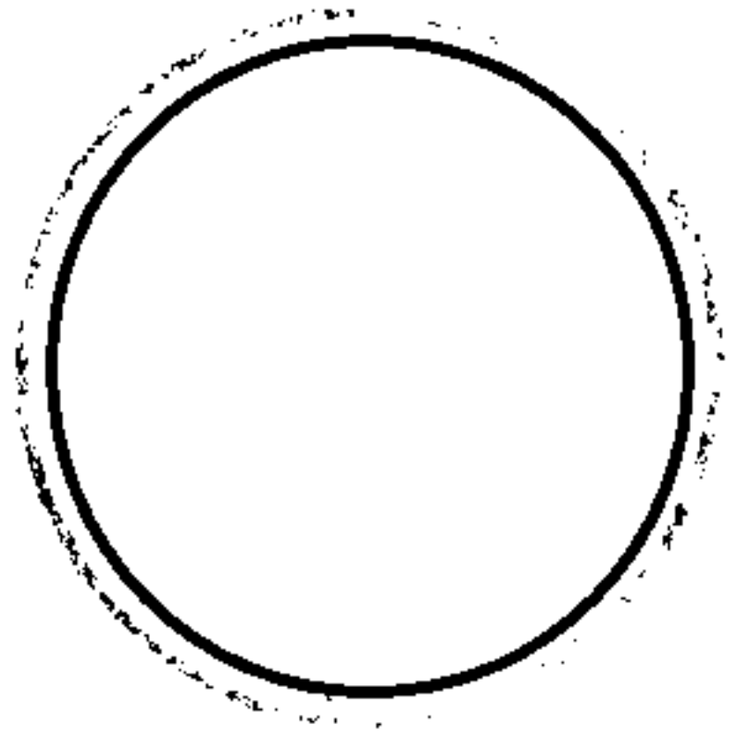

ڈاکٹر عبدالرب بھٹی

المجاہد پبلشرز

4 منزل دین پلازہ جی ٹی روڈ گوجرانوالہ
0321-6450283
0300-6450283
055-8204177

Marfat.com

ملنے کے پتہ جات

- مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور
- ملت بک شاپ، فیصل مسجد اسلام آباد
- اسلامک پبلی کیشنز، نزد لیاقت باغ راولپنڈی
- مکتبہ انجمن تبلیغ اسلام، الاکرام بلڈنگ راولپنڈی
- علم و عرفان پبلی کیشنز، اردو بازار لاہور
- ڈیفنس بک شاپ، ڈیفنس چوک لاہور
- مکتبہ اذان سحر، منصورہ لاہور
- مکتبہ منشورات اسلامی، منصورہ لاہور
- خزینہ علم و ادب، اردو بازار لاہور
- واجد بک سنٹر، برنالہ
- احمد بک ڈپو، گوجرانوالہ
- اجالا بک سنٹر، اردو بازار، گوجرانوالہ
- فہیم بک ڈپو، لاہور

دیدہ زیب اور معیاری کتب کی اشاعت کا ادارہ
المجاهد پبلیشرز
زیر اہتمام
ناصر اقبال مجاهد

(جملہ حقوق محفوظ)

اشاعت:	اپریل 2007ء
سرورق:	عبید اللہ
کمپوزنگ:	عبداللہ اشرف
قیمت:	150 روپے

Marfat.com

انتساب

مصائب اور پیاس بھری زندگی
کو مقدر میں پانے والے
تھر کے مکینوں کے نام
جن کی غلامی سے بدتر زندگی
"وڈیرا سائیں" کے رحم و کرم پر ہے

Marfat.com

Marfat.com

پیش لفظ

داستان گوئی ہو یا ناول نویسی ۔۔۔۔۔ ہر دور میں طویل اور مختصر افسانوں اور کہانیوں کو خصوصی اہمیت حاصل رہی ہے۔ایک ہی نشست میں پڑھی جانے والی کہانی کا اپنا ایک الگ مزہ ہوتا ہے۔ایک کہانی کو تحریر کرنا گویا سمندر کو کوزے میں بند کرنا ہے۔جس طرح چھوٹی چھوٹی مسرتوں میں ایک انوکھی خوشی کا لطف ہوتا ہے بالکل اسی طرح طویل اور مختصر کہانیوں کا ایک الگ ذائقہ ہوتا ہے۔

''گردش'' میرے ناولوں کے بعد ۔۔۔۔ پہلا طویل اور مختصر کہانیوں کا مجموعہ ہے جسے یکجا کرنے کا بیڑا محترم ناصر اقبال مجاہد صاحب نے اٹھایا ہے۔ جو خود بھی صرف ایک ناشر ہی نہیں ۔۔۔ بلکہ ۔۔۔ حساس اور باشعور قاری ہیں۔

موصوف کو میری ایک مکمل کہانی ''دریا'' نے خاصا انسپائر کیا ہے انہوں نے میری دیگر چند تحریروں کو پڑھا اور مجھ سے فرمائش کر ڈالی کہ ''بھٹی صاحب! اخبارات اور ڈائجسٹوں میں چھپنے والی تحریروں کی تو کوئی زندگی نہیں ہوتی نہ یہ تحریریں زیادہ دیر تک منظر عام پر رہتی ہیں ۔۔۔۔۔ لیکن کتاب تو عمر جاوداں کا درجہ رکھتی ہے، آپ ہمت کریں تاکہ اب تک آپ کے جتنے بھی مختصر اور طویل افسانے اور ناولٹ ہیں ان کو کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔''

سو یہ میرا پہلا مجموعہ قارئین کی نظر ہے وہی اس کی پسند اور ناپسند کا حق رکھتے ہیں ایک ادیب تو اپنی تحریروں سے کبھی مطمئن نہیں ہوتا جس روز وہ اپنی تخلیق اور اپنی تحریر سے مطمئن ہو گیا اس کی وجدانی موت واقع ہو جائے گی اور تخلیق کا عمل رک جائے گا ۔۔۔۔۔ اللہ حافظ

ڈاکٹر عبدالرب بھٹی

جیکب آباد (سندھ)

Marfat.com

Marfat.com

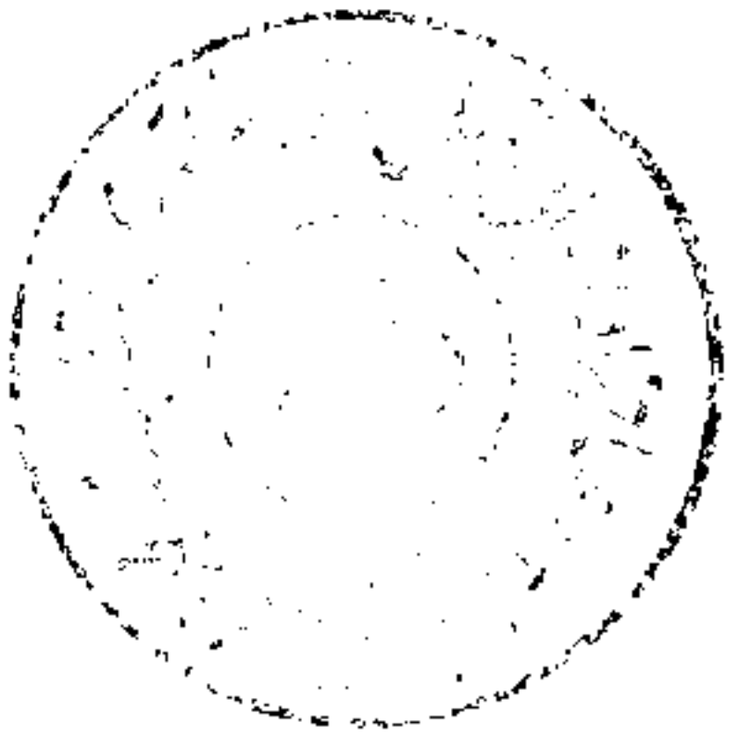

دریا

ساٹھی تیار تھی۔۔۔۔
چاولوں کی کٹی ہوئی فصل کو سیمنٹ کے ایک بڑے سے پتھر پر پیٹا جا رہا تھا اس عمل سے اناج ایک طرف اور پھونس کو مقدور بھر علیحدہ کیا جا رہا تھا۔ اطراف میں دور تک پھیلے ہوئے چاولوں کے اس کھیت میں متعدد خاکستری پیٹھوں والے مدقوق سے ہاری جن میں عورتیں اور جوان العمر لڑکیاں بھی شامل تھیں' ٹولیوں کی صورت' بڑی تندہی کے ساتھ جفاکشی میں مصروف تھیں۔ حالانکہ اکتوبر کا مہینہ ختم ہونے والا تھا مگر جفاکشی سے ان محنت کشوں کے چہرے پسینے سے تربتر ہو رہے تھے اور ویسے اندرون سندھ کے دیہی علاقوں میں قیامت خیز گرمیاں مسلسل عذاب جاں بنی چمٹی رہتی تھیں اور مشکل سے ہی جان چھوڑتی تھیں۔ حتیٰ کہ اس وقت سورج بھی سروں پر مسلط آگ

Marfat.com

برساتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

کھیتوں میں کام کرنے والے یہ سب لوگ گوٹھ کے ایک بااثر وڈیرے رئیس جابر خان کے دھاک (کھیت مزدور) تھے۔

مذکورہ گوٹھ وڈیرے رئیس جابر خان کے پردادا وسند خان کے نام سے موسوم تھا، جو دادو جانے والی انڈس ہائی وے سے تقریباً پندرہ سو کلومیٹر دور لاڑکانہ کے نواح میں واقع تھا۔اس کے جنوبی قرب میں رائس کینال کا سبک رو پانی چھوٹی چھوٹی کاریزوں کے ذریعے آس پاس کی زمینوں کو سیراب کرتا تھا۔یہ گوٹھ تین چار سو نفوس پر مشتمل تھا جدھر بابا اللہ یار کی آٹا پیسنے کی چکی کے علاوہ ایک گورنمنٹ ڈسپنسری' پرائمری اسکول اور میڈیکل اسکول بھی تھا۔آبادی کے وسط میں ایک مسجد بھی تھی۔

اس وقت کھیتوں میں کام کرنے والے ان جفاکش ہاریوں میں ایک غریب ہاری حسین بخش کا بھی خاندان تھا اور حسین بخش خود، اس کی بیوی مائی مختاراں اور جوان بیٹا محمد پنل بھی ساٹھی میں مصروف تھے۔یہ درحقیقت ایک تھری خاندان تھا اور ان کا تعلق تھر کے ایک ریگستان گوٹھ ''منٹھی'' سے تھا۔وہاں آئے دن پڑنے والے قحط اور خشک سالی کی وجہ سے دیگر باشندوں کی طرح یہ بھی وہاں سے ہجرت کر کے یہاں آن بسا تھا۔

ہاری حسین بخش کی اپنے پورے خاندان سمیت یہاں آباد ہونے کی ایک سب سے اہم وجہ یہ تھی کہ یہاں ''گوٹھ وسند خان'' میں ایک عرصے سے اس کا بڑا بھائی سکھیو بھی اپنی بیوی عنایتاں اور بیٹے سرمد کے ساتھ رہتا تھا اور درحقیقت اپنے بڑے بھائی سکھیو کے ایما پر ہی حسین بخش نے اپنے پورے کنبے سمیت یہاں آباد ہونے کا فیصلہ کیا تھا۔حسین بخش کی ایک سترہ سالہ جوان بیٹی سوہنی بھی تھی۔وہ اپنے بھائی محمد پنل سے دو سال ہی چھوٹی تھی۔عموماً وہ گھر پر ہی رہتی تھی۔اپنی بھابھی ریشماں کے ساتھ۔۔۔۔پنل سے اس کی شادی کو دو سال ہو چکے تھے مگر ہنوز اس کی گود بلکہ فی

Marfat.com

الوقت کوکھ تک خالی تھی۔

آغاز میں حسین بخش اپنے کنبے سمیت سکھیو کے دو تنگ و تاریک کوٹھری نما گھر میں ہی رہتا تھا مگر پھر رفتہ رفتہ اس نے وڈیرے رئیس جابر خان سے اجازت لینے کے بعد ایک چھوٹے سے قطعہ زمین پر کچی اینٹوں پر گارے مٹی اور بھوسے کا لیپ کر کے اپنا الگ سے دو کمروں کا گھر بنالیا تھا۔اس میں بھی سکھیو کی کوششوں اور محنت کا دخل تھا کیوں کہ اس نے اور اس کے بیٹے نے از خود تعمیر میں اس کا ہاتھ بٹھایا تھا۔شہروں کے مقابلے میں دور افتادہ گوٹھوں کے مکانات بالکل سادہ اور آسان طرز تعمیر کا نمونہ ہوتے ہیں کہ خود ہی لوگ اپنی مدد آپ کے تحت کٹی' بھوسے اور مٹی کا گارا تیار کر کے، البتہ کچی اینٹیں ذرا خریدنا پڑتی ہیں جو لوٹھ کے بھٹے سے ادھار پر بھی مل جایا کرتی تھیں پھر دن رات ایک کر کے چار دیواری قائم کر دی جاتی اور سادہ سے کوٹھری نما کمرے ڈال دیے جاتے تھے۔ان میں ضرورتاً مکینوں کے ساتھ چند ایک مزدور بھی شامل کر لیے جاتے تھے۔باقی ماندہ چھوٹا موٹا ضروری سامان مثلاً دروازے اور کھڑکیوں کی چوکھٹ وغیرہ شہر سے خرید لیے جاتے تھے۔ذریعہ معاش کا مسئلہ بھی سکھیو نے حسین بخش وڈیرے کی زمینوں کی دھا کی دلا کر حل کر ڈالا تھا۔

حسب دستور موسم کی فصل اترنے پر انہیں آدھا حصہ مل جایا کرتا تھا' جس میں یہ لوگ کچھ حصہ اپنے لیے محفوظ کر دیتے تھے اور بقیہ حصہ شہر کی منڈی میں لے جا کر ''بھل ڑوں'' کو فروحت کر آتے تھے۔فصل کا آدھا حصہ تو بس نام تھا وگرنہ ان بے چارے غریب ہاریوں کو آدھا بھی کب ملتا تھا۔بیج 'یوریا حتیٰ کہ ڈھل (ٹیکس) بھی ان ہاریوں کو ہی بھرنا پڑتا تھا۔اس پر ستم یہ کہ کمیشن کی صورت میں دو تین من اناج' وڈیرے جابر خان کا حریص منشی میرو پہلے ہی کاٹ لیتا تھا۔کسی کی کیا مجال جو ذرا بھی صدائے احتجاج بلند کرتا۔وہ جانتے تھے اس طرح انہیں نہ صرف مزدوری سے ہاتھ دھونے پڑتے بلکہ بے گھر بھی ہونا پڑتا مگر حسین بخش ہاری کے بیٹے پنل کو یہ

Marfat.com

بات گراں گزرتی تھی۔لیکن وہ باپ کی تنبیہہ کی وجہ سے خاموشی اختیار کیے ہوئے تھا مگراس بار جب فصل اچھی اتری تھی۔محمد پنل نے کہہ رکھا تھا کہ وہ منشی کوایک بوری سے زیادہ ہرگز نہیں دے گا۔یہی وجہ تھی کہ اس نے اپنے قریب ہی درانتی چلاتے باپ کی طرف کن انکھیوں سے دیکھا اس کے بعد وہ خود فصلوں کے بیچ سے اٹھ کھڑا ہوا اور اپنی اجرک سے ماتھے کا پسینہ پونچھتے ہوئے قریب ہی زمین پر بچھی رتی پر آن بیٹھا یہاں صراحی رکھی تھی۔جست کے ایک ٹیڑھے میڑھے گلاس سے پانی انڈیل کر پینے لگا گلاس کے افق سے ایک ٹک مگر گھمبیر نظریں دور ایک منحنی سے شخص پر مرکوز تھیں۔اسے دیکھ کر محمد پنل کی آنکھوں میں نفرت کے سائے لہرا گئے۔یہ منشی میرو تھا جو اس وقت رجسٹر بغل میں دبائے اپنے چند مسلح حواریوں کے ساتھ کھیتوں میں کام کرنے والے ہاریوں پر نظر رکھے ہوئے تھے۔اس کی گول گول عدسوں والی عینک کے عقب میں حریصانہ چمک صاف عیاں تھی۔گلاس صراحی کے اوپر الٹا رکھ کر پنل دانت پیسنے لگا اسے معلوم تھا کہ ان ہاریوں میں بے چارے وہ افراد بھی تھے جو وڈیرے کی نجی جیل کے قیدی تھے۔ان کو خود ساختہ قرضوں اور سود در سود کی زنجیروں سے جکڑ رکھا تھا۔

اثنائے راہ اس کا باپ حسین بخش بھی آ گیا۔اس کے بدن پر صرف میلی چیکٹ ''راک'' (تہبند) تھی۔

''پیو!اس بار ہم منشی کو صرف ایک بوری گندم دیں گے۔''

حسین بخش پانی پیتے پیتے چونک کر اپنے کڑیل بیٹے کے گرم جوش چہرے کو تکنے لگا۔وہ اپنے بیٹے کی اس بات سے انجانا سا خوف محسوس کرنے لگا تھا۔

''ناں پت!ایسا مت بول۔منشی میرو بڑا کمینہ آدمی ہے۔'' وہ سرگوشی میں دور کھڑے منشی میرو کی طرف دیکھ کر بیٹے سے بولا۔

''اس نے اگر وڈے سائیں سے شکایت کر دی تو اس سے بھی جائیں گے۔''

Marfat.com

''بابا! ہم محنت کرتے ہیں' ہم حق رکھتے ہیں کہ اپنی مرضی سے جو دیں وہ اسے قبول کرنا ہے۔۔۔۔۔تاکہ ہمیں۔۔۔۔'' پنل نے قدرے جوش بھرے لہجے میں کہا تو اس کا باپ ہاتھ جوڑ کر عاجزی سے بولا۔

''دیکھ میرے بڑھاپے کا ہی خیال کر لے۔ مت لگ اس مردود کے منہ مجھے تو اب تیرے سے بھی ڈر لگنے لگا ہے۔'' باپ کی بات پر ہمیشہ کی طرح پنل دانت پیس کر خاموش ہونے پر مجبور ہو گیا۔

☆.....☆.....☆

دور مشرق کی سمت افق پر شام کے سرخی مائل سناٹے اترے ہوئے تھے بلند و بالا نہنگ اور کھجوروں کے درختوں کے جھنڈ کے اوپر دن بھر کے تھکے ماندے پرندوں کی ترتیب وار مست حال ڈاریں بڑی بھلی معلوم ہو رہی تھیں۔ فضا میں آمد سرما کی ہلکی ہلکی یخ بستگی اترنے لگی تھی۔ مٹر اور چنوں کے کھیتوں کے درمیاں سانپ کی طرح بل کھاتی پگڈنڈی پر نازک اندام سوہنی پانی سے بھرے دو گھڑے اٹھائے چلی آ رہی تھی ایک گھڑا اس کے سر پر دھرا تھا جب کہ دوسرا اس نے اپنی لچکیلی کمر کے قیامت خیز لوچ میں ٹکا رکھا تھا۔ اس نے مخصوص روایتی قسم کا تھری لباس پہن رکھا تھا۔ تانبے جیسی رنگت پر پیلی چنری' چمکتا ہوا گیرواگھا گھرا اور شوخ رنگ کی چولی نے اس کے حسن کی سادگی و پرکاری کو ایک عجیب سی کشش بخشی ہوئی تھی۔ کانوں میں چاندی کے بالے اور کندنی کہنیوں تک پلاسٹک کے سفید کڑے اور ستواں ناک پر دمکتے ہوئے ابلق نے اسے بالکل ایک خوب صورت اور ثقافتی نمونہ بنا ڈالا تھا۔ اس کی رنگت شہابی تھی' البتہ اس کی بڑی بڑی سرمگیں اور گہرائی لیے ہوئی بڑی بڑی آنکھوں میں موئن جودڑو کی سی اداسی تھی۔ وہ قدرے تیز تیز قدم اٹھاتی چلی جا رہی تھی کہ اچانک ایک بدہیبت سا شخص اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

سوہنی اسے دیکھ کر ٹھٹھکی اور رک گئی۔ اس شخص پر نگاہ پڑتے ہی سوہنی کے

Marfat.com

معصوم سے چہرے پر پہلے لحظہ بھر خوف اور پھر انتہائی نفرت خیزی کے تاثرات ابھر آئے ۔وہ بدہیت سا شخص بھی ڈھٹائی کے ساتھ اپنے بھدے چہرے پر مکروہ مسکراہٹ لیے اس کی جانب گھورے جا رہا تھا۔

''میرا رستہ کیوں روکا ہے۔۔۔۔ہٹ پرے۔'' سوہنی نے تڑخ کر قدرے حقارت سے اس کی طرف گھورتے ہوئے کہا۔

''اڑی چھوکری! غصہ کیوں کرتی ہے؟ ایک بار میری بات سن لے پھر نہیں آؤں گا تیرے آگے۔'' اس نے معنی خیز خباثت سے کہا۔

یہ دادن تھا۔دبلی ہوئی اقامت مگر جثے کے لحاظ سے بیل ہی معلوم ہوتا تھا رنگت اس کی الٹے توے کی سی سیاہ تھی۔سوہنی کو اس کی ڈھٹائی پر غصہ آ گیا۔غصے کی تپش اور اوپر سے دو پانی سے لبالب بھرے گھڑوں کے بوجھ نے اس کی سانس پھلا دی تھی۔وہ غصے سے ہانپتے ہوئے بولی۔

''میں کہتی ہوں' ہٹ جا میرے رستے سے ورنہ۔۔۔ورنہ میں تیری شکایت اداپنل سے کردوں گی۔وہ کلہاڑی سے تیرے ٹوٹے کر ڈالے گا۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے ایک قدم آگے بڑھایا مگر داون پر اس کی دھمکی کا مطلق اثر نہ ہوا۔وہ بدستور اپنی جگہ کھڑا ڈھٹائی کے ساتھ بڑی اوباشانہ نظروں سے سوہنی کے حسین سراپے کو غورسی گھورتے ہوئے لوفرپن سے بولا۔

''اڑی او۔۔۔چھوکری! تیرا بھائی کیا میرے ٹوٹے کرے گا۔ٹوٹے تو تیری حسین جوانی نے پہلے ہی میرے کر ڈالے ہیں۔'' سوہنی اس کی اس بات پر بری طرح تلملانے لگی۔

''شکل دیکھی ہے اپنی آئینے میں۔میں کہتی ہوں ہٹ آگے سے۔''

''نہیں ہٹوں گا۔'' وہ ہٹیلے سے بولا۔

''تجھے آج میری بات سننا ہوگی۔''

Marfat.com

وہ اس کی بات تو کجا اس کی صورت دیکھنے کی بھی روادار نہ تھی مگر اس نے کڑے دل سے سوچا کہ آج روز روز کی ذہنی اذیت سے چھٹکارا پا ہی لینا چاہیے چنانچہ وہ چپکی کھڑی رہی مگر اس کے چہرے پر ہنوز نفرت بھری پرچھائیاں طاری تھیں۔ دادن اسے خاموش کھڑا دیکھ کر دل ہی دل میں خوش فہمی میں مبتلا ہو کر بولا۔

''بس۔۔۔۔ یہ کہنا تھا سوہنی کہ مجھ میں کیا برائی ہے۔ اچھا کھاتا پیتا ہوں زمینوں کا مالک ہوں۔ تو اگر مجھ سے شادی کر لے تو رانی بنا کر رکھوں گا تجھے۔''

''بس۔۔۔۔ یا اور کچھ؟''

''اور۔۔۔۔ اور۔۔۔۔ یہ کہ۔۔۔۔ میں تیرا جواب سننا چاہتا ہوں۔ تو عیوضے کی ذرا فکر نہ کر۔ تیرے ماں پیو کو اتنا روپیہ دوں گا کہ ساری زندگی آرام سے گزاریں گے۔''

سوہنی کی فطرت دوسری سیدھی سادی لڑکیوں سے مختلف تھی اور نہ ہی وہ ڈری سہمی رہنے والی لڑکی تھی۔ اس نے آٹھ جماعتیں پڑھ رکھی تھیں۔ تعلیم نے اسے سنوارا تھا اسے شعور عطا کیا تھا۔ وہ اپنا برا بھلا بہتر طور پر سمجھتی تھی۔ اس نے آج دادن کو آڑے ہاتھ لینے کا فیصلہ کر ہی لیا تھا چنانچہ اس نے خاموشی سے پانی کا مٹکا زمین پر رکھا دادن کھڑا امید بھری نظروں سے اس کی طرف تکے جا رہا تھا۔ اس کے بعد سوہنی نے جلتی سلگتی نظروں سے دادن کے بدہیت سیاہ رو چہرے کی طرف گھور کر نفرت انگیز لہجے میں کہا۔

''میں نے تیری بات سن لی اور اب تو بھی آخری بار میری بات کان کھول کر سن لے۔ اپنے گھر جا اور اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ انسانوں والی زندگی بسر کر بڑھاپے میں یہ چونچلے اچھے نہیں لگتے۔ رہی میری تجھ سے شادی کی بات تو میں تیرے سے شادی کرنے سے زیادہ بہتر زہر کھا کر مر جانا پسند کروں گی۔ اب دوبارہ میرے راستے میں آنے کی جرأت نہ کرنا۔ ورنہ تیرے جیسے بدمعاش آدمی کی بے عزتی کرنے

Marfat.com

میں ایک لمحے کی بھی دیر نہ کروں گی۔'' یہ کہہ کر سوہنی نے غصے سے بھناتے ہوئے مٹکا اٹھا کر دادن کے قدموں کے قریب دے مارا اور پاؤں پٹختی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

احساس ذلت کے مارے دادن کے مکروہ چہرے پر وحشتیں امڈ آئیں اور وہ معاندانہ نظروں سے سوہنی کو جاتے دیکھتا رہا۔

''تیرا غرور جلد توڑ دوں گا چھوکری!'' وہ غصے سے بڑبڑانے لگا۔

☆.....☆.....☆

سرمد کھیتوں سے تھکا ہارا گھر پہنچا۔ وہ اپنے چچازاد پنل کا ہم عمر ہی تھا اور اس جیسا کڑیل اور گھبرو جوان تھا مگر پنل کے برعکس وہ ٹھنڈے دماغ کا ایک سیدھا سادہ جوان تھا۔ جھگڑے فساد سے دور ہی بھاگتا تھا اور اپنے بڑوں کی لکیر والی فقیری اختیار کیے ہوئے تھا۔

گھر خالی تھا۔ ابھی اس کے ماں باپ کھیتوں سے نہیں لوٹے تھے البتہ سرمد اپنا کام معمول سے ذرا جلد نمٹا کر واپس آ گیا تھا۔ گھر گارے مٹی کی کچی دیواروں پر مشتمل تھا جس میں دو کمروں کے نام پر کچی کوٹھریاں بنی ہوئی تھیں۔ کچا صحن البتہ خاصا کشادہ تھا جہاں ایک طرف چارہ کترنے کی ''کتر مشین'' اور وہیں قریب ہی ناند کے قریب ایک بدنما چھپر تلے کھرلی کے پاس ایک دودھیل بھینس بھی بندھی ہوئی تھی ایک مرغی چوزوں کی فوج ظفر موج کے ساتھ کڑکڑاتی پھر رہی تھی۔ سرمد نے ایک کونے میں لگے ہینڈ پمپ سے منہ ہاتھ دھویا پھر اپنے کاندھے پر دھرے انگوچھے سے منہ ہاتھ صاف کرنے لگا۔ اس کے بعد اس نے داہنی جانب والی دیوار پر بنی ایک چھوٹی سی کھڑکی کی طرف دیکھا جو اس کے چاچے ہاری حسین بخش کے گھر کے صحن میں کھلتی تھی کھڑکی بند تھی۔ یہ ایک آدم گزار کھڑکی تھی جس کے چوبیں چوکھٹے میں کوئی گرل یا سلاخیں نصب نہیں تھیں۔ معاً کھڑکی کے دونوں پٹ وا ہوئے اور سوہنی کا من موہنا چہرہ ابھرا۔ وہ وہاں سے سرمد کو پیار بھری نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ اسے دیکھ کر سرمد کے دل

Marfat.com

کی دھڑکنیں بھی بے ترتیب ہونے لگی۔وہ شرمیلے انداز میں دیکھ کر مسکرایا اور پھر صحن میں بچھی کھری چارپائی پر بیٹھ گیا۔

''ارے سرمو !وہاں کیوں بیٹھ گیا ہے؟ادھر آ ناں !'' سوہنی نے بڑے دلارے سے اس سے کہا۔سرمد ذرا گھبرا گیا۔سوہنی کھنکتی ہوئی آواز میں ہنسی پھر جیسے اس کی گھبراہٹ کی وجہ جان کر بولی۔

''آجا ادھر میرے گھر میں بھی کوئی نہیں ہے۔'' سرمد کو ذرا اطمینان ہوا تو وہ چارپائی سے اٹھ کر کھڑکی کے قریب آ گیا۔

''سرمو!اتنا ڈرتا کیوں ہے رے!آخر کو ہم دونوں۔۔۔۔''

سوہنی نے ایک ادائے دلربائی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور ذرا شرمیلے انداز میں دانستہ اپنا جملہ ادھورا چھوڑا۔مگر سرمو اس کی ادھوری بات کا مطلب جان کر بولا۔

''وہ تو ٹھیک ہے۔۔۔۔۔پر۔۔۔۔یہ اچھا نہیں لگتا ابھی۔''

''کیا اچھا نہیں لگتا؟'' وہ اٹھلا کر بولی پھر ایک ادائے دل آرا سے اس نے اپنی چمکیلے پراندے والی چھن چھن کرتی چوٹی کو پشت سے سینے پر پھنکارا اور اس سے کھیلتے ہوئے بولی۔

''ہم کیا کرتے ہیں؟ کیا تھوڑی سی باتیں بھی نہیں کر سکتے ایک دوسرے سے۔۔۔۔؟''

''کیا بات کریں؟'' سرمد ہونقوں کی طرح اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر بولا۔سوہنی کو اس کے بھول پن پر بے اختیار ہنسی آ گئی بولی۔

''تو تو بالکل بھولا ہے۔اچھا سن !یہ بتا تجھے میں اچھی لگتی ہوں؟ سرمد نے اس کی بات پر ایک نظر چونکتی ہوئی اس پر ڈالی پھر ہلکی سی مسکراہٹ سے فوراً سر ہلا دیا۔

''یہ کیا۔۔۔؟ زبان نہیں ہے تیرے منہ میں جو یوں سر ہلا دیا۔''

Marfat.com

''تو اور کیا کروں ۔۔۔۔۔؟ تو نے پوچھا میں اچھی لگتی ہوں میں نے ہاں کہہ دی۔'' سرمد نے ہولے سے کہا تو سوہنی بولی۔

''تو بھی پورا دھچر ہے! زبان سے بول کتنی اچھی لگتی ہوں تجھے؟'' سوہنی بھی اسے چھوڑنے والی کہاں تھی۔ سرمد بھی جیسے جان چھڑانے والے انداز میں بولا۔

''اچھا بابا! تو مجھے بہت اچھی لگتی ہے۔۔۔اب بس!''

''سرمو تجھ سے ایک بات کہوں؟'' سوہنی نے اچانک سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا

''کون سی بات؟'' وہ مستفسر ہوا۔

''بس رہنے دے!'' کچھ سوچ کر سوہنی چپ ہوگئی۔ اچانک دروازے پر آہٹ ابھری۔

''چل بند کر اب کھڑکی لگتا ہے بابا اور اماں آ گئے ہیں' میں چلا'' سرمد نے جلدی سے کہا اور پھر واپس چارپائی کی طرف بڑھ گیا۔ سوہنی نے جلدی سے بے آواز کھڑکی بند کر دی۔

☆.....☆.....☆

دو مرغ آپس میں لڑ لڑ کر لہولہان ہو رہے تھے اور ان کے گرد جمگھٹا بنائے لوگ انہیں بہ آواز بلند ہلہ شیری دے رہے تھے' مگر ان میں دو افراد زیادہ پرجوش اور سرگرم دکھائی دے رہے تھے۔ ایک کا دوموالی اور دوسرا دادن۔

''واہ رے میرے راکٹ! بھگا دے دشمن کو ۔۔۔۔۔آگے بڑھ ۔۔۔۔۔ہوڑ ۔۔۔ہوڑ ۔۔۔۔دشمن!'' دادن نے جوش سے بپھرے ہوئے اپنے مرغے کو ہلا دیا۔ اس کے مرغ کا میدانی نام راکٹ تھا۔ مخالف سمت میں کھڑے اپنے ساتھیوں کے آگے کھڑے منحنی سے خاکستری رنگ اور لمبوترے چہرے والے کا دوموالی نے بھی اپنے مرغے کا جوش بڑھاتے ہوئے چلا کر کہا۔

''شاباش میرے لانچر! آڑا دے دشمن کو ۔۔۔۔بھگا دے دشمن کو

Marfat.com

۔۔۔آگے بڑھ۔'' دونوں مرغے بھی شاید اپنے اپنے مالکوں کی ہلہ شیری کی زبان خوب سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک بار پھر دونوں نے اچھل اچھل کر اپنے نوکیلے پنجوں اور ٹھونگوں سے ایک دوسرے پر حملہ کرنا شروع کر دیا۔ میدان میں ایک بار پھر لوگوں کے بم چخ کا شور ابھرا۔ پھر اچانک دادن کے راکٹ کو کادوموالی کے لانچر پر حملہ کرنے کا موقع مل گیا اور اس کے انگوٹھے پر چڑھے ہوئے فولادی نیش نے لانچر کی ایک آنکھ نکال دی۔ بس پھر کیا تھا کادوموالی کا مرغا میدان چھوڑ کر بھاگا۔ دادن کے حواریوں نے بہ آواز بلند اس کے راکٹ کے حق میں نعرے بلند کرنا شروع کر دیے اور پھر دونوں خفتیوں (دادن اور کادوموالی) نے یک دم آگے بڑھ کر اپنے اپنے مرغوں کو پکڑ لیا۔

''چل رے کادو! نکال ۔۔۔دو ہزار روپے۔'' دادن نے پژمردہ سے کھڑے کادوموالی سے کہا اور پھر اس نے اپنی میلی چیکٹ صدری سے ہزار کا ایک میلا کچیلا نوٹ اس کی طرف بڑھا دیا اور شکست خوردہ لہجے میں بولا۔

''یہ ہزار لے لے باقی بھی میں دے دوں گا۔''

''نہیں۔ مجھے ابھی دے شرط کے پورے پیسے۔ میں تجھے ایسے میدان سے نہیں جانے دوں گا۔'' دادن فوراً لڑنے مرنے پر اتر آیا۔ ناچار کادوموالی نے اپنی راک (تہبند) کی ڈب سے پانچ پانچ سو کے مزید دو نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیے اور اپنا سا منہ لے کر اپنے راستے پر ہولیا۔ وہاں موجود دادن کے ساتھیوں نے اسے گھیر لیا اور بابل خان کے چھپر ہوٹل پر دودھ پتی پلانے کا اصرار کرنے لگے دادن خوش تھا۔ وہ اپنے راکٹ (مرغ) کو اپنی بغل میں دبائے پیار کر رہا تھا پھر وہ بولا۔

''اڑے بابا! تم سب بابل کے ہوٹل میں چلو میں اپنے راکٹ کو ذرا مرہم اور دوا دے کر کے آتا ہوں۔'' اس کے حمایتی نعرے لگاتے بابل خان کے ہوٹل چلے گئے۔

Marfat.com

دادن اپنے گھر پہنچا۔گھر اگرچہ کچی دیواروں پر مشتمل تھا مگر کافی کشادہ تھا دو بڑے کمرے اور ایک چھوٹا کوٹھری نما کمرہ تھا۔یہ اس کے راکٹ کے لیے مخصوص تھا صحن کے وسط میں ایک رلی بچھی چارپائی پر ایک فربہ اندام عورت بیٹھی تھی جو چارپائی پر دراز دس بارہ سال کے ایک بچے کے سر پر برف کی پٹیاں رکھ رہی تھی۔بچہ بخار سے پھنک رہا تھا اور عورت جو اس کی ماں تھی۔عالم پریشانی اور غم سے نڈھال زیر لب بدبدا رہی تھی۔وہ خدا سے بچے کی صحت یابی کی دعائیں مانگ رہی تھی۔یہ زلیخاں تھی دادن کی بیوی۔وہ اپنے حلیے سے دکھوں کی پوٹلی نظر آ رہی تھی۔اس کی آنکھوں کے گرد حلقے پڑے ہوئے تھے۔بچے کی تیمارداری اور بے آرامی کے باعث خود وہ بھی نڈھال ہو رہی تھی۔وہ تیس پینتیس کے لپیٹے میں تھی۔

''اڑے رمضو کے پیو! تجھے ہماری پرواہ بھی ہے کہ نہیں۔۔۔۔'' وہ اپنے شوہر دادن کو دیکھ کر جلدی سے چارپائی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تجھے اللہ سائیں کا واسطہ میرے بچڑے (بچے) کو حکیم سائیں کے پاس لے جا اس کا تاپ (بخار) نہیں ٹوٹ رہا۔''

دادن نے خشمگیں سی نظروں سے اسے گھورا پھر جیب میں ہاتھ ڈال کر پستوں کی ڈھیری نکال کر مرغ کے آگے رکھ دی۔مرغا جلدی جلدی اس کی پھیلی ہوئی ہتھیلی پر چونچیں مار مار کر پستے کھانے لگا۔دادن اسے مصروف کرنے کے بعد اپنی بیوی سے بولا۔

''موسمی بخار ہے۔۔۔اتر جائے گا۔'' یہ کہہ کر وہ اندر کوٹھری میں آ گیا مرغے کو آہستگی سے نیچے اتارا پھر ایک چھوٹے سے بکسے سے مرہم پٹی کا سامان نکال کر مرغے کو مرہم لگانے میں مصروف ہو گیا۔اس کام سے فارغ ہونے کے بعد وہ پھر صحن سے گزرتا ہوا بیرونی دروازے کی طرف بڑھا تو اس کی بیوی زلیخاں ہاتھ جوڑتے ہوئے اس کے سامنے آ گئی اور روہانسے لہجے میں التجا کر کے بولی۔

Marfat.com

''تھوڑے پیسے تو دے دے۔رمضو کو حکیم کے پاس لے جاؤں کتنے دنوں سے گریب بخار میں تڑپ رہا ہے۔'' دادن نے اسے کرخت نظروں سے گھورا پھر جیب سے دس کا مڑا تڑا نوٹ نکال کر اسے پکڑا دیا۔پھر باہر نکل گیا۔بیچاری زلیخاں کبھی اپنے ہاتھ میں پکڑے دس کے میلے کچیلے نوٹ کو دیکھتی کبھی مرغے کی کوٹھری کی طرف۔

☆.....☆.....☆

دادن بابل خان کے چھپر نما ہوٹل پہنچا تو اس کے یار باش حمایتی اس کے کھاتے میں دودھ پتی پینے میں مشغول تھے۔دادن نے ایک پیش گار چھوکرے کو جیب سے سوکا کرارا نوٹ نکال کر تھما دیا اور پھر وہاں سے سیدھا منشی میرو کے ہاں پہنچا دادن کو یقین تھا کہ منشی میرو اس وقت اپنے گھر میں ہوگا۔منشی میرو سے اس کے پرانے مراسم تھے۔اس نے دادن کو اوطاق میں بٹھا دیا۔

''چائے پانی کا بندو بست کرتا ہوں۔'' یہ کہہ کر منشی اوطاق کے ایک دوسرے صحن میں کھلنے والے دروازے کی طرف بڑھنے لگا تو دادن نے منع کرتے ہوئے کہا۔

''اڑے بابا رہنے دے چائے میں پی کر ہی آرہا ہوں۔ادھر آ۔۔۔ذرا بیٹھ میرے ساتھ آج تجھ سے ضروری بات کرنی ہے۔''منشی میرو خاموشی سے اس کے سامنے والی ایک کھری چارپائی پر بیٹھ گیا اور مستفسرانہ نظروں سے دادن کے پرسوچ چہرے کی طرف تکنے لگا۔پھر دادن اس سے بولا۔

''یار منشی میرو! تو ہی کچھ میرے مسئلہ کا حل بتا اور میری مدد کر۔''

''اڑے بابا! بتا تو سہی کیا مسئلہ ہے۔''منشی نے پوچھا۔

''ارے یار! وہ ہاری حسین بخش ہے نا۔۔۔اس کی دھی سوہنی پر میرا دل آ گیا ہے۔میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔''اس نے بتایا تو منشی کے منحنی چہرے

Marfat.com

پر خباثت بھری مسکراہٹ ابھری۔

''اچھا! یہ بات ہے؟'' وہ معنی خیز انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

''تو پھر سنگ لے لے۔۔۔۔جا کر حسین بخش سے اس کی دھی (بیٹی) کا۔''

''ہاں۔ایسا ہی کرنا پڑے گا۔'' دادن پر خیال انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

''پر میں کیسے جاؤں؟ یہ کام تو کر دے۔بھرجائی (منشی کی بیوی) کو تو ساتھ لے جانا میرا کام ہو جائے گا تو دونوں کے سوٹ پکے۔شہر سے لے کر آؤں گا مٹھائی بھی۔'' دادن نے اسے لالچ دیا۔منشی بھی ایک کائیاں تھا کہ دادن نے اس مشکل کام کے لیے اسے ہی کیوں چنا تھا کہ رئیس کا منشی ہونے کی وجہ سے حسین بخش پر ذرا رعب پڑے، اس لیے وہ بھی مکاری سے بولا۔

''یار دادن! بس صرف دو سوٹ اور مٹھائی۔۔۔سوہنی جیسی پری کے لیے تو تجھے اپنی جیب بھی ڈھیلی کرنی پڑے گی۔''

''اچھا اچھا! سمجھ گیا تیرا مطلب؟ تو تو میرا اپکا یار ہے' فکر نہ کر۔۔۔۔نوٹ بھی دوں گا۔'' دادن نے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

''اچھا! عیوضہ کتنا طے کروں؟'' منشی نے دادن سے پوچھا۔

''یہی پچاس ہزار۔''

''یہ تو بہت تھوڑا ہے۔'' منشی میرو نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''ایک لاکھ کی بات کرے تو کام کی کچھ امید بن سکتی ہے۔'' دادن اس بات پر کچھ سوچنے کے بعد رضامند ہو گیا۔

''اور میرے پندرہ ہزار تیار رکھنا۔۔۔۔میں چلا۔'' وہ اٹھنے لگا۔دادن بھی کھڑا ہو گیا۔

''مجھے منظور ہے۔۔۔۔بس تو یہ کام کر دے میرا۔''

Marfat.com

بے فکر رہ۔۔۔۔میں آج ہی اپنی زال (بیوی) کے ساتھ حسین بخش کے گھر جاتا ہوں۔''منشی نے اسے تسلی دی۔داون خوش ہوگیا۔

☆.....☆.....☆

منشی میرو اور اس کی بیوی کو اپنے پیوند زدہ دروازے پر دیکھ کر بے چارہ ہاری حسین بخش آنکھیں پھاڑے غیر یقینی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

''سائیں !آپ نے تو ہمارے گھر کو بڑی رونق بخش دی اس گریب کی عزت ہوگئی۔۔۔۔آؤ۔آؤ۔۔۔بھلی کرے آیو۔''

صحن میں دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔موسم خوشگوار تھا۔گھر میں اتفاق سے سب ہی موجود تھے سوائے محمد پنل کے۔حسین بخش نے منشی اور اس کی بیوی کے لیے فوراً صحن میں چارپائی بچھائی اور پھر صاف ستھری رلی ڈال دی اور اپنی بیوی مختاراں سے چائے پانی کا کہا تو منشی اسے منع کرتے ہوئے بولا۔

''کسی شے کی ضرورت نہیں۔۔۔۔ادھر بیٹھ۔تیرے سے ایک ضروری بات کرنا تھی حسین بخش!''

حسین بخش بے چارہ حیران و پریشان ایک ٹک منشی میرو کا چہرہ تکنے لگا۔ اسے حیرت سے زیادہ پریشانی ہورہی تھی کہ آخر رئیس جابر خان کا منشی میرو اس غریب کے ہاں چل کر ایسی کون سی اہم بات کرنے آیا ہے جو اس نے اپنے کسی رئیس کی اوطاق میں بلا کر کرنے کی بجائے خود اس کے گریب خانے میں آیا ہے۔

''منشی صاحب !مجھے بلا لیا ہوتا آپڑیں اوطاق میں۔۔۔۔تم نے کیوں تکلیف کی؟''حسین بخش نے فروتنی سے کہا۔

''اڑے بابا !ایک ہی بات ہے۔۔۔۔پریشان مت ہوتو۔۔۔۔ن ذرا۔''منشی میرو نے مکارانہ انسیت سے کہا پھر بولا۔

''تو بھی کیا یاد کرے گا کہ تیری دھی سوہنی کے نصیب کھولنے آ گیا ہوں

Marfat.com

میں۔'' اس کی بات پر حسین بخش کبھی منشی کا منہ تکتا تو کبھی اپنی بیوی مختاراں کا منہ دیکھنے لگتا۔

''میں سمجھا نہیں منشی صاحب!'' وہ منشی سے الجھے ہوئے لہجے میں بولا۔

تو منشی میرو نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔''سیدھی بات ہے۔۔۔۔اچھا سن دادن کو تو تو جانتا ہی ہے ناں۔۔۔خاصا پیسے والا ہے اور شریف بھی۔بڑا سیدھا سادہ آدمی ہے۔میرا تو یار ہے پکا۔۔۔۔اس کے لیے میں تیری دھی سوہنی کا رشتہ لینے آیا ہوں۔۔۔۔بول اب کیا کہتا ہے۔''اس کی بات سن کر بے چارے حسین بخش پر یکدم سکتا طاری ہو گیا۔

خاصی دیر تک غریب کے منہ سے کوئی الفاظ تک ہی نہ برآمد ہو سکے۔

''پورے ایک لاکھ دے گا۔۔۔۔دادن۔۔۔۔تیری دھی عیش کرے گی اور سکھی رہے گی اس کے پاس۔''منشی اسے شاید خوشی کے مارے گم دیکھ کر بولا۔

حسین بخش سے ابھی کوئی جواب نہ بن پڑا تھا۔وہ اسے کیا جواب دیتا بلکہ وہ تو یہ دعائیں مانگ رہا تھا کہ کہیں اس کا جوان بیٹا پنل نہ آ جائے۔وہ تو پہلے ہی منشی پر ادھار کھائے بیٹھا تھا اس پر اگر اسے یہ پتہ چل جاتا کہ منشی جہاں خود بہ نفیس نفیس چل کر کیا کرنے آیا تھا تو کوئی بعید نہ تھا وہ ہنگامہ کھڑا کر دیتا۔کیونکہ وہ ہی کیا پورا گوٹھ دادن کے کرتوتوں سے اچھی طرح واقف تھا وہ کس قماش کا آدمی تھا یہ بھی پورا گوٹھ جانتا تھا۔

''مم۔۔۔۔میں۔۔۔۔کیا جواب دوں دراصل سس۔۔۔۔سائیں وہ۔۔۔۔میں نے سوہنی کی بات وڈے سکھیو کے بیٹے سرمد سے طے کر دی ہے۔''اسے بالآخر یہی جواب سوجھا تھا۔

''بات سے کیا ہوتا ہے۔۔۔۔۔میں تو سیدھے نکاح کی بات کر رہا ہوں۔''منشی نے کہا۔اس شخص کو پہلے سے ہی معلوم تھا کہ ہاری حسین بخش اسے کیا جواب دینے والا تھا۔حسین بخش کے چہرے پر پرچھائیاں سمٹ آئی تھیں آخر کار وہ

8152

Marfat.com

اپنے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے منت سماجت سے بولا۔

''منشی صاحب! ہم گریب لوگ ہیں۔۔۔۔۔ہمارا دادن جیسے زمیندار سے بھلا کیا جوڑ؟ میرے بڑھاپے پر رحم کر۔۔۔۔۔ہمیں اپنے حال پہ مست رہنے دے۔''

''اڑے یار! تو ایسے ڈر رہا ہے جیسے۔۔۔۔۔''منشی میرو نے ابھی اس تشفی آمیز انداز میں اتنا ہی کہا تھا کہ اچانک دروازے پر کھٹکا ہوا۔ حسین بخش نے ٹھٹکی ہوئی نظروں سے وہاں دیکھا اور سن ہو کر رہ گیا۔ اس کا بیٹا محمد پنل اندر داخل ہو رہا تھا پھر جیسے ہی اس کی نگاہ منشی میرو پر پڑی۔ وہ ایک لمحے کو اپنی جگہ پر ساکت و جامد ہو کر رہ گیا۔

''اچھا میں چلتا ہوں۔ تیرے جوب کا انتظار کروں گا۔''منشی میرو یہ کہہ کر وہاں سے کھسکنے کے انداز میں چلا گیا۔

''بابا! یہ خبیث یہاں کیا کرنے آیا تھا؟''پنل نے خاصی ناگواری کے ساتھ باپ سے پوچھا۔ حسین بخش ایک دم گھبرائے ہوئے انداز میں بولا۔

''ایسے ہی آیا تھا۔ فصلوں کی کٹائی کا پوچھ رہا تھا۔ کتنے جریب تک ہوگئی ہے۔'' وہ بیٹے سے جھوٹ بولنے پر مجبور تھا مگر رسوئی میں ماں کے ساتھ دم بہ خود بیٹھی سوہنی نے باپ کا جھوٹ پکڑ لیا اور فوراً رسوئی سے باہر نکل آئی پھر باپ سے بولی۔

''بابا جھوٹ کیوں بولتا ہے۔۔۔۔۔صاف صاف کیوں نہیں بتاتا ادا کو وہ خبیث بڈھا تجھ سے کیا کہہ رہا تھا؟'' باپ نے غصے سے بیٹی کو گھورا۔

''چل جا اندر۔۔۔۔۔باتوں میں کان لگائے رکھتی ہے۔'' پھر وہ بیٹے سے جبراً مسکرا کر بولا۔

''چل پٹ! تو مانی ٹکر کھا لے۔ تھکا ہوا ہے۔''

Marfat.com

''نہیں بابا کوئی بات ہے۔۔۔تو مجھ سے چھپا رہا ہے۔پہلے بتا۔وہ مردود منشی میرو یہاں کیوں آیا تھا۔اس سے پہلے تو وہ ہمارے دروازے کے قریب سے بھی نہیں گزرتا تھا۔'' پنل نے باپ کو پکڑ لیا۔حسین بخش نے ایک درشت نگاہ قریب کھڑی اپنی بیٹی سوہنی پر ڈالی اور سوہنی خاموشی کے ساتھ وہاں سے کھسک گئی۔وہ اب مطمئن تھی کہ اس کا باپ اب اپنے غیرت مند بیٹے کے سامنے کچھ چھپا نہ سکے گا۔حسین بخش کو بھی یہ بہ خوبی علم تھا وہ بولا۔

''اچھا!اچھا بتاتا ہوں۔پہلے تو مانی ٹکر (روٹی وغیرہ) تو کھالے۔''

''اصل بات کو سنے بغیر میں روٹی کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا۔''

پنل حسب عادت اڑ گیا۔حسین بخش پریشان ہو گیا۔پنل باپ کو متذبذب پا کر اس کے قریب آ گیا۔باپ کو اصل بات بتانا ہی پڑی' جسے سن کر پنل کا چہرہ سرخ ہو گیا۔باپ نے فوراً اپنی ٹوپی اتار لی۔

''نہیں بابا!بہت ہو گیا۔میں ابھی آتا ہوں۔'' پنل نے قہر آلود لہجے میں کہا پھر کلہاڑی اٹھالی۔باپ اس کے آگے آ گیا اور گڑگڑا کر ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔

''میرے بڑھاپے کا واسطہ۔۔۔۔یوں غصہ نہ کر ۔۔۔۔اڑی او۔۔۔پنل کی ماں۔۔۔۔روک اسے۔۔۔۔۔۔یہ ہم پر قیامت لانے والا ہے۔''

مختاراں بھی اپنے گھبرو بیٹے کو غیرت کی آگ میں سلگتا دیکھ کر اسے روکنے کو دوڑی مگر پنل ان کی پرواہ کیے بغیر آندھی طوفان کی طرح گھر سے نکل گیا اور سیدھا رئیس جابر خان کی اوطاق میں پہنچا۔وہاں منشی میرو ابھی ابھی پہنچا تھا اور ایک سرکنڈوں کے موڑے (مونڈے) پر رجسٹر ڈ سنبھالے بیٹھا زمین پر پلیتھیاں مارے بیٹھے چند مدقوق ہاریوں سے کرخت لہجے میں مخاطب تھا۔پنل کو دیکھتے ہی وہ بری طرح چونک پڑا۔پنل کے چہرے پر بگڑتے تیور دیکھ کر وہ مکارانہ مسکراہٹ سے بولا۔

''اڑے آ بابا چھوکرا! کیسے آنا ہوا؟''

Marfat.com

''منشی !تو نے جرأت کیسے کی اس حرام زادے جواری کی اولاد دادن کے لیے میری بہن سوہنی کا سنگ (رشتہ) مانگنے کی ؟''پنل دروازے پر ہی نہنگ کے درخت کی طرح کھڑے کھڑے غصے سے غرا کر بولا تو اس بار منشی میرو کا دماغ بھی الٹ گیا اور وہ اپنی گود میں پھیلے ہوئے رجسٹر کو بند کر کے یک دم غصے سے بھانتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا پھر عینک اتار کر اپنی چندی چندی مکارانہ آنکھوں سے پنل کو گھورتے ہوئے بولا۔

''اڑے چھوکرا! زبان سنبھال کر بات کر۔۔۔۔یہ آپڑیں وڈے سائیں کی اوطاق ہے۔۔۔۔تیرا ویڑھا نہیں ہے یہ۔''

''منشی باغیرت لوگوں کے لیے ایک غریب ہاری کے گھر کا ویڑھا اور وڈے سائیں کی اوطاق میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔''پنل اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر شعلہ فشاں لہجے میں بولا۔

منشی میرو اس کی گرم جوش جوابی کارروائی پر یک دم مارے طیش کے موڑھے سے اٹھ کھڑا ہوا اور غصیلے لہجے میں پنل کو گھورتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے دانت پیس کر بولا۔

''اڑے چھوکرا تو جس عزت کی بات کر رہا ہے۔۔۔۔وہ بھی ہمارے رئیس کی دی ہوئی ہے۔۔۔۔اور تو آج اس کی اوطاق میں آ کر مجھے للکار رہا ہے۔اپنی اوقات میں رہ۔''

''منشی !یہ عزت ہمیں کسی انسان نے نہیں اللہ نے دی ہے اور مجھے رئیس کا ہی لحاظ آتا ہے جواب تک خاموش ہوں۔''پنل نے غیظ آلود لہجے میں کہا۔

''اور کان کھول کر سن لے۔۔۔۔تو بھی اپنی حیثیت صرف فصلوں کے حساب کتاب تک رکھ۔اگر دوبارہ کبھی میری بہن کا نام بھی تیری زبان پر آیا تو میں رئیس کا بھی لحاظ نہ کروں گا۔'' یہ کہہ کے پنل واپس چلا گیا۔

Marfat.com

منشی میرو کے چہرے پر چھائی سناٹے دار خاموشی کسی بڑے طوفان کا پتا دیتی محسوس ہو رہی تھی۔

پنل زخمی شیر کی طرح بپھرا ہوا وہاں سے سیدھا دادن کے گھر کی طرف چلا۔راستے میں چاچا اللہ یار نے اسے بتایا کہ دادن بابل کے چھپر ہوٹل میں موجود ہے تو پنل نے سیدھا وہاں پہنچ کر ہی دم لیا۔

دادن اس وقت اپنے مرغ باز ختیوں کے ایک مختصر سے ٹولے کے درمیان لکڑی کے ایک سالخوردہ بینچ پر بیٹھا چائے پی رہا تھا۔اس کی بائیں ہاتھ کی مٹھی میں بابو بیڑی دبی ہوئی تھی۔پنل کو ہوٹل کے چھپرا حاطے میں حالتِ غیظ سے داخل ہوتے دیکھ کر وہ ٹھٹھکا۔ادھر پنل نے بھی دادن کو دیکھ لیا تھا۔اس کے قریب بڑھتے ہی اپنی کلہاڑی دونوں ہاتھوں میں سونت لی۔دادن ایک لمحے کو بری طرح گھبرا گیا اگر بروقت اس کے آلی موالی ساتھی اور ہوٹل میں بیٹھے دوسرے گاہکوں نے پنل کو پکڑ نہ لیا ہوتا تو اس کی کلہاڑی دادن کا آج قصہ پاک ہی کر ڈالتی۔

''چھچھ۔۔۔۔چھوڑ دو۔۔۔۔۔مجھے۔۔۔۔۔میں اس ذلیل کتے کو آج زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''پنل غیظ و غضب کے عالم میں غرایا اور چنگھاڑتی آنکھوں سے دادن کو گھورنے لگا۔

''اڑے چھوکرا! ہوش کر۔۔۔۔بس بابا بس۔۔۔۔۔کیا بات ہے۔۔۔۔اس کا فیصلہ ہم کریں گے۔''وہاں موجود لوگوں نے بپھرے ہوئے پنل کو پکڑے ہوئے یک زبان ہو کر کہا۔وہ اپنے تئیں اس جھگڑے کو کاروباری سمجھے ہوئے تھے حالاں کہ ایسی بات نہیں تھی۔

''دادن!۔۔۔کتے!میری بات کان کھول کر سن لے۔دوبارہ میری بہن کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھا تو کلہاڑی سے تیرے ٹوٹے کر کے رکھ دوں گا۔آج سمت تھی تیری بچ گیا۔ہر دفعہ ایسا نہیں ہوگا۔''پنل نے مغلوب الغضب ہو کر

Marfat.com

دھاڑتے ہوئے اسے سرزنش کی۔

یہ معاملہ ہی ایسا تھا کہ دادن سمیت وہاں موجود اس کیساتھی بھی دم بہ خود سے کھڑے رہ گئے۔ پھر پنل قہر آلود نظروں سے دادن کو گھورتا ہوا پاؤں پٹخ کر وہاں سے واپس چلا گیا۔ ذرا دیر بعد بابل خان کا چھپر ہوٹل لوگوں کی آپس میں چہ مگوئیوں کے بم چخ سے گونج رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

محمد پنل کی رئیس جابر خان کے منشی میرو اور دادن کے ساتھ گرما گرمی کے بعد یہ معاملہ سرد پڑتا محسوس ہو رہا تھا لیکن جانے کیوں سکھیو اور بالخصوص پنل کے باپ حسین بخش کو یہ اسرار بھری خاموشی کسی بڑے نادیدہ طوفان کا ہی پیش خیمہ محسوس ہو رہی تھی۔

سکھیو اور حسین بخش نے اپنی ساری عمر ارضی نا خداؤں کے آگے ہاتھ جوڑے ''حاضر سائیں وڈا'' اور ''برابر سائیں برابر وڈا'' کر کے گزاری تھی۔ لہذا وہ ایسے لوگوں کی کینہ پرور عادات وخصلت سے بھی بہ خوبی واقف تھا۔ دونوں جہاندیدہ بھائی اب اندر سے ڈرے سہمے ہوئے تھے اب کبھی بھی ان پر کوئی بڑا عتاب رئیس کی ناراضگی کی صورت میں نازل ہونے والا تھا کیوں کہ وہ دونوں اچھی طرح جانتے تھے کہ خبیث دادن نے رئیس میرو کا دامن پکڑ رکھا تھا اور منشی رئیس کا دم چھلا تھا جوان کے خلاف گل کھلانے کے لیے بظاہر خاموشی سے مکاری کی بکل مارے بیٹھا تھا۔

بہر طور اب محمد پنل اپنے باپ حسین بخش کو سوہنی کی سرمد سے شادی کے لیے دباؤ ڈالنا شروع کر دیا۔ موجودہ حالات میں دونوں گھرانوں کے افراد نے یہی بہتر سمجھا کہ اب سوہنی اور سرمد کی جلد از جلد شادی کر دینی چاہیے۔ دونوں گھرانے دوران خانہ شادی کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ تب پھر ایک دن جب شادی کے تمام مراحل فیصلہ کن موڑ پر داخل ہوئے اچانک ایک روز ہاری حسین بخش کے بڑے بھائی

Marfat.com

سکھیو نے اپنے بیٹے کی شادی سے صاف انکار کر دیا۔ حسین بخش اور اس کا بیٹا پنل بھونچکارہ گیا۔ ایک لمحے کو تو انہیں یقین ہی نہیں آیا تھا۔

''بھائی سکھیو !ی۔۔۔۔۔ی۔۔۔۔۔یہ تو کیا کہہ رہا ہے۔ ہوش میں تو ہے؟'' حسین بخش نے حیران و پریشان ہو کر کہا۔

اس وقت دونوں باپ' بیٹا اور حسین بخش کی بیوی مائی مختاراں سکھیو کے ہاں آخری بات طے کرنے آئی تھی کہ سکھیو نے دھماکہ کیا۔

سکھیو کا چہرہ اندرونی کرب کا غماز تھا۔ پاس ہی اس کی بیوی عنایتاں بھی موجود تھی۔ ان کا بیٹا سرمد البتہ باہر تھا۔ سکھیو نے اپنے بھائی کی بات پر ایک آزردہ سی ہمکاری بھری۔ پھر سر جھکاتے ہوئے نحیف سی آواز میں بولا۔

''ہاں بھائی!۔۔۔۔میں۔۔۔۔سوہنی کا سنگ (رشتہ) اپنے بیٹے سرمد کیلئے لینے سے صاف انکار کرتا ہوں۔''

''مگر چاچا! یہ تجھے اچانک کیا ہو گیا ہے؟ تو نے تو زبان دے رکھی تھی۔'' اس بار محمد پنل نے لب کشائی کی۔ اس پر گم صم بیٹھے سکھیو کی بیوی عنایتاں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

''پٹ پنل! بس ہمیں سوہنی کا رشتہ منظور نہیں ہے۔''

''اوی! یہ کیا بات ہوئی؟ ہماری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔'' پنل کی ماں مختاراں نے غمناک پریشانی سے کہا تو سکھیو پریشان کن لہجے میں بولا۔

''سمجھ تو ہماری بھی نہیں آ رہا بھرجائی!'' یہ کہہ کر وہ اپنے بھائی سے منت بھرے لہجے میں بولا۔

''بھا! تو مجھ سے کچھ نہ پوچھ۔ میں تیرا بڑا بھائی ہوں۔ پر میں تیرے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں۔۔۔تو۔۔۔تو میری عمر کا سمجھدار آدمی ہے۔ میری مجبوری سمجھ گیا ہو گا تو۔۔۔۔بس اس بات کو ادھر ہی ختم کر دے۔ ہم نے بھی آخر زندہ رہنا ہے۔'' اس

Marfat.com

کے ذومعنی دکھڑے کو جہاندیدہ حسین بخش فوراً سمجھ گیا۔ پھر وہ اپنی بیوی اور بیٹے سے بولا۔

''چلو واپس گھر۔'' یہ کہہ کر وہ خاموشی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

☆.....☆.....☆

یہ اس سے اگلے دن کا ذکر تھا۔ حسین بخش کو کھیتوں میں کام کرنے کے دوران رئیس جابر خان کے چند مسلح حواریوں نے فی الفور رئیس کی اوطاق میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ بے چارہ حسین بخش اسی وقت دل میں سو قسم کے اندیشوں اور وسوسوں کے ساتھ لرزتا کانپتا ہوا فوراً رئیس جابر خان کی اوطاق میں حاضری بھرنے جا پہنچا تھا۔

اوطاق خالی تھی۔ صرف چند مسلح حواری وہاں بیٹھے سگریٹ بیڑی پینے میں مصروف تھے۔ حسین بخش پر انہوں نے ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈالی اور بے چارہ ایک کونے میں سمٹ کر کھڑا ہو گیا۔ خاصی دیر بعد ایک بھاری بھرکم اور لحیم شحیم شخص اوطاق میں داخل ہوا۔ یہ گوٹھ کا بااثر وڈیرا رئیس جابر خان تھا۔ وہ ایک ساٹھ پاٹھا شخص تھا دراز قد بیش قیمت کاٹن کی مکلف کڑکڑاتی ہوئی بے داغ شلوار قمیض پر واسکٹ اور ہالائی اجلی اجرک اوڑھی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر ازلی رعونت جیسے ثبت ہو کر رہ گئی تھی وسمہ لگی گھنی داڑھی مونچھیں اور بھنوؤں نے اس کے مزاج کی کرختگی کو خاصا ابھارا ہوا تھا پاؤں میں چمڑے کی پشاوری جوتے کو چرچوں خرچوں پختہ فرش پر مارتا ہوا وہ ایک نسبتاً اونچے اور کشادہ پشتے والے سرکنڈوں کے بنے موڑھے پر براجمان ہوا۔ اس کے عقب میں منشی میرو بھی رجسٹر تھامے اندر داخل ہوا تھا۔

اوطاق میں یک دم جیسے درباری سناٹا طاری ہو گیا تھا۔ ایک کونے میں دبکا کھڑا حسین بخش اندر ہی اندر ہول کھا رہا تھا۔ رئیس جابر خان نے موڑھے پر براجمان ہوتے ہی ایک خشمگین سی نظر ہاری حسین بخش پر ڈالی اور پھر دوسرے ہی لمحے اوطاق پر

Marfat.com

طاری اسرار بھری خاموشی کو ایک پاٹ دار آواز نے چاک کر ڈالا۔
''اڑے حسین بخش ادھر آ۔'' جابر خان کی گونجیلی اور تحکمانہ آواز پر حسین بخش ہاتھ جوڑے لرزیدہ انداز میں چلتا ہوا ذرا قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔
''سوہنی تیری ہی دھی ہے ناں؟''
''ہاؤ۔۔۔۔۔۔سائیں وڈا!'' ہاری حسین بخش جلدی سے بولا۔
''میں نے سنا ہے تو اپنی دھی سوہنی کا بیاہ آپڑیں بھائی سکھیو کے بیٹے سرمد سے کرنا چاہتا ہے؟'' رئیس نے نخوت بھرے لہجے میں کہا تو حسین بخش مرتعش سی آواز میں بولا۔
''س۔۔۔۔سائیں وڈا! کرنا تو چاہتا تھا پپ۔۔۔۔پر۔۔۔۔۔بھا سکھیو نے اپنے بیٹے کی شادی میری دھی سے کرنے سے انکار کر دیا ہے۔'' اس کی بات پر رئیس کے بھاری بھرکم چہرے پر بڑی سنگین اور اسرار بھری مسکراہٹ ابھری۔
''ہوں! اس نے کافی عقلمندی دکھائی ہے اور اب تو بھی ذرا عقل سے کام لے۔''
''برابر سائیں بھوتار!۔۔۔۔برابر۔۔۔۔۔جیسا حکم ہو آپ کا۔'' ہاری حسین بخش نے فدویانہ لہجے میں بدستور اپنے ہاتھ جوڑ کر رئیس جابر خان سے کہا۔
''سن میری بات۔''
''جی سائیں میں سن رہا ہوں۔''
''آپڑیں دھی سوہنی کا بیاہ دادن سے کر دے۔وہ بہت پیسے والا آدمی ہے تیری دھی سکھی رہے گی اس کے پاس۔ہاں۔بابا۔۔۔کیا بولتا ہے اب تو؟'' رئیس نے جیسے مشورہ دینے کے انداز میں اسے حکم دیا اور حسین بخش سر سے پاؤں تک ایک الجھن آمیز سنگین پریشانی میں ڈوب گیا۔رئیس جابر خان چند ثانیے اسے سنسناتی ہوئی نظروں سے گھورتا رہا۔پھر کھردرے لہجے میں دوبارہ بولا۔

Marfat.com

''اڑے بابا تو کس سوچ میں پڑ گیا۔۔۔؟''

''سس۔۔۔سائیں! دادن تو پہلے ہی شادی شدہ ہے اور اس کی عمر بھی دگنی ہے۔ بالآخر میری دھی اسکے ساتھ کیسے سکھی رہ سکتی ہے؟'' بالآخر حسین بخش نے ذرا ہمت کر کے کہہ ڈالا۔

''اڑے بابا! مرد اور گھوڑے کی کوئی عمر دیکھی جاتی ہے۔'' رئیس جھٹکے دار لہجے میں بولا۔

بے چارہ حسین بخش کیا جواب دیتا چپ ہو رہا۔ پھر رئیس جابر خان کی خاموشی کو اپنے تئیں اس کی رضامندی جان کر دوبارہ کرکراتی آواز میں اس سے بولا۔

''ہاں بابا! ہمارا منشی اور اس کی بیوی کل تیری دھی (بیٹی) سوہنی کو انگوٹھی پہنانے آ رہے ہیں اور اسکے چند روز بعد نکاح بھی ہو جائے گا۔'' حسین بخش اس کے حکم پر لرز کر رہ گیا۔ ہاتھ جوڑ کر بولا۔

''سس۔۔۔سائیں وڈا۔۔۔وہ۔۔۔''

''حسین بخش!'' رئیس اسے متذبذب پا کر اس کی بات کاٹتے ہوئے تیز آواز میں بولا۔

''انکار کرنے سے پہلے یہ سوچ لے کہ تو ہماری اوطاق میں کھڑا ہے اور ہمیں انکار سننے کی عادت نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ تیرا انکار تیرے پورے خاندان کے لیے جنجال بن جائے۔'' رئیس جابر خان کے گونج دار لہجے میں چھپی تہدید کو ہاری حسین بخش صاف محسوس کر کے اندر سے بری طرح کانپ گیا اور جلدی سے لرزیدہ آواز میں بولا۔

''برابر سائیں!۔۔۔برابر۔'' یہ کہہ کر وہ منہ لٹکائے واپس چلا گیا۔

''سائیں بھوتار کے سر کی خیر ہووے۔'' ہاری حسین بخش کے وہاں سے جاتے ہی رئیس جابر خان کے قریب بیٹھے منشی نے مکارانہ چاپلوسی سے کہا۔

Marfat.com

''ہاری حسین اپنے بیٹے پنل سے بہت خائف ہے۔پنل ضرور اس کام میں رخنہ ڈالنے کی کوشش کرے گا۔میں نے ابھی آپ کو بتایا تھا ناں سائیں! کہ اس دو ٹکے کا چھوکرہ کل اس سلسلے میں غصے سے لال پیلا ہو کر یہاں آیا تھا۔ویسے بھی سائیں وڈا! اس چھوکرے کا بڑا دماغ خراب ہو گیا ہے۔جب بھی فصلوں کی بٹائی کا وقت آتا ہے وہ ہمارے دوسرے دھاکوں (کھیت کے مزدوروں) کا دماغ خراب کرتا ہے کہتا ہے کہ محنت ہم کریں اور آدھی سے زیادہ فصل رئیس لے جاتا ہے۔کامریڈ بننے کا بھوت سوار ہو گیا ہے اس کے سر پر۔'' اس نے بڑی چالاکی سے رلا ملا کر رئیس کے کان بھرے۔

''ہوں!'' اس کی بات پر رئیس نے غیر مرئی نقطے پر اپنی گھورتی نظریں مرکوز کرتے ہوئے غصے سے ہمکاری لی۔پھر سنسناتے لہجے میں بولا۔

''اس چھوکرے کی یہ مجال! اس کا بندوبست کرنا ہی پڑے گا۔'' اس کے لہجے میں اچانک ہی خوفناک سفاکی در آئی تھی۔معاً دادن اوطاق میں داخل ہوا۔

''سائیں وڈا! قہر (غضب) ہو گیا۔آج اس چھوکرے پنل نے بابل کے ہوٹل میں میری سخت بے عزتی کی ہے۔کہہ رہا تھا کہ منشی میرو نے میری بہن کا رشتہ لانے کی جرأت کیوں کی۔۔۔۔۔وہ۔۔۔۔وہ آپ کو بھی برا بھلا کہہ رہا تھا۔'' دادن نے رئیس کو ورغلایا۔رئیس یک دم غصے سے اٹھ کھڑا ہوا اور دھاڑا۔

''منشی!''

''حاضر سائیں بھوتار!''

''اب سب سے پہلے اس چھوکرے پنل کا بندوبست کرنا پڑے گا۔''

''برابر سائیں! برابر۔۔۔۔۔میں تو پہلے ہی کہہ رہا تھا۔۔۔۔خیر! میں ایسا کام کروں گا کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔بس! آپ کا حکم ہو؟'' منشی مکاری سے بولا اور سائیں جابر خان نے غصے سے دانت پیستے ہوئے اثبات میں سر ہلا

Marfat.com

دیا۔

''سائیں ایک عرض ہے۔آپ متعلقہ تھانے کے حوالدار حکم دادا کو ذرا اپنی اوطاق میں بلالیں باقی کام آسان ہو جائے گا۔''

''حوالدار کو اسی وقت ہمارا پیغام دو کہ وہ ابھی ہماری اوطاق میں حاضر ہو۔'' رئیس جابر خان دانت کچکچا کر بولا اور منشی سینے پر ہاتھ رکھے مکاری سے بولا۔

''برابر سائیں برابر۔'' اس کے ساتھ ہی وہ سامنے کھڑے دادن کی طرف مکروہ مسکراہٹ سے دیکھنے لگا۔دادن منشی میرو کی سازش بھانپ کر شاطرانہ انداز میں مسکرانے لگا۔

☆.....☆.....☆

سوہنی کو اس سارے گورکھ دھندے کی بھنک پڑ چکی تھی۔آخر کو وہ بھی اس خاندان کی ایک فرد تھی۔پھر وہ کیسے بے خبر رہ سکتی تھی کہ اس کے چاچا سکھیو نے اپنے بیٹے سرمد کے لیے اچانک اس کا رشتہ لینے سے انکار کر دیا ہے مگر سوہنی کو سب سے زیادہ دکھ سرمد کی طرف سے تھا کہ کم از کم اسے اس کی بے لوث محبت کا دم بھر لینا چاہیے تھا وہ کیوں بزدلوں کی طرح منہ چھپائے خاموش بیٹھا تھا۔اسے سرمد پر غصہ بھی آ رہا تھا کہ وہ مرد ہو کر اس قدر مجبور تھا۔ایک روز اس نے سرمد کو آڑے ہاتھوں لیا۔اس وقت سوہنی کی ماں مختاراں گھر پر نہ تھی اور سرمد اپنے گھر میں اکیلا تھا۔سوہنی نے اپنی اجرک کی چادر سنبھالی اور بے دھڑک سرمد کے گھر جا گھسی۔سرمد اسے تنہا پا کر ایک لمحے کو چونک سا گیا۔

''سرمو!تو کیسا مرد ہے ڑے!تو نے۔۔۔۔تو نے۔۔۔رئیس جابر خان اور اس مردود دادن کے دباؤ میں آ کر مجھ سے شادی سے انکار کر دیا۔۔۔۔کیوں؟ کیا میری محبت اتنی سستی تھی؟'' سوہنی نے غصے اور غم ناکی سے جوش میں کہا۔

تو سرمد نے حسب عادت کھسیانے لہجے میں گول مول جواب دیا۔

Marfat.com

''میں نے تھوڑا ہی شادی سے انکار کیا ہے۔ وہ تو بابا نے انکار کیا ہے؟''

''شادی تو نے مجھ سے کرنی ہے یا تیرے بابا نے!'' سوہنی نے فطری سرکشی سے بھنا کر کہا اور سرمد بے چارہ اپنی بغلیں جھانکنے لگا۔

''دیکھ سرمو! مرد بن' میں تجھے چاہتی ہوں۔ میری محبت کی قدر کر' لوگ تو اپنی محبت کے لیے سر تک لڑا دیتے ہیں مگر تو کیسا مرد ہے؟ بزدل ہے تو دادن کے سامنے اپنا منہ دبا کر بیٹھ گیا ہے۔'' اس کی بات پر سرمد نے عجیب سی نظروں کے ساتھ سوہنی کی طرف دیکھا۔ پھر حتمی لہجے میں بولا۔

''سوہنی! میں اپنے ماں باپ کی بات رد نہیں کر سکتا۔ تو۔۔۔۔ تو۔۔۔۔ چلی جا یہاں سے۔'' اس کی بے اعتنائی پر سوہنی کی سرمگیں آنکھوں میں بے اختیار کرب و اندوہ کے آنسو نکل آئے، جسے وہ فوراً پیتے ہوئے ہونٹ چبا کر استہزائیہ لہجے میں بولی۔

''ہاں، مجھے واقعی چلے جانا چاہیے۔ مجھے آج پتہ چلا ہے کہ میں اب تک کسی مرد سے نہیں بلکہ ایک بزدل سے محبت کیے ہوئے تھی۔ تو تو محبت کے قابل ہی نہیں ہے۔ یہ میری غلطی تھی جو تجھے دل دے بیٹھی ہٹھ۔۔۔۔'' حقارت آمیز انداز میں سوہنی پاؤں پٹختی ہوئی چلی گئی۔

☆......☆......☆

''سائیں وڈا! آپ بے فکر رہیں۔ جیسا آپ چاہیں گے ویسا ہی ہو گا۔'' رئیس جابر خان کی اوطاق میں بیٹھے ایک پختہ عمر تو ندیل سے حوالدار حکم داد نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ایک سالم بھنے ہوئے پھٹور کو دانتوں سے بھنبھوڑتے ہوئے فدویانہ لہجے میں کہا اور اس کے سامنے والے کشادہ موڑھے پر براجمان جابر خان کی گھنی مونچھوں پر سفاکانہ مسکراہٹ رقصاں ہو گئی۔ اس کے قریب ہی دو موڑھوں پر بیٹھے منشی میرداد اور دادن بھی دانت نکالنے لگے۔ ان کے وسط میں ایک شیشے کی ٹاپ والی

Marfat.com

میز پر ولایتی شراب اور آئس کیوب کے علاوہ بڑی سی ٹرے پر بھنے تیتر سالم رکھے ہوئے تھے اور حوالدار حکم داد ندیدے پن سے اپنے سامنے دھرے ان لوازمات آوارہ کو تکے جا رہا تھا۔

''سن لیا منشی اور دادن تو نے بابا!'' حوالدار حکم داد کے گویا گرین سنگل دکھانے پر رئیس جابر خان نے سرسراتے لہجے میں ان دونوں سے کہا تو وہ دونوں رئیس کے معنی خیز لہجے کا مطلب فوراً بھانپ کر بولے۔

''برابر سائیں!۔۔۔۔۔برابر۔۔۔۔۔ہم سمجھ گئے۔''

''اب تمہارا کام اور بھی آسان ہو جائے گا۔''

''ہاؤ سائیں بھوتار! ایک تیر دو شکار۔۔۔۔سانپ بھی مر جائے گا اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے گی۔'' منشی میرو نے مکاری سے مسکرا کر لقمہ دیا اور رئیس جابر خان ہولے ہولے اپنے سر کو تفہیمی جنبش دینے لگا۔

☆.....☆.....☆

بظاہر حالات معمول پر آ گئے تھے' مگر معمول کے ان خاموش حالات میں کیسا مصائب بھرا طوفان چھپا ہوا تھا اس کا اندازہ جہاندیدہ سکھیو اور ہاری حسین بخش ہی کو تھا۔ سوہنی کا دل البتہ سرمد سے خراب ہو چکا تھا۔ پنل اپنے تئیں دادن کو مزہ چکھا چکا تھا اور رئیس جابر خان کے لاڈلے منشی میرو کو بھی دھمکا چکا تھا۔ وہ اب مطمئن تھا کہ اتنی بے عزتی کے بعد یہ دونوں خبیث پھر کبھی اس کی معصوم اور پھول سی بہن سوہنی کا سنگ (رشتہ) مانگنے کی کوشش نہیں کریں گے، مگر وہ ارضی ناخداؤں سے واقف نہ تھا جن کے سارے غلط فیصلے اس کے لیے ''صحیح'' ثابت ہوتے تھے۔ وہ جبر و استبداد کے زور پر جیتے تھے۔ ناانصافی کی چکی تلے غریبوں کو پیس کر اپنے خود ساختہ فیصلوں کو اثبات میں بدلنے کے عادی تھے۔

ایک روز اچانک چاچا سکھیو غصے میں بپھرا ہوا اپنے بھائی ہاری حسین بخش

Marfat.com

کے گھر داخل ہوا۔اس وقت یہ سب گھر میں ہی موجود تھے۔سکھیو نے گھر میں داخل ہوتے ہی پنل کا گریبان پکڑ لیا اور ساتھ ہی اسے ایک عدد تھپڑ بھی جڑ دیا۔پنل حیرت سے گنگ رہ گیا۔اس کا باپ حسین بخش بھائی کو سنبھالنے کے لیے لپکا۔

''اڑے بھائی سکھیو خیر تو ہے۔۔۔۔پاگل تو نہیں ہو گیا، جو میرے جوان پٹ (بیٹے) پر ہاتھ اٹھا رہا ہے؟''

''تیرے اس جوان پٹ نے میرے سیدھے سادے پٹ (بیٹے) سرمد کے ساتھ بدمعاشی کی ہے۔''سکھیو نے غصیلے لہجے میں اپنے بھائی سے کہا اور پنل سے بولا۔

''بتا رے چھورا! تو نے کیوں میرے پٹ سرمد کو اپنے دوستوں سے پٹوایا ہے۔۔۔۔بول۔۔۔۔کیا اسے لاوارث سمجھا تھا تو نے؟''

''چاچا! آرام سے بات کر' مجھ پر تو کبھی میرے پیو (باپ) نے بھی ہاتھ نہیں اٹھایا ہے۔میں بھلا سرمد کو دوستوں سے کیوں پٹواؤں گا۔''پنل کو بھی غصہ آ گیا تھا۔اس نے ایک جھٹکے سے اپنا گریبان سکھیو کے ہاتھ سے چھڑایا۔سب پریشان ہو گئے۔

''میں خوب جانتا ہوں! میرے فرماں بردار پٹ سرمو نے تیری بہن سے شادی سے جو انکار کر دیا ہے اس لیے تو نے اسے اپنے بدمعاش دوستوں سے پٹوایا ہے میں ابھی تھانے میں جا کر تیرے اور تیرے بدمعاش ساتھیوں کے خلاف رپٹ (رپورٹ) درج کرواتا ہوں۔''سکھیو غصے کے مارے بکتا جھکتا چلا گیا۔

وہ سب ہکا بکا رہ گئے۔پھر جلدی انہیں لوگوں سے پتہ چلا کہ چند کلہاڑی بردار ڈھاٹا پوش چھوکروں نے سرمد کو خوب مارا پیٹا تھا اور لوگوں نے ان میں سے ایک کو یہ کہتے ہوئے بھی سنا تھا کہ میرے دوست پنل کی بہن سوہنی سے منگنی توڑنے کا انجام ہے۔۔۔۔زندگی چاہتا ہے تو اپنا فیصلہ واپس لے لے اور سوہنی کا سنگ

Marfat.com

(رشتہ) قبول کر لے۔وہ بدمعاش چھوکرے زخمی سرمد کو دھمکی دے کر چلے گئے۔

القصہ کوتاہ۔۔۔۔۔پنل کو گرفتار کر لیا گیا۔حسین بخش روتا ہوا اپنے بھائی سکھیو کے پاس پہنچا اور پہلے قسمیں کھا کھا کر اپنے بیٹے محمد پنل کی بے گناہی کا یقین دلانے کی کوشش کرتا رہا پھر جب سکھیو نہ مانا تو اسے سمجھاتے ہوئے بولا۔

''دیکھ منڈا بھرا!۔۔۔۔مجھے یہ سازش لگتی ہے۔۔۔۔تو نے میری دھی سوہنی سے آپڑیں پٹ سرمد کی منگنی توڑ ڈالی۔میں نے برا نہیں منایا۔کیوں کہ میں تیری مجبوری کو اچھی طرح سمجھتا تھا کہ ایسا تو نے رئیس جابر خان کے خوف سے کیا ہے۔پھر دیکھ!میں اپنے پٹ کو چنگی طرح جانتا ہوں بلکہ تو بھی تو اسے جانتا ہے۔وہ بھلا کبھی آپڑیں بھائی پر ہاتھ اٹھا سکتا ہے؟''

اس کی بات سکھیو کے دل کو لگی اور یوں بات آئی گئی ہوگئی۔پنل جیل سے چھوٹ کر آ گیا۔بات ختم ہوگئی۔۔۔۔مگر وہ سادہ لوح نہیں جانتے تھے کہ ارضی ناخداؤں کے لیے تو ابھی بات شروع ہوئی تھی۔انہوں نے محمد پنل کو اس کی غیرت مندی کی سزا دینے کے لیے جس سازش کا تارِ عنکبوت تیار کیا تھا اسے اب کسنے کا وقت آ چکا تھا۔

☆.....☆.....☆

محمد پنل کے جیل سے چھوٹنے کو آج دوسرا ہی دن تھا کہ کسی نامعلوم قاتل نے سرمد کو بندوق کا نشانہ بنا کر قتل کر ڈالا۔

سرمد کے قتل پر پورا گوٹھ تھرا اٹھا۔سکھیو کے ہی نہیں بلکہ حسین بخش کے گھ میں بھی کہرام مچ گیا۔گوٹھ میں تیزی سے یہ افواہیں گردش کرنے لگیں کہ یہ قتل محمد پنل کے سوا کسی نے نہیں کیا تھا۔کیوں کہ سرمد کے قتل سے چند دن پہلے ہی پنل نے اپنی بہن سوہنی کی منگنی توڑنے کی سزا دینے کے طور پر سرمد کو اپنے بدمعاش دوستوں سے بری طرح پٹوایا تھا۔ان افواہوں کو ارضی ناخداؤں کے کارپردازوں نے مزید ہوا دی

Marfat.com

تھی۔نتیجتاً محمد پنل کو آناً فاناً سرمد کے قتل کے شبے میں پولیس گرفتار کر کے لے گئی۔اس کے بوڑھے غریب ماں باپ اور بیوی ریشماں' جوان بہن سوہنی روتے پیٹتے رہ گئے تھانیدار حکم داد جواب رئیس جابر خان کا راتب خوار بن چکا تھا۔اس نے پنل کا چالان کر کے اسے فوراً لاک اپ کر دیا۔

دونوں گھرانوں میں کہرام مچ گیا تھا۔سکھیو اور اس کی بیوی عنایتاں اپنے اکلوتے بیٹے سرمد کے قتل پر پچھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔سرمدان کے بڑھاپے کا واحد سہارا تھا۔ادھر ہاری حسین بخش اور اس کی بیوی مائی مختاراں اپنے کڑیل اور غیرت مند بیٹے محمد پنل کی گرفتاری پر ماتم کناں تھے۔پنل کی جوان بیوی ریشماں نے تو رو رو کر اپنا برا حال کر لیا تھا۔اس کی بہن سوہنی بھی آزردہ تھی۔ارضی ناخداؤں کی سازش کامیاب ہو چکی تھی۔

ہاری حسین بخش روتا پیٹتا ہوا رئیس جابر خان کی اوطاق میں پہنچا اور اس کے قدموں میں گر پڑا۔

''سس۔۔۔سائیں وڈا! میرے بچڑے کو بچالو۔وہ بے گناہ ہے۔وہ غصے والا جوان ضرور ہے مگر میں جانتا ہوں وہ کسی کا خون کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔''اس کی دادفریاد پر رئیس جابر خان نے غصیلے انداز میں اس سے کہا۔

''تیرا بیٹا خونی ہے۔اس سے پہلے دادن کو قتل کرنے کی کوشش کی۔بابل خان کے ہوٹل میں موجود لوگوں نے اگر پنل کو نہ پکڑ لیا ہوتا تو وہ سرمد کی طرح دادن کو بھی جان سے مار ڈالتا۔پھر اس نے ہماری اوطاق میں آ کر ہمارے منشی میرو کو بھی دھمکیاں دیں۔اس کا یہی انجام ہونا چاہیے۔اب اسے پھانسی کے پھندے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔''

بوڑھا حسین بخش بے چارہ کانپ اٹھا۔لرزیدہ لہجے میں ہاتھ جوڑ کر بولا۔

''سس۔۔۔سس۔۔۔سائیں وڈا! رحم۔۔۔۔رحم سائیں وڈا!''

Marfat.com

''اڑے بابا! یہ قانونی معاملہ ہے ہم کچھ نہیں کر سکتے؟''

''نہیں سائیں! آپ یہاں کے وڈے بھوتار ہو۔ تھانیدار حکم داد آپ کا دوست ہے۔ میرے بچے کو چھڑا دو سائیں! وہ قاتل نہیں ہے۔'' یہ کہہ کر غریب رونے لگا۔ رئیس جابر خان نے اپنے قریب بیٹھے منشی میرو کے چہرے کی طرف دیکھا۔ دونوں کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ ابھری اور ہولے سے سر ہلاتے ہوئے رئیس جابر خان نے بالآخر ہاری حسین بخش سے کہا۔

''سنو حسین بخش! ہم ایک شرط پر تمہاری مدد کرنے کی کوشش کریں گے؟''

''حکم سائیں! حکم ۔۔۔۔! مجھے آپ کی ہر شرط منظور ہے۔۔'' حسین بخش نے بے اختیار امید بھرے لہجے میں کہا۔ اس کی بوڑھی غم زدہ آنکھوں میں ایکا ایکی آس کے چراغ جل اٹھے تھے۔ رئیس جابر خان نے کرکراتے لہجے میں کہا۔

''اگر تو اپنی دھی سوہنی کا بیاہ دادن سے کر دے تو تیرا پنل جیل سے چھوٹ سکتا ہے۔'' رئیس کی بات پر حسین بخش دم بہ خود رہ گیا۔ وہ بے بس اور مجبور تھا۔ پنل اس کے بڑھاپے کا سہارا تھا۔ پھر وہ جلدی سے رضامند ہوتے ہوئے بولا۔

''سائیں! مجھے یہ شرط منظور ہے۔'' اس کی بات پر رئیس اور منشی نے ایک دوسرے کی طرف کامیاب مسکراہٹ سے دیکھا۔ پھر رئیس نے ہاری حسین بخش سے کہا

''جا پھر پہلے سوہنی کی دادن سے بیاہ کی تیاریاں کر! تیرا بیٹا پنل جلد چھوٹ کر واپس آ جائے گا، مگر اس سے پہلے تجھے سوہنی کو دادن کے ساتھ رخصت کرنا ہوگا ورنہ تیرا جوشیلا بیٹا پھر رنڈک ڈالنے کی کوشش کرے گا۔''

''برابر سائیں!۔۔۔ برابر ۔۔۔۔۔ میں ابھی جاتا ہوں۔'' ہاری حسین بخش نے کہا اور سیدھا اپنے گھر پہنچا اور اپنی بیوی مائی مختاراں کو بھی یہ بات بتائی جب سوہنی نے یہ سنا تو وہ کانپ اٹھی۔

دادن جیسے رذیل اور بد ہیت بوڑھے سے شادی کا مطلب زندہ درگور ہونا

Marfat.com

تھا۔اسے اپنے باپ سے بھی نفرت ہوگئی۔سرکشی تو پہلے ہی اس کی فطرت میں تھی۔اس نے نفرت سے سوچا کہ آخر ہر قربانی عورت کے حصے میں کیوں آتی ہے مگر میں خود کو قربانی کا بکرا ہرگز نہیں بناؤں گی۔یہ سوچ کر اس نے انتہائی فیصلہ کر ڈالا۔

یہ اس رات کا ذکر تھا۔ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔سوہنی نے گھر سے بھاگنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔نصف رات کے پہر میں سوہنی نے گھر سے قدم باہر نکالا اور بے سوچے سمجھے رات کی ظالم اور سفاک تاریکیوں کی گمنام راہی بن گئی۔دور آوارہ کتوں کے بھونکنے کی آوازیں گونج رہی تھیں۔وہ لڑکی ہونے کے باوجود ایک مضبوط اعصاب اور آہنی عزائم والی سرکش لڑکی تھی۔اسے اپنے گوٹھ حتیٰ کہ اپنے لوگ، خود ساختہ وجاہلانہ رسم ورواجوں سے شدید نفرت ہوگئی تھی۔فطرت میں تمرداس کی طبیعت کا خاصہ تھا۔وہ ان سے پیچھا چھڑا کر نکل بھاگی تھی۔

اس نے سب سے پہلے پاس کے گوٹھ میں اپنی دور کے رشتے کی خالہ کے ہاں جانے کا قصد کیا تھا۔وہ بوڑھی عورت تھی۔اس کا نام زلیخاں تھا۔وہ بے اولاد تھی شوہر کا پچھلے دنوں کالے یرقان سے انتقال ہو چکا تھا۔سوہنی کو پورا یقین تھا کہ وہاں اسے پناہ مل سکتی ہے۔

اپنی خالہ زلیخاں کا گوٹھ زیادہ دور نہ تھا مگر راستے میں ایک مختصر سا قد آدم جھاڑیوں والا گنجان جنگل آتا تھا۔سوہنی کے اندر اس سے بڑا جنگل آباد تھا۔وہ بہ دستور تیز تیز قدموں سے آگے بڑھتی رہی۔آبادی پیچھے رہ گئی۔کھیتوں کا ویران اور تاریک سلسلہ شروع ہوگیا۔پھر وہ بھی پار ہوا۔سوہنی نے آوارہ کتوں کے ششکارنے کے لیے ٹہنی سی توڑ کر اپنے ہاتھوں میں پکڑ رکھی تھی۔اب سامنے قد آدم جھاڑیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔وہ ایک لمحے کو رکی اور سامنے تاریک جھنڈ کو گھورتی رہی۔پھر دوسرے ہی لمحے وہ بے درنگ اندر داخل ہوگئی۔ذرا ہی آگے گئی ہوگی کہ اچانک دائیں طرف بہت سے گھوڑوں کی ہنہناتی آوازیں سنائی دیں۔وہ ڈر سی گئی۔پھر آؤ دیکھا نہ تاؤ دوڑ لگا دی

Marfat.com

دفعتاً اسے یوں لگا جیسے اس کے عقب میں بہت سے گھوڑے سرپٹ دوڑے آ رہے ہیں مگر سوہنی نے دوڑنے کی رفتار ذرا بھی کم نہ کی۔ آگے ایک خاصی مسطح قطعہ ارضی پر وہ بے دم ہو کر گر پڑی۔ گھڑ سواروں نے شاید شفاف آسمان پر ٹکے ہوئے طباق چاند اور تاروں کی روشنی میں اس ویران جنگل میں ایک جوان لڑکی کو دیکھ لیا تھا۔

سوہنی بھربھری مٹی والی زمین پر لیٹی بری طرح ہانپ رہی تھی۔ پھر اس کی متوحش آنکھوں نے ذرا فاصلے پر دس بارہ خوف ناک چہروں والے گھڑ سواروں کو دیکھا۔ وہ سب مسلح افراد تھا۔ ان کی بڑی بڑی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔ یہ بدنام صوبائی شہرت یافتہ دھاڑیل۔۔۔۔ بکن دھاڑیل کا گروہ تھا جو خود بھی اس وقت اپنے ساتھیوں سمیت موجود تھا اور زمین پر نڈھال گری ہوئی سوہنی کو ہوس ناک نظروں سے گھور رہا تھا۔

''اڑے۔۔۔۔۔ خیرل! آج تو بڑا پکا پھل ہمارے ہاتھ لگا ہے۔ چلو اٹھاؤ اسے اور لے چلو۔ آ پڑیں جنگل ڈیرے پر۔''

لمبے تڑنگے گھڑ سوار بکن دھاڑیل نے حظ اٹھاتے لہجے میں اپنے ساتھی دھاڑیل خیرل سے کہا اور خبیثانہ مسکراہٹ سے متوحش سوہنی کو گھورنے لگا۔

دھاڑیل خیرل گروہ کا نمبر دو تھا۔ دھاڑیل کے بعد وہی گروہ کی کمان سنبھالتا تھا۔ بس پھر کیا تھا خیرل دھاڑیل نے آگے بڑھ کر سوہنی کو ہاتھ سے پکڑ کر اپنے گھوڑے پر بٹھا لیا۔ سوہنی نے خوف سے چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئی۔ شیطانوں کا یہ گروہ طاغوتی قہقہے لگاتا ہوا اپنے جنگل ڈیرے کی طرف روانہ ہو گیا۔

سوہنی کی آنکھ کھلی تو اس نے خود کو خوف ناک چہروں والے خطرناک دھاڑیلوں کے درمیان پایا۔ یہ جنگل بیچوں بیچ کا علاقہ تھا جو خطرناک صوبائی شہرت یافتہ بکن دھاڑیل کی خفیہ کمین تھی۔ یہ سرکنڈوں کی ایک بڑی سی چھوالداری تھی جہاں سرغنہ بکن دھاڑیل اپنے نائب خیرل اور دو تین دھاڑیل ساتھیوں کے ساتھ فرش پر

Marfat.com

نیم دائرے کی صورت میں بیٹھا تھا۔

وسط میں تھوڑے فاصلے پر سوہنی بے سدھ لیٹی تھی مگر ہوش میں آتے ہی وہ اٹھ بیٹھی تھی اوراب متوحش نگاہوں سے ان سب کے چہرے تکے جارہی تھی۔

''اڑے یار سنگت خیرل! چھوکری تو یہ ڈاڈھی سونہڑیں ہے۔۔۔۔کیا خیال ہے پھر۔۔۔۔؟ معا بکن دھاڑیل نے خبیثانہ مسکراہٹ سے پرہوس لہجے میں سوہنی کو گھورتے ہوئے خیرل سے کہا تو بے چاری سوہنی اس کی معنی خیز ادھوری بات کا شیطانی مقصد سمجھ کر لرز اٹھی۔اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر روہانسے لہجے میں بولی۔

''م۔۔۔۔مجھے چھوڑ دو۔میں ایک غریب اور بے سہارا لڑکی ہوں۔''

''ہاہاہا ٹھیک ہے پھر ہم جو ہیں تمہارا سہارا بننے کے لیے۔''

بکن دھاڑیل نے بھنویں اچکاتے ہوئے شیطانیت سے کہا۔اس کے ساتھیوں نے واشگاف قہقہہ لگایا،البتہ بکن دھاڑیل کا نائب خیرل جس کا پورا نام دھاریل خیرل سندھو تھا۔چپ بیٹھا ڈری سہمی سوہنی کو تکے جارہا تھا۔

''نن۔۔۔۔نہیں۔مجھ پر یہ ظلم نہ کر۔میں پہلے ہی بہت دکھی ہوں م م۔۔۔۔مجھے جانے دو۔'' یہ کہہ کر سوہنی پھرتی کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔باہر رات اپنے آخری پہر میں داخل ہو چکی تھی۔اندر ایک کونے میں بدہیت بانس کے ساتھ لالٹین جھول رہی تھی۔

سوہنی کے اٹھتے ہی بکن دھاڑیل نے درشت لہجے میں غراتے ہوئے اس سے کہا۔

''بیٹھ جاؤ۔۔۔۔چھوکری! ایسا نہ ہو وقت سے پہلے ہی ہم تیری مٹی پلید کر دیں۔تجھے آج رات ہماری ملکہ بننا ہوگا۔آج رات ہم تیرے ساتھ جشن منائیں گے۔۔۔۔ہا۔۔۔۔ہا۔۔۔۔ہا۔'' اس کی دیکھا دیکھی اس کے ساتھیوں نے بھی شیطانی قہقہے لگانا شروع کر دیے اور تب سوہنی نے جیسے ابلیس صفت سرغنہ بکن

Marfat.com

دھاڑیل کی آنکھوں میں ناچتی ہوئی ہوس کو بھانپ لیا اور پھر اس کی فطری سرکشی بیدار ہونے لگی۔اس نے دوسرے ہی لمحے اپنے ڈر وخوف کو بالائے طاق رکھتے ہوئے بکن دھاڑیل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

''اے شیطان !اللہ سائیں کے عذاب سے ڈر!۔۔۔۔ایک بے بس اور مجبور لڑکی کے ساتھ ایسا کرتے ہوئے تجھے شرم آنی چاہیے۔لعنت ہے تیری مردانگی پر اور تیرے لمبے چوڑے وجود پر۔''

گوٹھ کی ایک سیدھی سادی ان پڑھ دیہاتی لڑکی کے للکارنے پر ایک لمحے کو تو بکن دھاڑیل جیسا سفاک شیطان دم بہ خود رہ گیا۔پھر جیسے دوسرے ہی لمحے اس کی خوف ناک آنکھوں میں درندگی کی چمک عود کر آئی اور وہ غصے سے غرا کر اٹھا پھر آگے بڑھتے ہوئے سوہنی کو بالوں سے پکڑ کر اس کی نازک صراحی دار گردن کو جھٹکا دیا تو سوہنی کے حلق سے گھٹی گھٹی چیخ سی نکل گئی۔

''سور کی بچی !ابھی تجھے اپنی مردانگی دکھاتا ہوں۔'' بکن دھاڑیل نے خونخوار لہجے میں کہا اور پھر وہاں موجود سوائے اپنے نائب خیرل سندھو کے سب کو باہر نکل جانے کا اشارہ کیا پھر سب کے جاتے ہی بکن دھاڑیل پر ہوس نظروں سے سوہنی کے روتے بلکتے چہرے کی طرف دیکھا اور اس کے سر سے اجرک کی چادر کھینچ لی دھاڑیل خیرل سندھو بظاہر خاموش کھڑا تھا مگر اس کے اندر زبردست ہلچل مچی ہوئی تھی۔سوہنی نے بے بس اور رحم طلب نگاہوں سے بکن دھاڑیل کے خونخوار چہرے کی طرف دیکھا اور ایک بار پھر اپنے دونوں کپکپاتے ہاتھ جوڑتے ہوئے اس کی منت سماجت کرنے لگی۔

''تیرے کو اللہ سائیں کا واسطہ! مجھ غریب ناری پر یہ ظلم نہ کر!''

مگر بکن دھاڑیل پر اس وقت شیطان سوار تھا۔اس نے اپنی روسی ساختہ اے کے ۴۵ کلاشنکوف ایک طرف پھینکی اور سوہنی کے گریبان کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا

Marfat.com

ہی تھا کہ اچانک اس کے نائب اور گروہ کے نمبر دو سرغنہ دھاڑیل خیرل سندھو نے گونج دار آواز میں اپنے سرغنہ بگن دھاڑیل سے کہا۔

''سائیں وڈا! اس چھوکری کو چھوڑ دو!'' اس کی آنکھوں میں غیرت و جوش کی چمک کو سوہنی نے پڑھ لیا تھا۔ بگن دھاڑیل کا اس کے گریبان کی طرف بڑھتا ہوا ہاتھ یک لخت رک گیا۔ وہ ایک لمحے کو بت بنا کھڑا رہ گیا۔ اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کا نائب اسے روکنے کی جرأت بھی کر سکتا ہے۔ اس نے سوہنی کو چھوڑ کر اپنے نائب دھاڑیل خیرل سندھو کی طرف سنسناتی نظروں سے دیکھا پھر سناٹے دار لہجے میں اس سے بولا۔

''خیرل! تو کب سے نامرد بن گیا ہے ڑے!''

''سردار سائیں! ایک مجبور اور بے بس لڑکی کی عزت خراب کرنا کہاں کی مردانگی ہے؟'' دھاڑیل خیرل سندھو نے غیرت بھرے لہجے میں اپنے سردار بگن دھاڑیل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواب دیا تو بگن دھاڑیل غصے سے پھنکار کر بولا۔

''یہ کیا بکواس کر رہا ہے ڑے خیرل! جانتا نہیں میں گروہ کا سردار ہوں۔''

''مگر میں تجھے ایک بے بس لڑکی کے ساتھ ایسا شرم ناک کھیل نہیں کھیلنے دوں گا۔'' یہ کہہ کر دھاڑیل خیرل سندھو آگے بڑھا اور زمین پر پڑی اجرک اٹھا کر سوہنی کے سر پر ڈھانپ دی۔

''اسے جانے دے سردار! اسے جانے دے!'' اس کے لہجے میں عجیب دبدبہ عود کر آیا۔

مگر بگن دھاڑ کر بولا۔ ''ہرگز نہیں! یہ میرا شکار ہے اور اب میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ میرے گروہ سے نکل جا!''

یہ کہہ کر اس نے سوہنی کی طرف ہاتھ بڑھایا تو دھاڑیل خیرل سندھو ایک دم

Marfat.com

سوہنی کی ڈھال بن گیا۔دونوں دھاڑیل آمنے سامنے تھے۔دونوں ہی لمبے تڑنگے اور لحیم شحیم تھے۔تب بکن دھاڑیل نے ایک زوردار گھونسا خیرل سندھو کے جبڑے پر جڑ دیا۔خیرل نے تکلیف کی پرواہ کیے بغیر اپنی لات چلا دی۔بکن دھاڑیل چند قدم پیچھے لڑکھڑا گیا۔پھر وہ جیسے ہی زمین پر پڑی اپنی کلاشنکوف اٹھانے بڑھا تو خیرل سندھو نے اس پر چھلانگ لگا دی۔اگلے ہی لمحے دونوں گتھم گتھا ہو گئے تھے۔سوہنی سراسیمہ انداز میں ایک کونے میں جا کھڑی ہوئی اور دل ہی دل میں اس بھلے مانس دھاڑیل خیرل سندھو کی فتح کے لیے دعائیں مانگ رہی تھی۔یہ پہلا موقع تھا کہ سوہنی کو کسی غیرت مند مرد پر فخر محسوس ہو رہا تھا جو اس کے لیے لڑ رہا تھا جو اس کی عزت بچانے کے لیے اپنے سر غنہ سے جا بھڑا تھا۔اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر۔۔۔۔۔اپنی جان اس کی خاطر جوکھم میں ڈال دی تھی۔پھر ایک موقع پر اس نے دیکھا کہ شیطان صفت بکن نے کلاشنکوف اپنے قبضے میں کر لی۔وہ دھک سے رہ گئی۔دوسرے ہی لمحے اس نے دیکھا کہ خیرل سندھو نے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اپنی جگہ سے حرکت کی اور زمین پر لوٹ لگاتا ہوا سیدھا بکن دھاڑیل کے پیروں سے ٹکرایا۔بکن دھاڑیل لڑکھڑایا۔خیرل سندھو نے اس کی قدموں میں لیٹے لیٹے اپنی ٹانگ اس کی رائفل والے ہاتھ پر رسید کر دی۔نتیجتاً رائفل بکن دھاڑیل کے ہاتھوں سے نکل گئی۔خیرل سندھو نے بکن دھاڑیل کو مزید سنبھلنے کا موقع دیے بغیر دوسری لات اس کے پیٹ پر بھی جڑ دی اور بہ سرعت لوٹ لگا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

یہ بہت خطرناک صورت حال تھی اور کسی ایک کی ہلاکت پر منتج ہو سکتی تھی دونوں ایک دوسرے سے رائفل چھیننے کے لیے اپنے پہاڑ جیسے وجود کی طاقت صرف کر رہے تھے۔پھر بکن دھاڑیل نے اچانک خیرل سندھو کے پہلو پر اپنا گھٹنا جڑ دیا۔

اذیت کی ایک طوفانی لہر پورے وجود میں سرایت کرتی چلی گئی۔رائفل پر ذرا گرفت ڈھیلی پڑی۔بکن دھاڑیل نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کے لیے اس

Marfat.com

سے رائفل چھیننی چاہی تو خیرل سندھو نے جھٹکے سے اپنی تکلیف کا بدلہ اپنے سر کی بھرپور ضرب اس کی ناک پر مار کر لیا۔ جو خاصی نتیجہ خیز ثابت ہوئی۔ بکن دھاڑیل کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ خیرل سندھو نے جھٹکے سے رائفل چھین لی اور اس کا رخ بکن دھاڑیل کی طرف کر دیا۔ بکن دھاڑیل کی آنکھوں کے سامنے موت کی زرد چمک لہرائی۔ خیرل سندھو نے اس شیطان کو ہلاک کر ڈالنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ بصورت دیگر وہ سوہنی کو نہیں چھوڑتا چنانچہ اس نے لبلبی رہا کر دی۔ گولیوں کی بوچھاڑ نکلی اور بکن دھاڑیل کا سینہ گولیوں سے چھلنی ہو گیا۔ سوہنی دہشت زدہ ہو گئی۔ گولیوں کی آواز سن کر دوسرے دھاڑیل بھی اندر آ گئے۔ دھاڑیل خیرل سندھو نے انہیں لاش اٹھانے کا حکم دیا۔ پھر باہر آ کر سرداری کا اعلان کر دیا۔

اس نے سرداری کا اعلان کرتے ہوئے پہلے ایک تقریر کر کے گروہ کے لوگوں کو بتایا کہ دھاڑیل بکن نے گروہ کے اصولوں کے خلاف قدم اٹھایا تھا اور ایک مجبور و بے بس لڑکی کی عزت سے کھیلنے کی کوشش کی تھی۔ یوں تو دھاڑیل خیرل سندھو کے گروہ میں حمایتیوں کی تعداد کم تھی مگر ان میں ایک دھاڑیل جانو جگری بھی تھا۔ وہ ایک کینہ پرور اور مار آستین شخص تھا۔ اس نے نئے سردار خیرل سندھو کو دل سے گروہ کا سرغنہ نہیں مانا تھا مگر اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ وہ سابقہ دھاڑیل خیرل سندھو کا خیر خواہ تھا بلکہ دھاڑیل جانو جگری سرداری کے خواب دیکھ رہا تھا۔ وہ اونٹ کی طرح کینہ اپنی ناف میں چھپائے سردست خاموش ہی رہا تھا مگر اب وہ موقع کی تاک میں تھا کہ وہ نئے سردار دھاڑیل خیرل سندھو کو ایک کینہ پرور اونٹ کی طرح اپنی چگی جیسی بھاری ناف تلے کچلتا ہے۔ بہر طور سرداری وغیرہ کا معاملہ نمٹانے کے بعد دھاڑیل خیرل سندھو الم نصیب سوہنی کی طرف متوجہ ہوا۔

''تیرا نام کیا ہے؟''

''سس۔۔۔سوہنی!'' اس نے مرتعش سی آواز میں اپنا نام بتایا۔

Marfat.com

''کون ہے تو۔۔۔۔؟''

''میں۔۔۔۔میں ایک غریب ہاری کی بیٹی ہوں۔''

''رات کے وقت تو کدھر بھاگ رہی تھی؟''

''وہ۔۔۔۔وہ۔۔۔۔میرا باپ مجھے وڈیرے کے دباؤ میں آ کر ایک بوڑھے سے میری شادی کرنا چاہتا تھا اور میں بھاگ کر اپنی خالہ کے ہاں جا رہی تھی؟''

''ہوں! یہ واقعی تیرے ساتھ ظلم ہوا ہے۔'' دھاڑیل خیرل سندھو نے متاثر کن لہجے میں بڑبڑاتے ہوئے کہا اور سوہنی اسے مدد طلب نگاہوں سے تکنے لگی۔وہ بولا۔

''مگر تیری خالہ تیرا تحفظ کیسے کرے گی؟ وڈیرے کے آدمی وہاں بھی تو پہنچ سکتے ہیں؟''

''اللہ کے آسرے پر یا کسی نیک اور بہادر انسان کی مدد پر۔''

سوہنی نے اس بار صاف گوئی سے اس کی طرف دیکھا۔دونوں کی نظریں چار ہوئیں اور پھر جیسے نگاہوں ہی نگاہوں میں دونوں کے دلوں کے تار سے بج اٹھے اور پھر سوہنی نے بے اختیار اپنا سر جھکا لیا۔

دھاڑیل خیرل سندھو کو یہ معصوم سی پیاری لڑکی بہت بھائی تھی۔پھر اس نے کسی خیال کے تحت جاننا چاہا اور گھمبیر آواز میں بولا۔

''مجھے تو کیسا انسان سمجھتی ہے؟'' اس کے اسرار بھرے استفسار پر سوہنی نے ذرا چونک کر سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا پھر یک دم ہی نگاہیں جھکا لیں۔

''مجھ سے شادی کرے گی۔۔۔۔۔؟'' اچانک خیرل سندھو نے اس کا عندیہ لیا تو سوہنی کے تفتہ دل کے تار بج اٹھے۔اسے یہ بانکا سجیلا نوجوان اچھا لگا تھا وہ تھا تو دھاڑیل مگر سوہنی کو اس کی شرافت اور بہادری نے ازحد متاثر کیا تھا۔اس نے ایک بار پھر رضامندی کے اظہار کے طور پر اپنا سر جھکا لیا۔

Marfat.com

''سوچ لے چھوکری! میں ایک دھاڑیل ہوں۔کیا تو ایک ڈاکو کی بیوی بننا پسند کرے گی؟'' دھاڑیل خیرل سندھو نے پھر پوچھا تو سوہنی اس کی طرف دیکھ کر بولی

''تو یہ دھندا چھوڑ کر شرافت کی روزی کیوں نہیں کماتا۔۔۔۔؟''

اس کی بات پر دھاڑیل خیرل سندھو کی گھنی مونچھوں تلے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ عود کر آئی اور پھر وہ اسی لہجے میں بولا۔

''سوہنی! میں نے بھی شرافت کی زندگی اور محنت کی کمائی سے روزی روٹی کمانے کی کوشش کی تھی مگر مجھے بھی ایک عام ہاری سے خطرناک دھاڑیل بنانے میں انہی مظالم وڈیروں کا ہاتھ ہے۔انہوں نے میری معصوم بہن کو خوار کیا۔اس بے چاری نے دل برداشتہ ہو کر نہر میں چھلانگ لگادی۔میرے بوڑھے ہاری ماں باپ کو گھر سمیت زندہ جلا دیا گیا اور جب میں نے انصاف کا دروازہ کھٹکھٹایا تو قانون کے رکھوالوں نے جو آئے روز وڈیرے کی اوطاق میں بھٹ تیتروں کے سالم بھنے ہوئے پھٹور کی ضیافت اڑاتے ،شرابیں پیتے ،جشن پاڑیں کرتے ،الٹا انہوں نے ہی مجھے گرفتار کر لیا اور یوں ظلم اور ناانصافی کے پاٹوں کی اس سفاک چکی میں پس کر میری زندگی کا ڈھب ہی بدل کر رہ گیا۔'' دھاڑیل خیرل سندھو اپنی ماضی کی مختصر درد آگیں کتھا سنانے کے بعد خاموش ہو گیا۔اپنے ماضی کی غیرت سوز داستان بیان کرنے کے بعد اس کے زخم ہرے ہو گئے تھے۔سوہنی کو ایسے میں وہ ایک خطرناک دھاڑیل کی بجائے ایک الم نصیب اور دکھی انسان معلوم ہو رہا تھا جس نے اسے بھی متاثر کیا تھا وہ آگے بڑھی اور اس زخم خوردہ انسان کا گویا مرہم بن کر اس سے چمٹ گئی۔دو یک جان دو قالب میں ڈھل گئے۔

پھر سوہنی نے بھی اسے اپنی ساری رام کہانی سنادی کہ کس طرح اس کے غیرت مند بھائی محمد پنل کو سرمد کے جھوٹے قتل کے الزام میں دادن اور منشی میرو نے ملی بھگت کر کے رئیس جابر خان کے ذریعے گرفتار کروایا تھا اور متعلقہ تھانے کا حوالدار حکم

Marfat.com

دادپنل کو لمبی سزا میں پھنسانے کی تیاری کر رہا تھا۔ دھاڑیل خیرل سندھواس کی رام کتھا پر غصے سے دانت پیس کر بولا۔

''اس کا مطلب ہے اب ایک اور شریف انسان دھاڑیل بنایا جا رہا ہے سوہنی! تیرا غم بھی مجھ سے مختلف نہیں ہے تو بے فکر رہ۔ میں نے غریبوں کو لوٹنے کے لیے بلکہ ایسے ظالموں کو سبق سکھانے کے لیے یہ روپ بھرا ہے۔ ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں اور شاید ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم بھی۔''

☆.....☆.....☆

دونوں کی کہانی ایک تھی اور دونوں کے زخموں کی نوعیت بھی۔

حالات دگرگوں نے دونوں کو ایک دوسرے کے سہارے کی صورت ملا دیا تھا۔ دھاڑیل خیرل سندھو نے سوہنی سے وعدہ کیا تھا کہ اس کی ضرور مدد کرے گا اور جن لوگوں نے اسے راندہ درگاہ کرنے کی کوشش کی ہے ان کا عرصہ حیات تنگ کر دے گا۔

چنانچہ ایک رات دھاڑیل خیرل سندھو نے اپنے گروہ کے پندرہ ساتھیوں کو گوٹھ کے متعلقہ تھانے میں شب خون مارنے کے لیے تیار کیا۔ تیز رفتار گھوڑوں پر یہ لوگ روانہ ہو گئے۔ سوہنی جنگل ڈیرے ہی میں موجود تھی۔ وہ خیرل سندھو کے کامیاب لوٹنے کی دعائیں مانگنے لگی۔

اپنے سردار دھاڑیل خیرل سندھو کی ہونے والی بیوی کی حیثیت سے گروہ کے لوگ سوہنی کو عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھنے لگے تھے اور اسے سردار ہی کی چھوالداری میں رکھا ہوا تھا اور خود اپنے سردار خیرل سندھو اور ساتھیوں کی آمد کے منتظر تھے۔ وہ وہیں دو دو تین تین کی ٹولیاں بنائے بیٹھے آپس میں گفتگو میں مصروف تھے کچھ جنگل ڈیرے کی سرحد پر بہ طور پہرے داری کے متعین تھے۔ رات نصف پہر میں داخل ہو چکی تھی۔ تاروں بھرا آسمان روشن تھا۔ آخری تاریخوں کا چاند کہیں دور جھکا ہوا تھا۔ ایک الگ تھلگ گوشے میں مار آستین دھاڑیل جانو جگری اپنے چند ہم خیال

Marfat.com

ساتھیوں کوسردار دھاڑیل خیرل سندھو کے خلاف ورغلانے میں مصروف تھا۔

''خیرل سندھو نے ایک دو ٹکے کی چھوکری کی خاطر ہمارے سردار بکن دھاڑیل کوموت کے گھاٹ اتار کر اچھا نہیں کیا ہے۔'' وہ سرسراتی سرگوشی میں اپنے ساتھیوں کے مختصر ٹولے سے مخاطب ہوکر بولا۔

''ہم پر اپنے سردار کا قرض ہے کہ ہم اپنا فرض نبھائیں۔''

''مگر جانو سائیں! اب کیا ہوسکتا ہے؟ خیرل سندھو تو اب گروہ کا سردار بن چکا ہے؟'' اس کے حامی نے رائے طلب لہجے میں ہولے سے کہا۔

''اڑے بابا تم لوگ ذرا ہمت تو کرو۔۔۔اور میرا ساتھ دو پھر دیکھو! میں کس طرح خیرل سندھو سے اپنے سردار بکن کا بدلہ لیتا ہوں۔'' دھاڑیل جانو جگری نے مکاری سے کہا تو ایک دوسرا حمایتی بولا۔

''جانو سائیں! ہماری تو حیثیت گروہ میں آٹے میں نمک کے برابر ہے سبھی اسے سردار تسلیم کر چکے ہیں۔''

وقت آنے دو۔'' جانو جگری زہریلے لہجے میں سرسرایا۔

''تم فی الحال ایک کام کرو۔آہستہ آہستہ گروہ کے دیگر لوگوں کے دلوں میں خیرل سندھو کے خلاف نفرت کا زہر بھرو۔ایک بار میں گروہ کا سردار بن گیا تو میں اس حسین شہزادی سوہنی کو اپنے قبضے میں کرلوں گا۔میرا دل بڑا ہے۔پھر وہ گروہ کے ہر ساتھی کی روزانہ رانی بنے گی۔میں تو مل بیٹھ کر کھانے والا ہوں بابا!''

جانو جگری نے شیطانیت سے بھرپور لہجے میں کہا۔باقی لوگوں کے دلوں میں سوہنی جیسی حسین شہزادی کو ایک رات کی رانی کے تصور سے بجلیاں کوندنے لگیں۔ادھر بے چاری سوہنی اس زہرناک حقیقت سے بے خبر نازاں وشاداں اپنی چھوالداری میں بیٹھی تھی کہ جانو جگری جیسا ایک شیطان اس کے اور اس کے ہونے والے شوہر خیرل سندھو کے خلاف کسی مذموم سازش کے تانے بانے بننے میں مصروف

Marfat.com

ہے۔

☆.....☆.....☆

رات دبے پاؤں سرک رہی تھی۔باہر سناٹا بھی چیختا ہوا محسوس ہو رہا تھا تھانے کی مختصر اور سالخوردہ ی عمارت پر گہرا سکوت طاری تھا۔گنی چنی چند سلاخ والی کوٹھریوں میں قیدی پڑے اونگھ رہے تھے۔انہی میں بدنصیب اور حالات زدہ محمد پنل بھی موجود تھا۔مگر اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔وہ جیل کی تنگ و تاریک سیلن زدہ کوٹھری میں اکھڑے ہوئے ننگی اینٹوں والے فرش پر دیوار سے پشت ٹکائے بیٹھا اپنی تقدیر کو رو رہا تھا۔اس کی آنکھوں کے سامنے بار بار دادن کا چہرہ ابھر رہا تھا اور وہ اندر ہی اندر غصے سے کھول رہا تھا۔اسے ساتھ ہی تھانیدار حکم داد پر بھی طیش آ رہا تھا جس نے سرمد کے قتل کے جھوٹے الزام میں اسے داخل زنداں کر دیا تھا۔پنل کو دادن اور منشی میرو کی سازش کا اچھی طرح اندازہ ہو رہا تھا۔وہ سمجھ گیا تھا کہ دادن نے منشی میرو اور رئیس جابر خان کے ساتھ ملی بھگت کر کے اسے پہلے تھانے پھنسوا کر اپنا راستہ صاف کرنے کی کوشش کی تھی اور اب وہ رئیس ہی کی مدد سے اس کے بوڑھے ماں باپ پر دباؤ ڈال کر اس کی معصوم بہن سوہنی کا سنگ (رشتہ) حاصل کرنا چاہتا تھا۔محمد پنل کا دماغ ان ژولیدہ حالات تلے بری طرح جلنے لگا۔اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ لاک اپ کی آہنی سلاخوں کو توڑ کر سیدھا دادن کے پاس پہنچے اور اس کا نرخرہ چبا ڈالے۔

''چلو باہر آؤ۔'' اس میں سے ایک نے سلاخ دار دروازہ کھول کر کرخت لہجے میں اسے باہر آنے کا اشارہ کیا۔پنل حیران و پریشان تھا کہ اسے اس وقت کہاں لے جایا جا رہا ہے۔ایک لمحے کو تو وہ اس خیال سے لرز اٹھا کہ کہیں اسے دانستہ فرار کا موقع دے کر پولیس مقابلے کی صورت میں قتل تو نہیں کیا جانے والا تھا۔بہر طور پر وہ گرداب خیالات کو جھٹکتا ہوا ان کے ساتھ ہو لیا۔وہ دونوں سپاہی اسے خاموشی کے ساتھ حوالدار حکم داد کے کمرے میں لے آئے۔

Marfat.com

کمرے میں بلب روشن تھا۔سامنے میز کرسی پر حوالدار حکم داد اپنی دونوں ٹانگیں میز پر پسارے بیٹھا اس کی طرف سنسناتی نظروں سے گھور رہا تھا۔محمد پنل کو اپنے وجود میں پھریری دوڑتی ہوئی محسوس ہوئی۔اس کے بعد حکم داد بہ دستور اسے گھورتا ہوا کرسی سے اٹھا اور پنل کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔پھر اپنی جیب سے ایک کاغذ نکالا اس پر کچھ لکھا ہوا تھا۔پنل صرف پانچ جماعت پڑھا ہوا تھا مگر کاغذ پر اس تحریر کو پڑھ سکتا تھا۔حوالدار حکم داد نے وہ کاغذ اس کی طرف بڑھایا اور کرخت لہجے میں بولا۔

''تو انگوٹھا لگاتا ہے یا دستخط کرتا ہے؟''

''مجھے نام لکھنا آتا ہے اپنا۔'' محمد پنل نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

''چل پھر اس پر اپنا نام لکھ کر انگوٹھا بھی لگا دے۔'' حوالدار حکم داد نے جیب سے قلم بھی نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔پنل الجھتی ہوئی نظروں سے کاغذ کو دیکھتے ہوئے اسے لے کر پڑھنے لگا تو اس کی کنپٹیوں پر سائیں سائیں ہونے لگیں۔وہ اس کی طرف سے لکھا ہوا خود ساختہ بیان تھا جس کی رو سے محمد پنل نے واقعی اپنے چچا زاد سرمد کا خون اس لیے کیا تھا کہ اس نے اس کی بہن سوہنی سے منگنی توڑ دی تھی۔

''میں اس پر دستخط نہیں کروں گا۔یہ جھوٹا بیان ہے۔میں نے سرمد کا قتل نہیں کیا۔۔۔۔'' ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ حوالدار حکم داد کا ہاتھ فضا میں بلند ہوا اور ایک چٹاخ کی بلند آواز کمرے میں گونجی۔پنل اس کا بھاری بھرکم تھپڑ کھا کر چند قدم پیچھے لڑکھڑا گیا۔اس کا بایاں گال سرخ ہو گیا تھا۔پنل نے مارے طیش کے دانت بھینچ لیے۔حوالدار حکم داد جلاد صفت نظروں سے اسے گھورتے ہوئے کرخت لہجے میں بولا۔

''اڑے او چھوکرا! ۔۔۔۔شرافت سے اس کاغذ پر انگوٹھا لگا دے اپنا ورنہ!۔۔۔۔لتر مار مار کر کھال ادھیڑ ڈالوں گا۔'' اس کے غراتے ہوئے لہجے میں سفاک تہدید تھی۔

Marfat.com

''ہرگز نہیں! یہ جھوٹا بیان ہے؟'' پنل اپنی بات پر اڑ گیا۔
حوالدار حکم داد نے سنسناتی ہوئی نظروں سے اسے گھورا پھر ہونٹ چبا کر بولا۔
''دیکھو پنل! تو اپنا جرم مانے گا تو تیری سزا کم ہو جائے گی اور تو مار سے بھی بچ جائے گا۔ اس لیے چمڑی ادھڑنے سے پہلے میری بات مان لے۔'' پنل اسکی مکاری سمجھ گیا تھا لہذا بدستور ہٹیلے لہجے میں بولا۔
''مگر میں نے سرمد کا قتل کیا ہی نہیں ہے پھر کیوں میں اس جھوٹے بیان پر اپنا انگوٹھا لگاؤں؟'' اس کے حتمی انداز میں انکار پر حوالدار حکم داد نے قلم اپنی جیب میں رکھا۔ کاغذ لپیٹ کر اپنی قمیض کی جیب میں رکھا، اس کے بعد وہاں کھڑے دو سپاہیوں میں سے ایک کو تحکمانہ کہا۔
''اڑے جا بشیر! ذرا بارہ نمبر کا تر اور کڑوے تیل کی بوتل لے کر آ۔۔۔ جا بابا جا تکڑا۔۔۔۔۔ شاباش۔'' بشیر نامی سپاہی معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ مودبانہ انداز میں سیلوٹ مارتا ہوا نکل گیا۔ پنل کا دل بے تحاشا دھڑکنے لگا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اب یہ خبیث اپنی مرضی کے بیان پر انگوٹھا نہ لگانے کی اسے انسانیت سوز سزا سے دوچار کرنے والا تھا۔ دفعتاً تھانے کی عمارت گولیوں کی بھیانک تڑتڑاہٹ سے گونج اٹھی۔ یہ لوگ بری طرح چونک پڑے۔ حوالدار حکم داد کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

دوسرے ہی لمحے کمرے میں چار پانچ ڈھاپا پوش دھاڑیل داخل ہوئے ان میں دھاڑیل خیرل سندھو بھی تھا۔ اس نے ایک منحنی سے سپاہی کی گردن دبوچ رکھی تھی اسے حوالدار حکم داد کے قدموں میں پٹخا اور سب نے حوالدار حکم داد پر اپنی کلاشنکوفیں تھام لیں۔ خیرل سندھو غرا کر حوالدار سے بولا۔
''کوئی غلط حرکت نہیں چلے گی ہمارے ساتھیوں نے پورے تھانے کو گھیر رکھا ہے۔ محمد پنل کہاں ہے؟''

Marfat.com

محمد پنل نے اپنا نام ایک اجنبی سے سنا اور چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

حوالدار حکم داد بری طرح سے پریشان اور متوحش نظر آ رہا تھا۔اس نے بالآخر قریب کھڑے پنل کی طرف اشارہ کیا۔دھاڑیل خیرل سندھو نے پنل کے کاندھے پر ہاتھ دھرا اور دوستانہ لہجے میں بولا۔

''آؤ سنگت! تیری بہن سوہنی تیرا انتظار کر رہی ہے۔''

محمد پنل بری طرح چونکا۔خیرل سندھو اسے لے کر باہر آ گیا۔ہر طرف دھاڑیل پھیلے ہوئے تھے جنہوں نے پولیس والوں کو نہتا کر رکھا تھا اور اپنی گن پوائنٹ پر آن لیا تھا۔آن واحد میں یہ لوگ پنل کو لے کر اپنے گھوڑوں پر بیٹھے ۔۔۔۔اور رفو چکر ہو گئے۔

☆.....☆.....☆

جنگل ڈیرے پر سناٹا طاری تھا۔سوہنی، دھاڑیل خیرل سندھو کے انتظار میں اس کی چھوالداری میں موجود تھی اور دعائیں مانگ رہی تھی کہ اس کا بھائی محمد پنل خیریت کے ساتھ جلد لوٹ آئے۔خاصی دیر بعد جب مشرقی افق پر سپیدہ نمودار ہوا تو اسے باہر اچانک شور سنائی دیا۔اس کا دل یکبارگی زور سے دھڑکا اور وہ بے تابانہ انداز میں اٹھ کر چھوالداری سے باہر نکل آئی تو سامنے نیم اجالے میں اس نے دیکھا کہ خیرل سندھو کے ساتھ اس کا بھائی محمد پنل بھی اس کے گھوڑے سے نیچے اتر رہا تھا سوہنی اپنے بھائی کو دیکھ کر خوشی سے نہال ہو گئی۔وہ بے اختیار از راہِ مسرت ''ادا پنل'' کہتی ہوئی اپنے بھائی سے لپٹ گئی۔پنل بے چارہ اپنی معصوم بہن کو ان خطرناک دھاڑیلوں (ڈاکوؤں) کے درمیان دیکھ کر حیران و پریشان رہ گیا۔دھاڑیل خیرل سندھو نے دونوں کو چھوالداری میں آنے کا کہا پھر اندر آ کر دھاڑیل خیرل سندھو نے محمد پنل کو اس کی بہن سوہنی سے متعلق ساری تفصیل سے آگاہ کیا۔محمد پنل یہ سن کر سناٹے میں آ گیا پھر دانت بھینچ کر غصے سے بڑبڑایا۔

Marfat.com

"مجھے پہلے ہی معلوم تھا کہ مجھے سوچی سمجھی سازش کے تحت ہی اس جھوٹے کیس میں پھنسوایا گیا تھا تا کہ اس خبیث کتے دادن کا راستہ صاف ہو جائے اور وہ رئیس کے ذریعے میرے ماں پیو (باپ) پر دباؤ ڈال سکے۔"

پھر اس نے دھاڑیل خیرل سندھو کا شکریہ ادا کیا اور پھر اسے بھی حوالدار حکم داد کے بارے میں بتایا کہ کس طرح اس سے ایک خود ساختہ بیان والے لکھے گئے کاغذ پر زبردستی اس کا انگوٹھا لگوانا چاہتا تھا۔ سوہنی اور دھاڑیل خیرل سندھو بھی اس کی مختصراً کتھا سن کر دم بہ خود رہ گئے تھے پھر دھاڑیل خیرل سندھو غراہٹ آمیز انداز میں بڑبڑایا۔

"حوالدار حکم داد۔۔۔۔ لگتا ہے رئیس کا رتب خوار بن چکا ہے۔ خیر! اب تم کو ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ حکم داد سمجھ گیا۔ گا کہ تو کس کا آدمی ہے؟"

اس وقت ہلکے پھلکے کھانے پینے کا بندوبست کیا گیا۔ تینوں وہیں چھوالداری میں سر جوڑے بیٹھے تھے۔ سارا دن دونوں بہن بھائی جنگل ڈیرے پر ہی موجود رہے پنل اپنے گھر جانا چاہتا تھا مگر دوبارہ گرفتاری کے خوف سے اس کی ہمت نہ کر سکا البتہ اس نے اپنی بہن سوہنی کو سمجھایا کہ کم از کم وہ تو گھر چلی جائے لیکن سوہنی نے گھر جانے سے صاف انکار کر دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ اگر گھر گئی تو دادن سے اس کی زبردستی شادی کر دی جائے گی۔ پنل اس کی بات پر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ دھاڑیل خیرل سندھو نے بھی مشورہ دیا کہ جب تک حالات سازگار نہیں ہو جاتے انہیں انہی کے پاس رہنا چاہیے۔ چنانچہ پنل نے کچھ روز ادھر ہی رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ مردم گزیدہ دھاڑیل خیرل سندھو کا شکر گزار تھا۔

یہ اس دن بعد دوپہر کا ذکر تھا۔ ایک مخبر اللہ بچایو نے آ کر ایک چونکا دینے والی اطلاع دی۔ اس نے ہانپتے ہوئے بتایا کہ پولیس پنل کے سارے خاندان کو پکڑ کر تھانے لے گئی ہے۔ اس کی بیوی ریشماں اور بچوں کو بھی نہیں چھوڑا تھا۔ پنل نے

Marfat.com

یہ سنا تو مارے طیش کے لرز اٹھا۔

''میں اس خبیث انسپکٹر کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

''اڑے بابا سنگت (دوست) حوالدار حکم داد کو رئیس کی پشت پناہی حاصل ہے۔ان لوگوں کو ہم سب مل کر اچھی طرح مزہ چکھائیں گے۔'' دھاڑیل خیرل سندھو نے زہر خند لہجے میں کہا تو محمد پنل کسی مخدوش خیال کے تحت بولا۔

''بھا خیرل! وہ کتا حوالدار میرے ماں پیو کو پریشان کر سکتا ہے۔''

''اس کی اب ہمت نہیں پڑے گی۔یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔'' خیرل سندھو معنی خیز مسکراہٹ سے بولا۔

اس کا خیال اپنی جگہ درست تھا مگر اگلے دن ہی ان تینوں کو ایک الگ ہی واقع کی اطلاع ملی۔دھاڑیل خیرل سندھو کے ایک مخبر ساتھی نے یہ لرزہ خیز اطلاع دی کہ رئیس نے پنل کے بیوی بچوں اور بوڑھے ماں باپ کو نجی جیل میں قید کر دیا ہے۔

اس اطلاع پر تینوں سناٹے میں آ گئے۔پنل کے اندر آتش فشاں کھولنے لگا سوہنی بری طرح دہل گئی۔دھاڑیل خیرل سندھو کے چہرے پر ازلی درشتی کھنڈ آئی۔

''میں اس بدبخت کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' پنل نے غلیظ آلود لہجے میں کپکپاتے ہوئے کہا تو دھاڑیل خیرل سندھو نے اس کے کاندھے پر ہاتھ دھرتے ہوئے کہا۔

''سنگت! ہم تیرے ساتھ ہیں۔آج رات رئیس سے بھی نمٹ لیتے ہیں۔''

یہ خبر اس کے مار آستین اور سازشی ساتھی دھاڑیل جانو جگری سے کیسے چھپی رہ سکتی تھی۔اسے جیسے ہی یہ پتا چلا کہ سردار دھاڑیل خیرل سندھو اور پنل اپنے ساتھیوں سمیت رئیس کی حویلی میں شب خون مارنے کا ارادہ کئے ہوئے ہے تو فوراً اُسے گل کھلانے کا موقع مل گیا۔اس نے اسی وقت در پردہ پولیس مخبر ساتھی کے ساتھ رئیس کی کار پردازی نبھاتے ہوئے اپنے ایک قابل اعتماد مخبر ساتھی کے ذریعے

Marfat.com

پہلے متعلقہ تھانے کے حوالدار حکم داد کو یہ خفیہ اطلاح پہنچائی جو اس نے فوراً رئیس کے بھی گوش گزار کر دی۔ بس پھر کیا تھا۔ حوالدار حکم داد پولیس کی بھاری جمعیت کے ساتھ ہی رئیس کے مسلح آدمی بھی چوکنا ہو گئے۔

ادھر دھاڑیل خیرل سندھو اور محمد پنل اس سازش سے غافل تھے۔ جیسے ہی رات سر پر پہنچی اور چہار سو اندھیاروں کا راج ہوا تو دھاڑیل خیرل سندھو نے اپنے الگ تھلگ سولہ مسلح دھاڑیل ساتھیوں کی کھیپ تیار کی۔ اس نے پنل کو اپنے ساتھ جانے سے روکنا چاہا مگر جب وہ نہ مانا تو اس نے مجبوراً اسے بھی ایک عدد رائفل تھما دی پھر یہ لوگ سب سبک رفتار گھوڑوں پر جنگل ڈیرے سے روانہ ہو گئے۔ مارِ آستین جانو جگری ان کے روانہ ہوتے ہی مکاری سے مسکرانے لگا۔ اگرچہ دھاڑیل خیرل سندھو نے اسے بھی ساتھ چلنے کو کہا تھا مگر بڑی عیاری سے طبیعت کی خرابی کا بہانہ بنا کر جنگل ڈیرے پر ہی رک گیا تھا۔ اس کے ہم خیال ساتھی بھی جنگل ڈیرے پر ہی اپنے دوسرے باقی ماندہ ساتھیوں کے ساتھ وہیں موجود رہے تھے۔

سازشی جانو جگری اب تصور میں پنل اور سردار خیرل سندھو کو سلاخوں کے پیچھے یا خون آلود لاشوں کی صورت دیکھ کر دل ہی دل میں بڑا خوش ہو رہا تھا اور ساتھ ہی سوہنی کو بھی اپنی رانی بنانے کے خوش کن تصور میں خوشی سے جھوم رہا تھا۔ اس کی شیطانی نظریں سوہنی پر کب سے تھیں۔ آج اسے ایک تیر سے دو شکار کرنے کا خوب موقع ملا تھا۔

ادھر بے چاری الم نصیب سوہنی کو کیا علم تھا کہ اس پر کیا قیامت ٹوٹنے والی ہے۔ دھاڑیوں کے اس خطرناک گروہ کے ساتھ رہتے ہوئے اسے اگرچہ چند روز ہی ہوئے مگر اسے رائفل اٹھانی آ گئی تھی۔ وہ اسے چلا بھی لیتی تھی مگر نشانہ ابھی اتنا پختہ نہیں ہوا تھا۔ اپنی حفاظت کیلئے اس وقت بھی دھاڑیل خیرل سندھو نے اسے حفظِ ماتقدم کے تحت ایک عدد رائفل دے رکھی تھی۔ وہ اپنی چھوالداری میں تنہا موجود تھی۔

Marfat.com

ادھر دھاڑیل جانو جگری نے موقع سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ سب سے پہلے اس نے ایک بار پھر اپنے ہم خیال ساتھیوں کو اکٹھا کیا اور اس وقت جنگل ڈیرے میں موجود دھاڑیل خیرل سندھو کے آدمیوں کی تعداد سے متعلق پوچھا۔

ہاکو نامی اس کے ایک ہم خیال ساتھی نے اسے سرگوشی میں بتایا۔

''جانو سائیں! موقع اچھا ہے۔ اس وقت جنگل ڈیرے میں ہمارے حمایتی ساتھیوں کی خاصی تعداد موجود ہے۔ چند گنے چنے سردار کے حامی یہاں ہوں گے باقی تو سمجھو سردار خیرل کے ساتھ جیل کی سلاخوں کے پیچھے چلے گئے۔''

فتح کے جوش سے جانو جگری کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ پھر سفاکانہ لہجے میں ہونٹ سکیڑ کر بولا۔

''چلو پھر اس وقت ان چند دشمنوں کو بھی خاموشی سے موت کے گھاٹ اتار دو۔ میں ذرا اس حور پری سوہنی کے ساتھ رنگ رلیاں مناتا ہوں جا کر۔''

یہ کہہ کر اس کے ساتھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ ظلم و بربریت کا کھیل شروع ہو گیا۔ سوہنی شیطان خصلت جانو جگری کی صورت اپنی طرف بڑھتی ہوئی مصیبت سے بے خبر اپنی چھوالداری میں موجود تھی۔ اچانک وہ چونکی۔ سامنے دھاڑیل جانو جگری کھڑا اسے شیطانیت بھری نظروں سے گھور رہا تھا۔ سوہنی کی چھٹی حس نے ایکا ایکی اسے خطرے کا احساس دلایا۔

☆.....☆.....☆

دھاڑیل خیرل سندھو اور پنل کے گھوڑے ساتھ ساتھ تھے۔ باقی ساتھی عقب میں چلے آ رہے تھے۔ جنگل ڈیرے کی حدود سے نکلتے ہی یہ لوگ جب رئیس کے گوٹھ کی حدود میں داخل ہوئے تو انہوں نے اپنے گھوڑوں کی رفتار کم کر دی۔ دھاڑیل خیرل سندھو نے پندرہ رکنی گروہ کو دو حصوں میں بانٹ دیا۔ ایک کی کمان خود سنبھال لی جب کہ دوسرے کی کمان اپنے ایک مقربِ خاص دھاڑی ساقی منٹھار علی

Marfat.com

کے سپرد کر دی اور اسے رئیس کی حویلی کے عقب میں پہنچنے کا حکم دیا۔ وہ اپنے کل آٹھ ساتھیوں کے ساتھ روانہ ہو گیا تو باقی اپنے سات ساتھیوں کے ساتھ وہ آگے بڑھا۔

کیکر اور سریں کے درختوں کا یہ گھنا جنگل پار کر آئے تھے اور اب تاریکی میں ڈوبے ہوئے کھیتوں کے کنارے واقع قدِ آدم خودرو جھاڑیوں کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگے۔ آسمان پر تارے ٹمٹمار ہے تھے اور پوری تاریکیوں کا طباق چاند بھی روشن تھا مگر آوارہ بادلوں کے ٹکڑوں میں وہ گاہے بگاہے اپنی روشن چھب دکھا کر پھر ان کے پیچھے ہو رہا تھا۔ دور کہیں آوارہ کتوں اور السائے ہوئے گیدڑوں کے چلانے کی مدھم سی آوازیں چہار اطراف چھائے گہرے دم بہ خود سناٹے میں لرز رہی تھیں۔ ادھر یہ لوگ اس بات سے قطعاً بے خبر تھے کہ یہ جن کی موت بن کر اپنے جس شکار کے پیچھے جا رہے تھے وہ خود ان کی موت کی صورت گھات لگائے دانت نکوسے بیٹھے تھے چنانچہ اسی سمے شکار شکاری بننے والا تھا اور شکاری شکار۔

اچانک رات کے چیختے ہوئے سناٹے میں گولیوں کی بھیانک تڑتڑاہٹ ابھری۔ خیرل سندھو اور پنل کے عقب میں آتے ہوئے ساتھیوں میں سے چار دل خراش چیخوں کے ساتھ گھوڑوں سے نیچے آ رہے گولیوں کی ایک باڑ نے دھاڑیل خیرل سندھو کا دایاں کاندھا چھید ڈالا اور پنل کو اپنے بائیں بازو میں گولی سلاخ کی مانند گھستی محسوس ہوئی۔ وہ دونوں بھی نیچے آ رہے۔ مگر پھر زخمی ہونے کے باوجود تیزی سے قریب کے جھاڑی دار جھنڈ میں رینگ گئے اور فائرنگ کی سمت انہوں نے بھی اپنی گنوں کے دہانے کھول دیے۔ ذرا دیر قبل خاموش طوفان کی آمد دیتے ہوئے سناٹے میں ایکا یکی جیسے پُرشور حشر بپا ہو گیا تھا۔ خیرل سندھو کا دایاں کاندھا بری طرح گھائل تھا۔ شکر تھا کہ ہڈی سلامت رہی تھی۔ چند گولیاں اگرچہ گوشت چیرتی ہوئی نکل گئی تھیں مگر اکا دکا ابھی تک گوشت میں پیوست تھیں۔ خیرل سندھو اس تکلیف کو خاطر میں لانے والا کہاں تھا۔ جم کر جوابی فائرنگ میں مصروف تھا البتہ پنل پہلی بار ایسے حالات

Marfat.com

سے گزرا تھا مگر اس نے اپنے حواس قابو میں کر رکھے تھے اور برابر مقابلے میں مصروف تھا۔ ادھر باقی ساتھی بھی نامعلوم حملہ آوروں پر گولیاں برسا رہے تھے خیرل کو فوراً اندازہ ہو گیا تھا کہ ضرور اپنے ہی گروہ کی کسی کالی بھیڑ نے مخبری کر ڈالی ہے، لیکن اس سے موجودہ حالات کی سنگینی سے نمٹنا پہلے ضروری تھا۔ ان پر حملہ سب سے پہلے دور کھیتوں میں چھپے رئیس کے مسلح آدمیوں نے کیا تھا۔ ان کی تعداد دس بارہ کے قریب تھی اور ان میں پولیس کی نصف تعداد بھی شامل تھی جب کہ باقی نصف نے حویلی کو اپنے حفاظتی حصار میں لے رکھا تھا۔

دھاڑیل خیرل سندھو نے آناً فاناً پانچ دشمنوں کو مار گرایا۔ اس کے تین ساتھی بھی جم کر مقابلہ کر رہے تھے۔ فضا میں بارود کی ناگوار بو پھیلنے لگی تھی پھر معاً ہی انہیں جنوبی سمت سے بھی فائرنگ سنائی دینے لگی۔ یہ وہ علاقہ تھا جدھر خیرل سندھو نے اپنے آٹھ ساتھیوں کے دوسرے ٹولے کو منٹھار علی کی کمانڈ میں روانہ کیا تھا۔ اس نے فوراً اندازہ لگا لیا تھا کہ ان کی طرح ان پر بھی ایسا ہی اچانک حملہ ہوا تھا۔ گولیوں کی گھن گرج سے پورا ماحول گونج رہا تھا۔ پنل بھی باقاعدہ نشانے لے کر دشمن گرانے میں محو تھا۔ پھر پنل خیرل سے ذرا جدا ہو گیا۔ اچانک اس کی نظر تاروں کی مدھم روشنی میں اس خبیث حوالدار حکم داد پر پڑی۔ اس کا خون کھول اٹھا۔ جوش اور جلد بازی کے باعث وہ اپنی حفاظتی احتیاط بھی بھلا بیٹھا اور یک دم جھاڑیوں سے ابھر کر حوالدار کا نشانہ باندھنے لگا۔ ادھر اچانک خیر سندھو بھی لڑتے لڑتے اس کے قریب آ گیا تھا۔ ادھر پنل نے جیسے ہی حوالدار حکم داد کا نشانہ لینا چاہا اچانک ایک دشمن کی گن نے پورا برسٹ اُگلا۔ خیرل سندھو کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا۔ اس نے غصے سے دانت پیسے، پنل کے قاتل دشمن پر برسٹ فائر کر دیا۔ وہ بھی خون کی چھپڑی میں ڈوب گیا۔ پھر وہ زمین پر گرے ہوئے بے سدھ پنل کی طرف لپکا، مگر وہ مر چکا تھا۔ خیرل سندھو کو اس کی موت کا بہت دکھ ہوا اور وہ پنل کی لاش کو متاسفانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے دل گیر لہجے میں

Marfat.com

بڑبڑایا۔

''میں نے تجھے کہا بھی تھا نہ جا! یہ تیرے بس کا کھیل نہیں'' پھر وہ جھاڑیوں میں چھپتا چھپاتا آگے بڑھنے لگا۔اس کے دیگر تین ساتھی بھی دشمنوں سے جنگ کرتے ہوئے ان کے ساتھ آن ملے تھے۔منٹھار علی اور دیگر دھاڑیل ساتھی بے جگری سے رئیس کے آدمیوں اور پولیس سے مقابلہ کررہے تھے۔رئیس کے کافی آدمی مرچکے تھے باقی شاید میدانِ کارزار سے کھسکنے لگے تھے۔اب پولیس کی کچھ تعداد موجود تھی۔خیرل سندھو اب باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت مقابلہ کررہا تھا۔اس نے حوالدار حکم داد کو بھی اس لڑائی میں شریک دیکھ لیا تھا۔وہ اب اسے پکڑنا چاہتا تھا۔لہٰذا وہ جنگلی بلے کی طرح جھاڑیوں کی آڑ لیتا ہوا حوالدار حکم داد کے بالکل سر پر جا پہنچا اور پھر یک دم اس نے جھاڑیوں سے ابھر کر اپنی کلاشنکوف اس کی کنپٹی سے لگا دی۔حوالدار حکم داد اپنی جگہ ساکت کھڑا رہ گیا۔دھاڑیل خیرل سندھو نے خوفناک غراہٹ کے ساتھ کہا۔

''اپنے کتوں سے کہو کہ فائرنگ روک کر ہتھیار پھینک دیں۔۔۔۔ورنہ تیری کھوپڑی اڑادوں گا میں۔''

حوالدار حکم داد کا ویسے ہی خون خشک ہورہا تھا اس نے جلدی سے اپنا سروس ریوالور پھینکا پھر چلا کر اپنے سپاہیوں سے بھی فائرنگ روک کر ہتھیار پھینکنے کا لرزندہ حکم دیا۔سپاہیوں نے اپنے افسر کو گن پوائنٹ پر دیکھا تو فوراً اس کے حکم کی تعمیل کی۔

فضا میں یک لخت سناٹا چھا گیا۔پھر دھاڑیل خیرل سندھو نے چلا کر اپنے ساتھیوں کو آواز دی تو انہوں نے آگے بڑھ کر پولیس کے پھینکے ہوئے ہتھیاروں کو اٹھالیا۔ان میں رئیس کے چند آدمی بھی یرغمال بنا لیے گئے۔خیرل کے صرف نو ساتھی زندہ بچے تھے پھر یہ لوگ انہیں گن پوائنٹ پر دھکیلتے ہوئے رئیس کی حویلی کے قریب پہنچ کر رک گئے۔

''حکم داد! اپنے سپاہیوں سے کہو کہ اندر حویلی جا کر رئیس سے کہیں کہ اگر وہ

Marfat.com

خیریت چاہتا ہے تو پنل کے بیوی بچے اور اس کے بوڑھے ماں باپ کو چھوڑ دے۔"

دھاڑیل خیرل سندھو نے اسے دوسرا حکم دیا۔ حوالدار حکم داد نے فوراً اپنے چند سپاہیوں کے سامنے یہی حکم دہرایا۔ وہ سپاہی فوراً حویلی کے اندر داخل ہو گئے خاصی دیر بعد وہ نکلے تو پنل کے بوڑھے ماں باپ، اس کی بیوی ریشماں اور اس کا معصوم بچہ اندر سے نمودار ہوئے۔ وہ سب حیران پریشان بری طرح ڈرے سہمے ہوئے تھے۔

پھر دھاڑیل خیرل سندھو نے رئیس کو بھی پیغام دیا کہ وہ باہر نکلے ورنہ حویلی کی اینٹ سے اینٹ بجادی جائے گی۔ وہی پانچ چھ سپاہی دوبارہ حویلی میں داخل ہوئے اور ذرا ہی دیر بعد رئیس کے ساتھ دوبارہ نمودار ہوئے۔ رئیس کے چہرے سے پریشانی اور تفکر مترشح تھا۔ رئیس کو دیکھ کر دھاڑیل خیرل سندھو نے چلا کر اسے دھمکی دیتے ہوئے کہا۔

"رئیس! میں چاہوں تو تجھے ابھی گولیوں سے بھون کر رکھ دوں، مگر یہ کام میں کسی وقت بھی بہت آسانی سے انجام دے سکتا ہوں۔ میری بات کان کھول کر سن لے اگر تو نے ان غریبوں کو دوبارہ ستانے کی کوشش کی تو یاد رکھ میں تجھے دوبارہ زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے پنل کے بدنصیب گھر والوں کو وہاں سے فوراً جانے کا اشارہ کیا۔ وہ بے چارے لرزتے کانپتے اس خدائی فوجدار اور اپنے نجات دہندہ کو حیرت آمیز نظروں سے تکتے ہوئے فوراً تاریکی میں گم ہو گئے۔ اس کے بعد دھاڑیل خیرل سندھو اپنے ساتھیوں سمیت واپس جنگل ڈیرے کی طرف لوٹ گیا اور لوٹتے سمے وہ سوہنی کے غیرت مند اور بے جگر بھائی محمد پنل کی لاش اٹھانا نہیں بھولا تھا۔

☆.....☆.....☆

سوہنی نے غدار جانو جگری کی آنکھوں میں ہلکورے لیتی شیطانیت کو فوراً بھانپ لیا تھا اور جانو جگری اپنے بدہیئت ہونٹوں پر مکروہ مسکراہٹ لیے اس کی طرف دھیرے دھیرے قدم بڑھانے لگا۔ سوہنی کا دل متوحش انداز میں بے طرح دھڑکنے

Marfat.com

لگا۔ رائفل اس کے قریب ہی چھوالداری کی دیوار سے ٹکی ہوئی تھی۔ جانو جگری کے کاندھوں سے کلاشنکوف جھول رہی تھی جسے اس نے ابھی اپنے ہاتھ میں لینے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

وہ سوہنی کو ایک پکا ہوا پھل سمجھ رہا تھا۔ سوہنی نے متوحش نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ جانو جگری بولا۔

''آجا میری رانی! اب تو میری ہے۔۔۔صرف سردار جانو جگری کی۔''

سوہنی لرز اٹھی اور کپکپاتے لہجے میں بولی۔

''ی۔۔۔ی۔۔۔یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ میں تمہارے سردار سے شکایت کر دوں گی تمہاری!''

''ہا۔۔ہا۔۔ہا۔۔۔سردار؟ کیسا سردار؟ اسے تو اب تک پولیس اور رئیس کے آدمیوں نے ختم بھی کر ڈالا ہوگا۔''

وہ بدمست قہقہہ لگا کر بولا اور سوہنی فوراً اپنی رائفل کی طرف لپکی مگر جانو جگری نے اسے بے بس چڑیا کی طرح دبوچ لیا۔

''تا۔۔۔تا۔۔۔تا۔۔۔تیرے نازک ہاتھ یہ بھاری ہتھیار اٹھانے کیلئے نہیں بنے، میری رانی!'' وہ طنز آمیز لہجے میں بولا۔

سوہنی اس کے شکرے جیسے پنجوں میں بے بس شکار کی طرح تڑپنے لگی۔

''چھوڑ دے مجھے۔۔۔غدار کتے!۔۔۔تو جھوٹ بولتا ہے۔ میرا خیرل ابھی آجائے اور اداپنل بھی۔۔۔تیرے ٹوٹے کر دے گا!'' سوہنی نے دانت پیس کر کہا۔

''وہ دونوں اب کبھی نہیں آئیں گے اور پھر میں نے بھی تو وہی کیا ہے جو خیرل نے اپنے سردار بگن دھاڑیل کے ساتھ کیا تھا۔ اسے دھوکے سے ہلاک کر ڈالا تھا۔''

Marfat.com

غدار جانو جگری نے اس بار خون خوار لہجے میں اس سے کہا اور اس کے ساتھ دست درازی شروع کر دی۔ ساتھ ہی ہانپتی ہوئی آواز میں بولا۔

''اب اس پورے گروہ کا صرف میں سردار ہوں۔۔۔ جانو جگری!۔۔۔ ہا۔ ہا۔ ہا۔'' وہ طاقت کے نشے میں چور تھا۔ ایک موقع پر اچانک سوہنی نے اس کے نازک مقام پر زور سے اپنا گھٹنا رسید کر دیا۔ جانو جگری کو اس سے اتنی جرأت کی توقع نہ تھی۔ وہ تکلیف کی شدت سے تھوڑا کراہا تھا۔ گرفت ڈھیلی پڑتے ہی سوہنی تڑپ کر آزاد ہو گئی اور بڑھ کر پھرتی سے اپنی دیوار سے ٹکی ہوئی رائفل اٹھالی اور فوراً اسے جانو جگری پر تان لیا۔ ایک لمحے کو جانو جگری کے چہرے پر سناٹا چھا گیا مگر اس کی آنکھوں میں ابھی تک خون خواری اور سفاک چمک کم نہ ہوئی تھی۔

''چھوکری! یہ غلطی نہ کرنا۔۔۔ باہر سب میرے اپنے ساتھی موجود ہیں۔ وہ سب کے سب تجھے بھنبھوڑ کر رکھ دیں گے۔ پھینک دے اس کھلونے کو شاباش! میں تیرا سہارا بنوں گا۔ تجھ سے شادی۔۔۔'' ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ سوہنی نے لبلبی دبا دی رائفل پہلے ہی سے برسٹینگ پوائنٹ پر ایڈجسٹ تھی۔

نتیجتاً رائفل نے گرج دار آواز کے ساتھ ایک پورا برسٹ اُگلا تھا جس نے غدار جانو جگری کا سینہ چھلنی کر کے رکھ دیا۔ وہ کریہ انگیز چیخ مار کر زمین بوس ہو گیا۔

مرتے وقت اس کی آنکھوں میں حیرت تھی۔ اسے شاید ایک سیدھی سادی دیہاتی ان پڑھ لڑکی سے ایسی مار اماری کی توقع ہرگز نہ تھی۔ گولیوں کی آواز سن کر جانو جگری کے حمایتی اور خیرل سندھو کے ساتھی بھی اندر آ گئے۔ سوہنی نے انہیں بتایا کہ یہ خبیث جانو جگری کس نیت سے اس کے پاس آیا تھا نیز اس نے ان کے سردار خیرل سندھو کے ساتھ کیسی سازش چلی تھی۔ جانو جگری کے حامیوں کا اس کی لاش دیکھ کر حوصلہ جاتا رہا تھا اس لئے وہ سردار خیرل کے بے جگر آدمیوں کے سامنے بالکل خاموش کھڑے تھے البتہ خیرل سندھو کے آدمی پریشان ہو گئے تھے۔ انہوں نے پہلے تو

Marfat.com

غدار جانو جگری کی لاش پر حقارت سے تھوکا پھر سوہنی کو تسلی دیتے ہوئے آپس میں صلاح ومشورہ کرنے لگے۔ ابھی تھوڑی دیر گزری تھی کہ انہیں باہر شور سا سنائی دیا۔ یہ لوگ چونک کر باہر نکلے۔ سوہنی بھی باہر آ گئی اور دھک سے رہ گئی۔ سامنے خیرل سندھو اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ گھوڑے سے نیچے اتر رہا تھا اور اس کے کاندھوں پر اس کے بھائی پنل کی لاش تھی۔

وہ ''ادا پنل!'' کہہ کر ہسٹریائی انداز میں چلا کر دوڑی اور بھائی کی خون آلود لاش سے لپٹ کر رونے لگی۔

خیرل سندھو نے اسے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کیلئے چھوڑ دیا۔ ذرا دیر بعد اسے بتا دیا گیا کہ یہ ساری سازش اس غدار جانو جگری کی تھی۔ پھر خیرل سندھو نے سسکیاں لیتی ہوئی سوہنی کو سنبھالا اور اسے بتایا کہ اب اس کے گھر والوں کو کوئی پریشان نہیں کرے گا۔ اگر وہ اپنے گھر واپس جانا چاہتی ہے تو چلی جائے۔

سوہنی نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا تو خیرل سندھو کے دل کو گھونسا لگا۔ وہ اندریں دل سے یہی چاہتا تھا کہ سوہنی نہ جائے مگر اس نے اپنے دل پر قابو پایا اور اپنے چند ساتھیوں کی حفاظت میں سوہنی کو اس کے گوٹھ روانہ کر دیا۔ پنل کی لاش بھی وہ لے گئے تھے۔

سوہنی کے جاتے ہی دھاڑیل خیرل سندھو اداس سا ہو گیا تھا۔ اسے سوہنی سے ہرگز اس بات کی توقع نہ تھی کہ وہ اسے چھوڑ کر چلی جائے گی کیونکہ وہ اسے دل سے پسند کرنے لگا تھا وہ رنجور سا ہونے لگا۔

خاصی دیر بعد اس کے ساتھی واپس لوٹے تو وہ بری طرح ٹھٹھکا۔ سوہنی اپنے بھائی کی تدفین کے بعد واپس آ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

Marfat.com

گردش

وہ بڑا عجیب ،رقت آمیز اور دل فگار منظر تھا۔کچی دیواروں والے ایک بوسیدہ سے صحن میں۔۔۔۔۔مضطرب الحال سے وہ کل چھ افراد موجود تھے۔جن کے پژمردہ چہروں پر اس وقت غم ناک پرچھائیاں طاری تھیں۔رات اپنے نصف پہر میں داخل ہو چکی تھی۔آسمان صاف اور روشن تھا۔چاند کی دمکتی روشنی میں گارے مٹی کی بوسیدہ دیواروں کے سائے بھی دم بہ خود سے پراسرار ہیولوں کی طرح اس رقت بھرے غمگسار منظر کو جیسے خامشی سے گھورتے محسوس ہو رہے تھے۔

دو دیہاتی وضع قطع کی عمر رسیدہ عورتیں، جنہوں نے سروں پر اجرکوں کی میلی سی چادریں اوڑھ رکھی تھیں۔ایک نوجوان اور ایک خوب صورت لڑکی کو باری باری اپنی چھاتی سے لگا کر سسک رہی تھیں۔لڑکی نے نیا نویلا مقامی طرز کا جھلملاتا سندھی

Marfat.com

،بلوچی، بھرت کا سوٹ پہن رکھا تھا۔وہ درمیانی قدامت کی نہایت معصوم صورت اور حسین لڑکی تھی ۔اس کے چہرے کی رنگت بالکل شفاف بے داغ اور سرخی مائل سپید تھی آنکھیں بڑی بڑی سرمگیں جیسے گھاس کی نرم نرم پتیوں پر شبنمی بوندیں چمکتی ہیں ناک پر چاندی کا ابلق اور ماتھے سے جھالر دار چھگن جھول رہا تھا۔اس کی صراحی دار شفاف گردن میں ایک صحرائی طرز کا چاندی کا کھری کنٹھا بھی نظر آ رہا تھا۔اس کے سپید سپید ہاتھوں پیروں کی حنائی انگلیوں میں چند مزید چھوٹے چھوٹے تانبے کے چاندی لگے زیوارت بھی جھلملا رہے تھے لیکن اس وقت بہ حیثیت مجموعی ۔۔۔۔چھوٹی چھوٹی معصوم خوشیوں کو کشید کرتی ہوئی ان سب چیزوں کی ضوفشانی ماند پڑ چکی تھی۔یہی نہیں بذات خود لڑکی ایک نو بیاہتا۔۔۔۔مگر افسردہ اور غم زدہ دلہن کی تصویر بنی کھڑی تھی۔

یہ سارا منظر ایسا ہی دکھائی دے رہا تھا جیسے ایک لڑکی کو دلہن بنا کر بابل کے دیس سے ''وداع'' کیا جا رہا ہو۔۔۔۔اور حقیقت بھی یہی تھی کہ اس لڑکی کا، جس کا نام نوراں تھا۔آج شام کو ہی محمد وسان نامی ایک نوجوان لڑکے کے ساتھ نکاح پڑھا دیا گیا تھا۔جو خود بھی اس وقت اپنی نو بیاہتا دلہن نوراں کے ساتھ ہی خاموش کھڑا تھا۔

وہ ایک چوبیس پچیس سالہ گبرو جوان تھا۔رنگت سانولی اور چہرے کے نقوش خالص دیہاتی طرز کے موٹے موٹے اور وجیہ تھے۔اس نے اجلی شلوار قمیض پہن رکھی تھی اور پیروں میں کھڑیاں تھیں۔سر پر شیشے کے کام والی سرخ سندھی ٹوپی اور کاندھے پر اجرک ڈال رکھی تھی۔کوئی اور موقع ہوتا تو یہ نوجوان ،نوراں جیسی ملنے والی ایسی حسین دلہن پر خود اپنی قسمت پر رشک کر رہا ہوتا۔لیکن اس سمے تو جیسے کسی نظر نہ آنے والی منحوس آفت نے ان سب کی خوشیوں اور شادمانیوں کو ملیا میٹ کر ڈالا تھا کیوں کہ دولہا محمد وسان کے چہرے پر خوشی کی بجائے گہرے تفکر اور قدرے غیظ و جوش کے بھی آثار نظر آ رہے تھے۔یوں لگتا تھا جیسے وہاں موجود ان چاروں عمر رسیدہ مرد و عورتوں نے، جو بلاشبہ ان دونوں نو بیاہتا دلہن کے ماں باپ ہی تھے۔۔۔نوجوان

Marfat.com

محمد وسان کی بڑی منت سماجت اور اپنے بڑھاپے کا واسطہ دے کر بالآخر کسی ایسے اقدام پر مجبور کر ڈالا تھا۔۔۔جس پر وہ قطعی راضی نہ ہو۔روتی، سسکتی دلہن کو بار بار اپنے سینے سے لگانے والی ان دو عمر رسیدہ عورتوں میں ایک اس دلہن کی ماں مائی عجیباں تھی اور دوسری عورت اس کی ساس یعنی نوجوان کی ماں حیاتاں بی بی تھی۔۔۔جو دلہن نوراں کی چاچی بھی لگتی تھی۔۔۔نوراں کا بوڑھا سسر مٹھل بھی وہاں موجود تھا اور اس کا باپ احمد بخش بھی۔یہ دونوں بیک وقت آپس میں بھائی اور اب سمدھی بن چکے ہیں۔

غم اگر محض بیٹی کو رخصت کرنے ہی کا ہوتا تو اس وقت وہ سب لوگ اس قدر دل گرفتہ اور رنجور و مہجور نہ ہوتے۔دکھ تو اس بات پر انہیں ہو رہا تھا کہ جن کڑے حالات کی آندھی میں ان دونوں نو بیاہتا میاں بیوی کو اس غمگسار رات کے درمیانی پہر مکمل راز داری کے ساتھ گھر سے ہی نہیں بلکہ گوٹھ سے بھی با قاعدہ ہجرت کرنے پر مجبور کیا جا رہا تھا۔وہ ان سارے افراد کیلئے کسی کڑے امتحان سے کم نہ تھا۔

رات کے پہر اس پر اسرار ہجرت آمیز رخصتی کے پس پردہ درحقیقت ایک خونچکاں داستاں مضمر تھی۔ہجرت کے اس عمل پر جہاں دکھ اور غم ہجراں کی کسک تھی اس سے کہیں زیادہ ان سب کے دلوں میں ایک انجانا خوف اور اندیشوں کے ناگ بھی پھن کاڑھے ہوئے موجود تھے۔

بہر طور جب رونے دھونے اور آنسو بہا کر بار بار گلے ملنے کا یہ رقت آمیز عمل طول پکڑنے لگا تو بالآخر نوجوان دولہے محمد وسان کے باپ مٹھل نے اپنی بیوی حیاتاں سمیت سمدھن کو بھی تنبیہہ آمیز سرگوشی میں کہا۔

''ارے بابا! اب یہ رونا دھونا چھوڑو دیر نہ کرو جلدی سے اب ان دونوں کو دعاؤں کے ساتھ رخصت کرو۔تڑکے سے پہلے پہلے یہ دونوں یہاں سے جتنی دور نکل جائیں اتنا ہی چنگا (بہتر) رہے گا۔''

اس کی بات پر لڑکی کی ماں مائی عجیباں نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے ملتجی

Marfat.com

لہجے میں سمدھی مٹھل سے کہا۔

''ادا اتنا کٹھور نہ بن۔ میکوں اپڑیں دھی راڑیں سے چنگی طرح مل تو لینے دے۔ پتا نہیں پھر کب۔۔۔؟'' فرط رقت وغم سے عجیباں کی آواز رندھ کر حلق میں ہی بھنچ سی گئی تو مٹھل قدرے تیز مگر دکھ بھرے لہجے میں بولا۔

''ادی! بیٹے اور بیٹی کا تو یہ دکھ اب ہم سب کو ہی مل کر بھگتنا پڑے گا۔ اسی میں ان دونوں بچوں کی بہتری ہے۔ یہ تسلی تو دل کو رہے گی ناں کہ یہ دونوں زندہ تو ہوں گے۔ میرا اپڑاں پٹ بھی تو ہے وسان تو میری ساری حیاتی کی کمائی ہے ادی! میرا بھی تو جگر ہے نا بابا۔۔۔ اپڑیں حیاتی سے دور کر رہا ہوں اسے۔''

بوڑھے مٹھل کے لہجے میں درد والم کی گہری کاٹ تھی۔ اس نے اپنی بوڑھی آنکھوں سے امڈ پڑنے والے آنسوؤں کو چھپانے کی خاطر اپنا سر جھکا دیا تھا۔ ایسے میں احمد بخش اپنی بیوی عجیباں کو ٹوکتے ہوئے ذرا اونچی آواز میں بولا۔

''چل اب چپ کر بھائی مٹھل صحیح بولتا ہے۔ حیاتی رہی تو دوبارہ ہم اپڑیں بچوں سے مل لیں گے۔'' خود احمد بخش کی آواز یہ کہتے کہتے بوجھل سی ہو رہی تھی۔ وہ پچاس پچپن کے پیٹے میں تھا۔ دبلا پتلا اور سانولی رنگت کا مالک۔ اپنے بڑے بھائی اور سمدھی مٹھل سے دو سال ہی چھوٹا تھا۔ دونوں بوڑھے بھائی وڈیرے دریا خان کی زمینوں پر دھاکی (مزدوری) کرتے تھے۔ قدرے توقف کے بعد احمد بخش اپنے بھائی مٹھل سے مخاطب ہو کر بولا۔

''بھا۔۔۔! باہر بیل گاڑی تو تیار ہے ناں۔۔۔؟''

''ہاؤ ادا بخشل۔۔۔! بس ان دونوں بالکوں (بچوں) کے نکلنے کی دیر ہے۔''

مٹھل کے لہجے سے اب جلد از جلد ان دونوں دولہا دلہن کو رخصت کرنے کی عجلت آمیز پریشانی ہونے لگی تھی۔

Marfat.com

''ہاؤ بابا۔۔۔ چلو اب۔۔۔تم دونوں۔۔۔اندر جاؤ ۔۔۔ تمہارے رونے کی آواز سے دیواروں کے بھی کان کھڑے نہ ہو جائیں۔''اس نے آخر میں عجیباں اور حیاتاں کو اندر کوٹھری نما ایک کمرے میں جانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا اور وہ دونوں بے چاریاں ستم رسیدہ مائیں اب کے آخری بار دلہن نوراں اور دولہا محمد وسان سے گلے مل کر اور انہیں مہجور نگاہوں سے دیکھتی اور اپنے آنسو پونچھتیں وہاں سے چلی گئیں۔

دروازے کے باہر۔۔۔بیل گاڑی موجود تھی۔جس پر ترپال اور رلی کی گودڑی سی بچھا دی گئی تھی۔۔۔بیل گاڑی کے جوئے میں جتے ہوئے دو توانا بیل۔۔۔اس وقت اپنی لسائی ہوئی موٹی موٹی ابھرواں آنکھوں میں عجیب سی معصومیت سموئے خاموشی سے کھڑے تھے۔

ایک ٹین کا صندوقچہ تھا اور دیگر چھوٹا موٹا سامان بیل گاڑی پر لادا جانے لگا پھر دلہن نوراں کو بھی۔۔۔آہستگی سے بیل گاڑی پر سوار کرا دیا گیا۔اس کے بعد اس کا شوہر محمد وسان بھی بیلوں کے پشتوں والے گاڑی کے تختے پر لگا میں تھامے براجمان ہو گیا اور پھر اگلے ہی لمحے اس نے بیلوں کو مخصوص آواز میں ٹٹکارتے ہوئے انہیں آگے بڑھا دیا۔بیل گاڑی کے چوبی پہیے رات کی اس غمگسار تاریکی میں ہولے سے چرچرائے اور پھر یہ آگے بڑھ گئے۔۔۔سامنے گلی میں دور تک ویرانی اور تاریکی تھی۔چہار سو غضب کا سناٹا طاری تھا۔گھر کے دروازے پر موجود دولہا دلہن کے بدنصیب ماں باپ غم ناک آنکھوں سے بیل گاڑی کو جاتا دیکھ رہے تھے۔پھر جب بیل گاڑی کے نچلے تختے کی چولی ناب سے بندھی جھولتی ہوئی لالٹین کی جوت کو بھی تاریکی نے نگل لیا تو یہ سب دل تھامے۔۔۔اندر چلے گئے۔

باہر تاریک رات، بھاری سِل کی طرح سرک رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

Marfat.com

بیل گاڑی اب کچے پکے بے ترتیب گھروں کی اندھیری گلیوں سے نکل کر۔۔۔ایک بل کھاتی پگڈنڈی پر آ گئی تھی۔دائیں بائیں دور تک تاریکی میں ڈوبے ہوئے کھیت پھیلے ہوئے تھے آسمان پر آنکھ مچولی کرتے تاروں کی ٹمٹماتی روشنی میں۔۔۔محمد وسان۔۔۔بیل گاڑی کو اب باقاعدہ تیز دوڑائے چلا جا رہا تھا۔عقب میں دور گھروں کی بے ترتیب قطاروں کو تاریکی نے نگل لیا تھا۔سامنے بل کھاتی ناہموار پگڈنڈیاں دور تک سنسان تھیں۔۔۔ذرا آگے۔۔۔آوارہ کتوں کے غول نے آ لیا۔

انہوں نے بھونک بھونک کر آسمان سر پر اٹھا لیا۔مگر وسان لاتعلق سا بیلوں کی رسی تھامے انہیں آگے کو ہنکانے میں مصروف تھا۔اس کے چہرے پر گہری تفکر آمیز سنجیدگی کے ساتھ ایک جوش کی تمتماہٹ بھی مترشح تھی۔بڑی بڑی چمکدار آنکھوں میں اس وقت ماضی کے جلتے مناظر گھوم رہے تھے۔وہ اندر ہی اندر اس قدر پریشان کن خیالات میں کھویا ہوا تھا کہ اسے اس بات کا بھی دھیان نہ رہا تھا کہ۔۔اس کے عقب میں ترپال پر۔۔۔اس کی نو بیاہتا دلہن۔۔نوراں بھی سکڑی سمٹی بیٹھی ہولے ہولے سسک رہی تھی۔۔۔جو غالباً منتظر تھی کہ۔۔۔ایسے کڑے وقت میں اس کا شوہر دل جمعی کے دو بول ہی کم از کم بول لیتا۔۔لیکن۔۔۔محمد وسان۔۔۔تو کہیں اور ہی کھویا ہوا تھا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ۔۔۔اس نے جو کچھ کیا۔۔۔ وہ غلط کیوں تھا؟ بلکہ درست ہوتے ہوئے بھی وہ غلط کیوں تھا؟ بے قصور ہوتے ہوئے بھی اسے مجرم بنا دیا گیا تھا۔جھوٹ کے آگے۔۔۔مصلحت کے نام پر سچ کو کیوں بٹھایا جا رہا تھا۔۔۔اس لیے کہ۔۔۔ وہ ایک غریب ہاری کا بیٹا تھا اور شاید یہ اس کا سب سے بڑا جرم تھا۔۔۔سنا تھا۔۔۔جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے مگر یہاں تو سچ کے پاؤں کاٹے جا رہے تھے۔وسان کو گوٹھ بدر ہونے کا اتنا دکھ نہ تھا۔دکھ تھا تو اسے اپنے بوڑھے ماں

Marfat.com

باپ اور چاچا جی کا۔۔۔جو اس کے اب سسرالی بھی بن چکے تھے انہیں اکیلا چھوڑنا پڑ رہا تھا۔ پتا نہیں کل کا سورج ان ہجر کے مارے غریب بوڑھوں پر کیسی کیسی آفتیں لانے والا تھا۔اس کا تکلیف دہ احساس۔۔۔وسان کا جگر پاش پاش کیے دے رہا تھا۔ وہ دل مسوس کر سوچنے لگا کہ بعض مرتبہ انسان اپنوں کی منت سماجتوں کے آگے کتنا مجبور ہو جاتا ہے۔۔۔کہ اسے ان کا کڑے سے کڑا فیصلہ۔۔۔ناچاہتے ہوئے بھی قبول کرنا پڑتا ہے۔وہ تو ڈٹ کر حالات کا مقابلہ کرنا چاہتا تھا کیا پھر۔۔۔جب اس کے بوڑھے ماں باپ اور چاچا جی نے اپنی ٹوپیاں اور سر کی چادریں اس کے قدموں پر ڈال کر اسے راتوں رات اپنی دلہن کو لے کر گوٹھ سے نکل جانے کا اصرار کیا تو مجبوراً محمد وسان کو اپنوں کے اس تلخ فیصلے کا گھونٹ بھرنا پڑا تھا۔

بیل گاڑی کے پیچھے بھونکتے ہوئے آوارہ کتوں کا غول اب۔۔۔غائب ہو چکا تھا۔تاروں بھری رات۔۔۔کسی الہڑ دلہن کی سیج کی طرح سجی ہوئی تھی۔اب تو ان کے عقب میں آبادی کے ساتھ۔۔۔ساتھ۔۔۔کھیت کھلیان بھی بہت پیچھے رہ گئے تھے اور دور سے ہیولوں کی طرح انہیں خدا حافظ کہتے محسوس ہو رہے تھے۔آس پاس۔۔۔مدہم روشنی میں پھیلا ہوا۔۔۔بھربھری مٹی اور کہیں کہیں چھدری چھدری اور خودرو جھاڑیوں کا میدان شروع ہو چکا تھا۔کچھ کیکر کے درختوں کے اونگھتے ہوئے سے جھکے جھکے ہیولے بھی نظر آنے لگے تھے۔فضا میں اب خنک ہوا سی محسوس ہونے لگی۔وسان نے فوراً اندازہ لگایا کہ۔۔۔وہ دریائے سندھ سے زیادہ دور نہیں اس نے بیلوں کی پشت پر پتلی ٹہنی والا چابک رسید کر دیا۔مقصد بیلوں کو تیز دوڑانا تھا۔کیوں کہ اسے سختی سے اس بات کی تاکید کی گئی تھی کہ وہ جتنی جلد ہو سکے دریائے سندھ کا یہ چوڑا پاٹ عبور کر کے دوسرے کنارے اتر جائے۔ایک بار وڈیرے حاجی پیارو خان کی جاگیر میں داخل ہونے کے بعد وہ اور اس کی نو بیاہتا دلہن بالکل محفوظ ہو جائیں گے۔۔۔کیوں کہ وڈیرا حاجی پیارو خان نہ صرف اپنے علاقے کا سردار تھا بلکہ وہ ایک

Marfat.com

انتہائی انصاف پسند اور خداترس انسان بھی تھا۔ مظلوموں کو پناہ دیتا تھا ان کی دادرسی کرنے کے معاملے میں وہ خاصا مشہور بھی تھا یہی وجہ تھی کہ اس کی پورے ''تھر'' کے علاقے میں شہرت تھی۔

وڈیرے حاجی پیارو خان کی جاگیر میں پناہ لینے کا مشورہ کس حد تک درست تھا؟ ابھی یہ دونوں معصوم نہیں جانتے تھے۔ انہیں بس اتنا معلوم تھا کہ۔۔۔ پوچھنے سے پہلے پہلے۔۔۔ انہیں زمیندار دریا خان اور اس کے بھیڑیا صفت کارندوں کے علاقے سے دور۔۔۔ بہت دور نکل جانا ہے۔ سو وہ ایسا ہی کر رہے تھے۔ وسان بظاہر خاموشی سے بیلوں کو دوڑانے میں محو تھا۔۔۔ مگر اندر اس کے طوفانی ہلچل سی مچی ہوئی تھی۔ اس کی بظاہر اندھیروں کو گھورتی لہو رنگ آنکھوں میں بار بار۔۔۔ زمیندار دریا خان اور اس کے مقربِ خاص۔۔۔ کار پرداز ''حرام کے مکروہ چہرے رقصاں تھے۔ یہ دونوں وہ چہرے تھے جن سے۔۔۔ محمد وسان کو شدید حد تک نفرت تھی۔ انہی دونوں کی وجہ سے اسے آج یہ دن دیکھنے پڑ رہے تھے کہ وہ۔۔۔ ناچاہتے ہوئے بھی گوٹھ بدر ہونے پر مجبور ہوا تھا یوں تو اس نے ان دونوں شیطانوں کا مقابلہ کرنے کی ٹھانی تھی مگر۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ اپنے بوڑھے ماں باپ کے ہاتھ جوڑنے اور رو رو کر منتیں سماجتیں کرنے سے مجبور ہو گیا تھا۔ کیوں کہ انہیں اس بات کا خوف تھا کہ۔۔۔ اگر ان کے کڑیل اور جوشیلے بیٹے محمد وسان سے کوئی ایسی ویسی حرکت ہو گئی تو وڈیرا اور اس کے خونخوار حواری نہ صرف ان کے جوان اکلوتے بیٹے کو مار ڈالیں گے بلکہ ان کے گھروں کو بھی جلا کر بھسم کر دیں گے۔ مولو ہاری، خیر بخش ہاری اور ہاری خدا بخش کا حشر انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا جنہوں نے زمیندار دریا خان اور اس کے حواریوں سے ٹکر لینے کی کوششیں کی تھیں اور ان کا پھر بھی کیا عبرت ناک حشر ہوا تھا کہ پورا گوٹھ اس انسانیت سوز بربریت پر لرز اٹھا تھا۔ اس لئے مٹھل ہاری اور احمد بخش ہاری نے وسان اور نوراں کو راتوں رات رشتہ ازدواج میں منسلک کر کے ان دونوں کو زمیندار دریا خان

Marfat.com

کے علاقے سے نکال دیا تھا۔

رات کا نصف پہر بیت چکا تھا۔بیل گاڑی اب ایک ایسے میدان سے گزر رہی تھی جہاں جا بجا کھجی کے درخت پھیلے ہوئے تھے۔اس کے باپ مٹھل اور سسر احمد بخش نے اسے تاکید کی تھی کہ۔۔۔وڈیرے حاجی پیارو خان۔۔۔کے پاس جا کر اسے ساری حقیقت سے بلا کم و کاست آگاہ کر دے اور ساتھ ہی مدد کی فریاد کرے۔۔۔مگر حقیقت یہ تھی لہ۔۔۔وسان نے کچھ اور ہی سوچ رکھا تھا۔

وہ کڑھے ہوئے دل کے ساتھ سوچتا کہ۔۔۔آخر وہ کب تک زمینداروں اور وڈیروں کے رحم و کرم پر رہیں گے؟ اسے ایسی زندگی سے ہی نفرت ہو گئی تھی۔۔۔ جہاں اندھیرا تھا جہاں غریب انسان بے کس اور مہر بہ لب زندگی گزارنے پر مجبور تھا۔اپنے حق کیلئے آواز نہیں بلند کر سکتا تھا۔اگر ایسی کوئی جرأت کرتا بھی تو اسے دبا دیا جاتا۔۔۔یا پھر صفحۂ ہستی سے ہی مٹا کر رکھ دیا جاتا۔۔تف ہے ایسی زندگی پر۔۔۔اس سے تو اچھا ہے کہ انسان زہر کھا کر مر جائے۔۔۔مگر میں۔۔۔ایسا نہیں ہونے دوں گا۔۔۔میں اپنے اوپر۔۔۔اپنے ماں باپ پر عرصہ حیات تنگ کرنے والوں سے ضرور نمٹوں گا ایک دن۔۔۔ضرور نمٹوں گا۔۔۔جوشِ غیظ سے اسے احساس ہی نہ ہوا کہ۔۔۔آخری الفاظ بے اختیار اس کے لبوں سے پھسل کر۔۔۔عقب میں گٹھڑی بنی بیٹھی اس کی نو بیاہتا دلہن کی سماعتوں تک جا پہنچے تھے اور اس نے بے اختیار لاج شرم کو بالائے طاق رکھتے ہوئے گھبرا کر ایک نگاہ اپنے شوہر کی طرف ڈالی اور بولی۔

''کیا ہوا سائیں؟'' محمد وسان نے یک دم چونک کر عقب میں اپنی بیوی کی طرف دیکھا پھر جانے کیا سوچ کر اس نے فوراً بیلوں کی رسی کھینچ لی۔دونوں بیل ہولے سے رک گئے۔ماحول پر دم بہ خود سی خاموشی طاری ہو گئی۔

''نوراں۔۔۔بابا اور چاچا احمد بخش نے ہمیں کیا نصیحت کی تھی؟'' معاً محمد وسان نے گھمبیر لہجے میں اسے مخاطب کر کے پوچھا۔نوراں کو اگرچہ اپنے شوہر کے

Marfat.com

اس عجیب طرزِ گفتگو پر حیرت ہوئی۔مگر بولی۔

''انہوں نے کہا تھا کہ۔۔ہمیں سب سے پہلے۔۔۔وڈیرے حاجی پیارو خان کی جاگیر میں جا کر اس کے آگے اپنی فریاد ڈالیں اور اسے مدد کی عرضی (درخواست) دیں۔''

''لیکن میں کسی کی مدد لینا نہیں چاہتا۔'' وسان نے تلخ لہجے میں کہا۔نوراں بے چاری کیا جواب دیتی۔

چپ ہو کے بیٹھی رہی۔۔۔مگر وسان کو جواباً اس کی خاموشی کھل گئی لیکن اس بار وہ نوراں سے قدرے رسان کے ساتھ بولا۔

''نوراں۔۔۔! آخر ہم کب تک دوسروں کے آسروں اور مدد پر چلیں گے؟''

''میں سمجھی نہیں میرے سائیں۔'' نوراں نے بھولے سے کہا۔

''میں نے تجھ سے کوئی فارسی بولی ہے۔'' وسان نے چڑچڑے پن سے کہا۔نوراں بے چاری پریشان ہوگئی۔

''سائیں معاف کر دیں۔۔۔میں عقل کی کچی ہوں۔'' اس کی معصومت بھرے لہجے پر وسان کو بے اختیار اس پر ترس بھی آیا۔وسان خود پریشان تھا۔۔۔اس کا چڑچڑا پن اس کیفیت کا مظہر تھا؟ تاہم وہ اپنے لہجے میں پیار بھری رسانیت سموتے ہوئے اس سے دوبارہ بولا۔

''نوراں۔۔۔!تو نے کبھی سوچا ہے کہ۔۔۔۔ہمارے اس طرح گوٹھ سے چپ چپاتے نکل جانے کے بعد۔۔۔۔بابا اور چاچا پر کیسی کیسی قیامتیں ڈھائی جائیں گی۔۔۔انہیں کس قدر آزار پہنچایا جائے گا۔۔پپ۔۔۔پتا نہیں۔۔۔پھر وہ زندہ بھی بچ سکیں گے یا۔۔۔۔'' وہ اپنا جملہ بھی پورا نہ کر سکا تھا اچانک نوراں نے بلک بلک کر رونا شروع کر دیا۔وسان پریشان ہوگیا۔

Marfat.com

''اڑی چری ۔۔۔۔!روتی کیوں پڑی ہے ؟اب سمجھ میں آئی نا میری بات ۔۔۔۔یہ سب ہم غریبوں کے ساتھ ہی ہوتا ہے ۔۔۔۔ظلم کرنے والے بھی ایسے ہی ہیں اور مدد کرنے والے بھی ۔۔۔۔تو کیوں نہ پھر ہم اپنے نصیبوں کا فیصلہ دوسروں پر چھوڑنے کی بجائے خود کریں ۔'' اسے حالات کا سنگین تجربہ ہوا تھا بے چاری سیدھی سادی نوراں کو یہ بات سمجھ میں نہ آئی مگر خوف سے چپکی بیٹھی رہی۔

''نوراں!۔۔۔۔اگر ہم وڈیرے حاجی پیارو خان کی جاگیر نہ جائیں تو تجھے اعتراض تو نہ ہوگا؟'' اس نے اچانک پوچھا۔

نوراں بولی ۔''سائیں !اب تو میرا سب کچھ تو ہی ہے ۔۔۔۔جدھر لے جائے۔۔۔۔جو کرے۔۔۔۔میرا جینا مرنا اب تیرے ساتھ ہے۔''

وسان اس کی بات پر خوش ہو گیا۔''یہ ہوئی نا بات۔۔۔۔میرے ساتھ رہنا ہے تو تجھے بہادر بننا ہوگا۔''

''وہ تو ٹھیک ہے۔۔۔۔پر سائیں!بابا اور چاچا کی طرف سے تو نے مجھے فکر میں ڈال دیا ہے۔۔۔۔اگر زمیندار دریا خان اور گہرام نے ان گریبوں کو۔۔۔۔'' وہ مارے غم کے اپنا جملہ مکمل نہ کر سکی اور ایک بار پھر سسک پڑی۔

وسان نے اسے تشفی دیتے ہوئے کہا۔''نوراں!۔۔۔۔تو فکر نہ کر۔۔۔۔پہلے ہم کسی محفوظ ٹھکانے پر پہنچ جائیں۔ پھر ان کا بھی کچھ سوچ لیں گے۔''

''پر سائیں !۔۔۔۔ہم جائیں گے کہاں ۔۔۔۔؟ہم کو کون پناہ دے گا۔۔۔۔؟''نوراں نے ایسا سوال کیا جس کا جواب وسان کے پاس بھی نہ تھا۔وہ خاموش ہوگیا۔نوراں اسے خاموش پا کر بولی۔

''سائیں!تو پھر کیوں نہ ہم وڈیرے پیارو خان کے پاس چلے جائیں۔ہم اپنے گھر والوں کے لیے تو اس سے مدد لے سکتے ہیں۔''

محمد وسان جواباً خاموش رہا' لگ رہا تھا جیسے اسے نوراں کا مشورہ برا نہیں لگا

Marfat.com

تھا مگر۔۔۔درحقیقت ایسا تھا نہیں۔۔۔کیوں کہ وہ کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔اس نے اپنی نو بیاہتا بیوی نوراں سے جو عندیہ لینا تھا وہ لے لیا تھا۔بس اس کے لیے یہ کافی تھا اس نے نوراں کو جواب دینا مناسب نہ سمجھا۔دوبارہ بیل گاڑی کی رسی تھام لی۔جنگل میں رات کے دم بہ خود اندھیروں میں اندیشوں بھرا سفر ایک بار پھر شروع ہو گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

محمد وسان اب نوراں کی طرف سے مطمئن ہو گیا تھا۔لہذا اس نے اب وڈیرے پیارو خان کی جاگیر جانے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔اگر چہ وہ یہ فیصلہ پہلے ہی کر چکا تھا مگر اب نوراں کا عندیہ لینے کے بعد اس نے یہی سوچا تھا کہ یہاں سے سیدھا اپنے دوست درمحمد کے ہاں جائے گا اور پھر وہیں ڈیرا جمانے کے بعد وہ اپنے ماں باپ وغیرہ کی خیر خبر لے گا۔اس کے دوست درمحمد کا گوٹھ زیادہ دور نہیں تھا اور نا ہی دریائے سندھ کے دوسری طرف تھا۔۔۔بس یہاں سے چند ہی میل کے فاصلے پر دریا کے کنارے پر اس کا گوٹھ تھا۔وہاں تک پہنچنے کا حتمی فیصلہ کرنے کے بعد اب بیل گاڑی کی رفتار اس نے تیز کر دی۔

مشرق افق سے سپیدہ نمودار ہونے کے بعد وہ اپنے مطلوبہ گوٹھ کی حدود میں داخل ہو چکا تھا۔نوراں رلی اوڑھے بیل گاڑی کے پرال بھرے چوبی تختے پر سکڑی سمٹی سو رہی تھی۔

کھیتوں میں ہاری عورتیں اور مرد کام کرتے نظر آ رہے تھے۔انہیں کام میں مشغول دیکھ کر محمد وسان کے جفاکش وجود میں دکھ اور احساس محرومی کی لہر ابھری۔اس کا دل چاہا کہ وہ بھی ان کے ساتھ زمین کا سینہ چیرنے میں مصروف ہو جائے۔مگر ارضی ناخداؤں نے اس کے معصوم اور محنت کش شب و روز کو سیاہ آندھیوں کی نذر کر ڈالا تھا اسے پہلے دن سے سیاہ آندھیوں کا مقابلہ کرنا تھا مگر۔۔۔محمد وسان نے دل میں اپنے تئیں فیصلہ کر لیا تھا کہ حالات کا مردانہ وار ڈٹ کر مقابلہ کرے گا۔۔۔تھوڑی دیر بعد

Marfat.com

محمد وسان نے ایک کچے گھر کے سامنے بیل گاڑی روک دی۔ دیواروں پر اپلے تھپے ہوئے تھے دروازے پر پردے کے نام پر ٹاٹ جھول رہے تھے۔

اس ٹاٹ کو پڑے ہٹاتا ہوا ایک مجہول سا بوڑھا کانپتا ہوا باہر نکلا اس کے پچھی سے ہاتھ کی استخوانی مٹھی میں بیڑی دبی ہوئی تھی۔ وہ اپنے دروازے کے سامنے ایک بیل گاڑی کو کھڑے دیکھ کر ذرا ٹھٹک گیا۔

''چاچا فضل۔۔۔۔! اسلام وعلیکم!'' محمد وسان نے بیل گاڑی سے اترتے ہوئے اسے سلام کیا۔ نوراں بھی اٹھ بیٹھی تھی۔ اور کسمسا کر اپنی اجرک کی چادر کو سر پر درست کرنے لگی۔

''بسم اللہ بابا۔۔۔!'' چاچا فضل نامی اس بوڑھے نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ کا چھجا سا بنا کر اسے پہچاننے کی کوشش کرتے ہوئے جواباً کہا۔ وسان نے آگے بڑھ کر اس سے ہاتھ ملایا۔

''اڑے چھوکرا۔۔۔ یہ تو ہے۔۔۔ محمد وسان۔۔۔ کیسا ہے تو؟''

محمد وسان کے قریب آنے پر چاچا فضل اسے پہچان کر خوشی سے بولا۔ ''بس چاچا۔۔ اللہ سائیں کا کرم۔۔۔ در محمد گھر پر ہے کیا؟'' وسان نے پوچھا۔ تو چاچا فضل نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پھر سامنے بیٹھی گٹھڑی بنی بیٹھی نوراں کی طرف دیکھ کر بولا۔

''یہ کون ہے۔۔۔؟ کیا تیری زال (بیوی) ہے۔''

''ہاؤ چاچا! تو نے ٹھیک اندازہ لگایا۔'' وسان جلدی سے بولا۔

''تو لے آ۔۔۔ اسے اندر چھوکرا۔۔۔'' وہ بولا اور پھر اندر چلا گیا۔

''اڑے او۔۔۔ در محمد۔۔۔! تیرا دوست آیا ہے ڑے۔۔۔'' اس نے بیٹے کو آواز دی تھی۔

''نوراں ۔۔۔ نیچے اتر آ۔۔۔ آجا اندر تو بھی۔'' وسان نے وہیں دروازے ہی سے اپنی بیوی کو پکارا۔ اور نوراں اسے کچھ ضروری سامان پہلے ہی اندر

Marfat.com

لے جانے کی تاکید کرتے ہوئے اپنی بگھی سنبھالے بیل گاڑی سے اتر آئی۔

فضل چاچا کا گھر زیادہ بڑا نہ تھا بلکہ اس کا تو صحن بھی تنگ تھا اور وہاں بس ایک دو دھیلی بھینس نے گھر کر رکھا تھا۔ نیم پختہ اینٹوں کے دو کوٹھری نما کمرے سامنے نظر آ رہے تھے۔ صحن میں ایک جھلنگا سی چارپائی بچھی ہوئی تھی۔ دونوں میاں بیوی اس پر بیٹھ گئے۔ وسان اپنا جست کا صندوقچہ اتار لایا تھا۔ ذرا دیر بعد ایک دوسری کوٹھری سے وسان کا ہم عمر ایک نوجوان آنکھوں کا چیپڑ نکالتا ہوا نمودار ہوا۔ یہ اس کا دوست درمحمد تھا۔ اس نے میلی سی قمیض اور راک (تہبند) باندھ رکھی تھی۔ وسان کو دیکھ کر وہ پہلے تو حیران ہوا۔ پھر جلدی سے اس کے استقبال کے لیے آگے بڑھا۔

''بھلی کرے آیا سنگت!'' (خوش آمدید دوست) دونوں دوست بغل گیر ہوئے۔

''یہ میری گھر والی ہے نوراں۔'' محمد وسان نے اسے بتایا۔

''بھاجائی۔۔۔ السلام۔'' درمحمد نے نوراں کے سر پر روایتی انداز میں اپنا ہاتھ دھرتے ہوئے اس سے کہا۔ درنوراں سر جھکائے خاموش رہی۔ اتنے میں درمحمد کے باپ نے اس سے کہا۔

''پٹ! تو ان دونوں کے لیے مانی ٹکر (روٹی وغیرہ) کا بندوبست کر۔ میں ڈیرے پر جا رہا ہوں۔''

وہ چلا گیا۔ درمحمد اور اس کا باپ دنیا میں اکیلے تھے۔ درمحمد کی ماں کا حال میں ہی انتقال ہوا تھا۔ درمحمد ابھی غیر شادی شدہ تھا البتہ اس کی منگنی ہو چکی تھی۔

''اچھا سنگت! تم دونوں اندر کوٹھری میں جا کر آرام کرو۔ میں کچھ کھانے پینے کا بندوبست کرتا ہوں۔ پھر آرام سے بیٹھ کر باتیں کریں گے۔''

''تو تکلیف نہ کر نوراں کرلے گی۔ تو نے ابھی چاچا کے ساتھ ڈیرے پر جانا ہے تو ہو آ۔''

Marfat.com

وسان نے اس سے کہا تو وہ فراخ دلی سے مسکرا کر بولا ۔"اڑے نہیں سنگت! کیوں بھاجائی کو تکلیف دیتا ہے۔چل اٹھ اندر جا کر آرام کرو۔جاؤ شاباش۔"

وسان بے اختیار مسکرایا پھر نوراں کو لیے اندر کوٹھری میں آ گیا۔یہاں ایک رلی بچھی چارپائیاں دھری تھیں۔دونوں میاں بیوی ان پر لیٹ گئے۔

تھوڑی دیر کے بعد در محمد نے وسان کو آواز دی۔وہ باہر نکلا تو در محمد کھانے کے برتن لیے کھڑا تھا۔

"یہ لے کھانا حاضر ہے۔کھا پی کر آرام کرو۔میں ڈیرے سے جلد لوٹ آؤں گا۔اور ہاں بھاجائی کو کام نہ کرنے دینا۔مجھے باورچی خانے کا خوب تجربہ ہے میں سنبھال لوں گا۔ویسے خیر تو ہے ناں۔"اس نے آخر میں پوچھ ہی لیا۔وسان نے اس کے ہاتھوں سے ناشتے کے برتن پکڑتے ہوئے بولا۔

"ہاؤ یار سنگت! بس خیر ہے بھی اور نہیں بھی۔"

"اچھا۔۔۔اچھا۔۔۔ٹھیک ہے۔میں سمجھ گیا تھا پر تو پریشان نہ ہو۔میں آتا ہوں۔سب ٹھیک ہو جائے گا۔"در محمد نے تشفی آمیز لہجے میں اس سے کہا اور پھر کام پر چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

اگلے دن کی صبح اندیش ناک تفکرات اور وسوسہ انگیز متوحش خیالات سے طلوع ہوئی تھی۔دونوں بھائی یعنی مٹھل اور احمد بخش بہ ظاہر معمول کے مطابق کھیتوں پر کام کرنے چلے گئے تھے اندر سے وہ دونوں بے چارے ڈرے ہوئے تھے۔بالخصوص نوراں کا باپ احمد بخش کچھ زیادہ ہی ڈرا سہما ہوا تھا۔دونوں کے بشروں پر بے نام سے خوف کی کھٹک ہویدا تھی۔تاہم دونوں اپنے کام میں مصروف ہو گئے اور اس دوران احمد بخش کبھی کبھی اطراف میں ایک متوحش سی بھی نگاہ ڈالتا جا رہا تھا۔اس کے انداز و اطوار سے صاف لگ رہا تھا جیسے اسے کسی طوفان کی آمد کا اندیشہ ہو اور پھر

Marfat.com

وہی ہوا۔معااس کی نگاہ سامنے والے کھیتوں کے درمیان بل کھاتی پگڈنڈی پر پڑی اور وہ بری طرح دہل گیا۔اس نے ذرافاصلے پر کام کرتے ہوئے اپنے بھائی مٹھل کو آوازدی۔

''بھامٹھل ہوشیار۔''اس کی آواز میں ان جانے خوف کاارتعاش تھا۔مٹھل نے بھائی کی آواز پر کٹائی کے دوران سراٹھا کراس کی طرف دیکھااور پھرفوراًہی اسے مذکورہ پگڈنڈی پرایک بغیر ہڈ کی جیپ آتی دکھائی دی۔احمد بخش فوراًاپنے بھائی مٹھل کی طرف کھسک آیا۔پھر دونوں سہمی ہوئی نظروں سے آتی ہوئی جیپ کو دیکھتے گئے۔جیپ ان کے قریب آ کرایک جھٹکے سے رکی۔دونوں بھائیوں کے دل بوڑھے سینوں میں لرزنے لگے۔جیپ سے چارافراد کدا کڑے مار کراتر آئے۔وہ چاروں اجرک پوش تھے۔تین تو خاصے لحیم شحیم تھے جب کہ چوتھا ایک منحنی منشی ٹائپ شخص تھا۔اس نے الوؤں کے دیدوں جیسی عدسوں والی عینک چڑھا رکھی تھی۔دو کے کاندھوں پر رائفلیں اور تیسرے لحیم شحیم شخص کے بغل سے ہولسٹر جھول رہا تھا۔یہ گہرام تھا'زمیندار دریا خان کا خاص الخاص آدمی اور منحنی شخص اس کا منشی موریو خان تھا۔باقی دو کی حیثیت ان کے کارندوں کی سی تھی۔گہرام اور منشی سرد نظروں سے ہاری احمد بخش کی طرف گھورتے ہوئے ان کے قریب آئے تو دونوں بھائیوں نے اپنے ہاتھ جوڑ کر انہیں سلام کیا۔

''اڑے بابا۔۔۔احمد بخش !ہم آخری جواب لینے آئے ہیں تیرے سے اس وقت بول کیا جواب ہے تیرا؟''گہرام نے خشک لہجے میں اس سے کہا۔

''سائیں !گھر چلو آرام سے اوطاق میں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔''تو مٹھل جلدی سے عاجزانہ لہجے میں بولا۔

''اڑے چپ کر۔''منشی موریو خان نے اسے کرخت لہجے میں جھڑکا۔پھر احمد بخش سے مخاطب ہو کر بولا۔

Marfat.com

''ہاں بابا! پھر کیا کہتا ہے تو۔۔۔۔کیا تجھے یہ رشتہ منظور ہے؟''

''س۔۔۔سائیں۔۔۔وہ۔۔۔وہ۔۔۔۔پ۔۔۔بات۔''

بے چارے احمد بخش سے خوف کے مارے بولا نہیں جا رہا تھا۔وہ چاروں اسے خشم ناک نظروں سے گھورنے لگے۔احمد بخش نے بہ مشکل اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

''س۔۔۔۔سائیں!۔۔۔م۔۔۔میں نے پہلے ہی تم لوگوں سے کہا تھا کہ۔۔۔۔میں نے اپنی دھی (بیٹی) نوراں کی منگنی اپنے بھائی مٹھل کے بیٹے محمد وسان سے کر دی ہے اور۔۔۔اور۔۔۔ان دونوں کی تو۔۔۔اب۔۔۔۔شادی بھی ہو گئی ہے۔''

ہاری احمد بخش کے الفاظ گہرام اور منشی موریو خان کے سر پر بم کی طرح پھٹے تھے۔

''کیا بکواس کرتا ہے تو؟'' گہرام نے غیظ ناک لہجے میں چنگار برساتی نظروں سے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

ہاری احمد بخش غریب سہم کر رہ گیا۔مٹھل بھی بے چارہ گہرام کی قہر باری پر تھوک نگل کر رہ گیا۔کیوں کہ اسی لمحے گہرام نے احمد بخش کے ساتھ اس کی طرف بھی ایک خوں خوار نظر ڈالی تھی۔گویا اس نے اپنے بیٹے محمد وسان کی شادی نوراں سے کر کے کوئی بہت بڑا جرم کر ڈالا ہو۔

''احمد بخش!۔۔۔تو نے اچھا نہیں کیا۔'' اس بار منشی موریو خان نے ابلتی آنکھوں سے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''تم دونوں اچھی طرح جانتے تھے کہ ہم پھکو موالی کے لیے نوراں کا سنگ (رشتہ) لینا چاہتے تھے۔پھر تم دونوں نے ایسا کیوں کیا۔'' اس بار احمد بخش کی بجائے مٹھل ذرا ہمت کر کے بولا۔

Marfat.com

''سس۔۔۔سائیں!۔۔۔ان دونوں کی توپ۔۔۔پہلے ہی سے۔۔۔''
''اڑے بس کر۔۔۔میں تو تم دونوں سے بعد میں نمٹوں گا۔ پہلے یہ بتا۔۔۔گواہ بننے کی جرأت کس نے کی تھی۔''

گہرام نے آگ اگلتے ہوئے اس سے پوچھا۔وہ دونوں بے چارے سہمے ہوئے ایک دوسرے کا چہرہ تکنے لگے۔

''چلو منشی۔۔۔!ذرا اس خدا بخش کے پاس چل کر پوچھتے ہیں۔''

ان دونوں کو متذبذب پا کر گہرام نے منشی سے کہا اور پھر وہ دونوں قہر آلود نظروں سے احمد بخش اور مٹھل کو گھورتے جیپ میں جا بیٹھے۔جیپ ایک جھٹکے سے اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی۔

گوٹھ کے پیش امام خدا بخش کا گھر مسجد کے قریب ہی تھا۔وہ ظہر کی نماز پڑھ کر فارغ ہوا تھا۔دروازے پر دستک کی آواز ابھری۔اس کی اکلوتی بیٹی۔۔۔مومل دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔خدا بخش نے اسے روکا وہ اس وقت صحن میں بچھی چارپائی پر روٹی کھا رہا تھا۔اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے بہ آواز بلند کہا۔

''صبر کر ذرا۔۔۔میں روٹی کھا کر آتا ہوں۔''مومل واپس رسوئی کی طرف بڑھ گئی۔۔۔وہ ایک سولہ سالہ جوان لڑکی تھی۔اس کی ماں کو فوت ہوئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا۔دونوں باپ بیٹی کا دنیا میں اللہ کے سوائے کوئی نہ تھا۔خدا بخش نے کھانا کھا کر شکر الحمدللہ کہا اور پھر چارپائی سے اٹھ کر اس نے ناپختہ صحن کے ایک کونے میں ہاتھ دھوئے پھر انہیں پونچھتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔دروازہ کھولا تو وہ ذرا چونک سا گیا۔سامنے گہرام اور زمیندار دریا خان کا منشی موریو خان کھڑے تھے۔

''اسلام وعلیکم۔''خدا بخش نے اپنی ریش پر ہاتھ پھیرتے ہوئے انہیں سلام کیا۔

''محمد وسان اور نوراں کا نکاح تو نے ہی پڑھایا تھا۔''گہرام اس کے سلام کا

Marfat.com

جواب دیے بغیر خاصی درشتگی سے بولا۔تو پیش امام خدا بخش نے بہ آواز بلند کہا۔

''الحمداللہ۔۔۔یہ نیک سعادت مجھ گناہگار کو ہی نصیب ہوئی تھی۔''

''کتنے روپے اینٹھے تھے تم نے۔۔۔؟'' گہرام کے لہجے میں استہزائیہ خوں خواری تھی۔

''روپے نہیں ہدیہ کہو۔۔۔جو ملا قبول کیا۔'' خدا بخش نے بہ دستور تحمل سے جواب دیا۔

''گواہ کتنے تھے اور کون تھے وہ مائی کے لال جنہوں نے یہ جرأت کی۔''

''دل مراد۔۔۔سائیں داد گواہ تھے۔''

''بس ہم نے یہی پوچھنا تھا۔'' یہ کہہ کر گہرام اور منشی واپس لوٹ گئے۔خدا بخش کے چہرے پر پہلی بار الجھن آمیز تفکر کے تاثرات ابھرے تھے۔

☆.....☆.....☆

کوئی پون گھنٹے کے بعد دل مراد اور سائیں داد۔۔۔پیش امام خدا بخش سمیت زمیندار دریا خان کی اوطاق میں موجود تھے۔ایک قدرے اونچی پشت والے سرکنڈوں کے موڑھے (مونڈے) پر زمیندار دریا خان اپنی روایتی بھاری بھرکم شخصیت کے ساتھ بڑے ''کُر'' سے براجمان تھا۔اس کے سر پر سرخ شیشوں کے کام والی ٹوپی اور شانوں پر ہالا کی اصل بیش قیمت اجرک دھری تھی۔بڑی بڑی خم دار مونچھوں کی طرح اس کی بھنویں بھی خاصی گھنی اور وسمہ لگی ہوئی تھیں۔وہ درشت نظروں سے ان تینوں کی طرف گھور رہا تھا۔اور اس کے برابر والے نسبتاً چھوٹے موڑھے پر گہرام بھی براجمان تھا۔جبکہ منشی موریو خان قریب ہی ایک بڑی سی چارپائی پر پاؤں لٹکائے بیٹھا تھا۔

پیش امام خدا بخش کے ساتھ کھڑے نکاح کے دونوں گواہ دل مراد اور سائیں داد کے چہروں پر قدرے خوف اور گھبراہٹ کے آثار نمایاں تھے۔البتہ پیش

Marfat.com

امام خدا بخش نارمل انداز میں کھڑا تھا۔

''خدا بخش بیٹھ جاؤ۔'' دفعتاً اعصاب شکن خاموشی میں زمیندار دریا خان کی کھرکھراتی آواز ابھری اور خدا بخش خاموشی سے سامنے دھرے ایک موڑھے پر بیٹھ گیا۔ جب کہ دل مراد اور سائیں داد کھڑے رہے تھے۔

''خدا بخش! تم بے شک گوٹھ کی ایک معزز شخصیت ہو۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم ہمارے ہاریوں کے ساتھ اس طرح کی ساز باز کرو۔''

زمیندار دریا خان نے اس کی طرف تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کھرکھراتے لہجے میں شکوہ کیا۔

جواباً خدا بخش نے پیشانی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے متحمل لہجے میں کہا۔ ''میں نے ساز باز نہیں کی ہے۔''

''تو پھر یہ چوری چھپے نکاح پڑھوانے کا کیا مطلب ہے یہ تو اخلاقاً اور قانوناً جرم ہے۔''

''بعض حالات میں جب شر یا فساد پھیلنے کا خدشہ ہو تو یہ جائز ہے۔'' خدا بخش نے مطمئن لہجے میں کہا۔ دریا خان کے چہرے سے صاف لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے اندر کے ابال پہ بمشکل قابو پائے ہوئے تھا جس کی غمازی اس کے چہرے کے بگڑے ہوئے تاثرات سے بہ خوبی ہو رہی تھی۔

''میں فضول تکرار کا عادی نہیں ہوں مولوی ۔۔۔!'' اس بار زمیندار دریا خان کے لہجے میں تضحیک آمیز نخوت عیاں تھی۔

''اب آگے وہی کرنا ہے جو ہم کہیں گے۔''

''تمہیں شاید علم نہیں کہ ہاری حسین بخش کی بیٹی نوراں کی بات پھکو موالی نامی ایک شخص کے ساتھ چل رہی تھی ۔۔۔ مگر احمد بخش نے اپنے بھائی مٹھل کے دباؤ میں آ کر اپنی بیٹی نوراں کا نکاح اپنے بھائی مٹھل کے بیٹے محمد وسان سے کر ڈالا جو

Marfat.com

سراسر ایک دھوکا ہے لہذا اب تمہارے پاس دو ہی صورتیں ہیں یا اس نکاح کو فوراً منسوخ کر دو یا پھر صاف مکر جاؤ۔"

اپنا خود ساختہ فیصلہ مولوی خدا بخش کے سر پر مسلط کر کے اسے بولنے کا موقع دیے بغیر۔۔۔زمیندار دریا خان فوراً ہی اپنے سامنے ڈرے سہمے کھڑے دل مراد اور سائیں داد سے گونجیلی اور کرخت آواز میں بولا۔

"اور۔۔۔تم دونوں کے لیے بھی یہی حکم ہے۔سن رہے ہو تم دونوں بھی میری بات۔۔۔"

زمیندار دریا خان کے گرجدار لہجے میں موجود خوف کو محسوس کر کے دل مراد اور سائیں داد فوراً اپنے ہاتھ جوڑ کر لجاجت سے بولے۔

"حاضر سائیں وڈا۔۔۔!برابر سائیں وڈا!۔۔۔جیسا آپ کا حکم ہو۔"

مولوی خدا بخش نے ایک ناگوار سی نگاہ ان دونوں پر ڈالی اور پھر زمیندار دریا خان کی طرف دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا اور انتہائی سنجیدگی سے اٹل لہجے میں بولا۔

"معاف کرنا سائیں!۔۔۔میں آپ کی یہ بات نہیں مان سکتا۔۔۔ان دونوں کا نکاح ہو چکا ہے۔اب وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہو چکے ہیں۔"

مولوی خدا بخش کے حتمی لہجے پر زمیندار دریا خان سمیت۔۔۔گہرام منشی موریو خان اسے خشمگیں نظروں سے گھورنے لگے۔

پھر زمیندار دریا خان نے خوں خوار لہجے میں کہا۔

مولوی۔۔۔!تم جا سکتے ہو۔"مولوی خدا بخش خاموشی سے چلا گیا۔

"تم دونوں اپنی بات پر قائم رہنا اور یہ بھول جانا کہ تم اور وہ مولوی خدا بخش یہاں آئے تھے۔

"برابر سائیں۔۔۔برابر۔۔۔"دل مراد اور سائیں داد نے اپنے مخصوص

Marfat.com

جی حضوری والے انداز میں کہا اور پھر جیسے جان بخشی کا پروانہ ملتے ہی چلے گئے۔

''سائیں بھوتاریہ۔۔۔!یہ کیا؟آپ نے اس مولوی کو ایسے ہی آرام سے جانے دے دیا۔''

گہرام نے قدرے حیرت سے پوچھا۔تو زمیندار دریا خان کے بھاری بھرکم اور رعونت بھرے چہرے پر بڑے خوف ناک تاثرات ابھرے پھر۔۔۔اس کی گھنی مونچھوں تلے ہونٹوں پر بڑی سفاک مسکراہٹ رقصاں ہوئی اور وہ سرسراتے لہجے میں بولا۔

''اڑے چھوڑ!تو ان خرانٹ قسم کے مولویوں کو نہیں جانتا۔۔۔میں نے ان کا بندوبست سوچ لیا ہے۔''

''مگر سائیں!اس کا تو بندوبست ہوتا رہے گا۔۔۔اب ان دونوں چھوری اور چھوکرے (نوراں اور محمد وسان) کا بھی کچھ سوچنا چاہیے ہمیں۔۔۔''منشی موریو خان نے جیسے یاد دلوایا۔

''ہاں۔۔۔اڑے گہرام۔''

''حاضر سائیں۔''

''بابا۔۔۔!تم ایسا کرو۔۔۔ہرل نامی کھوجی کے ہاں جاؤ۔۔۔اسے راز داری میں لے کر ذرا دونوں کے''پیرے''تلاش کرنے کا کہو۔پھر نوراں اور وسان کا سراغ ملتے ہی وسان کو موت کے گھاٹ اتار دو اور چھوکری نوراں کو۔۔۔اٹھا کر لے آؤ۔۔۔تمہارا کام ہو گیا۔''زمیندار دریا خان نے سفاک لہجے میں کہا اور پھر تینوں کے ہونٹوں پر سفاک مسکراہٹ ابھر آئی۔

☆.....☆.....☆

حسبِ معمول۔۔۔سرِ شام ہی گوٹھ پر رات کی سیاہ چادر تن گئی تھی۔دور کھیتوں اور بنجر ویرانوں کی طرف سے آوارہ کتوں کے بھونکنے کی آوازیں بھی آنے

Marfat.com

لگی تھیں۔۔۔چاچا فضل اپنی کوٹھری میں ذرا دیر تک خشک تمباکو کی گڑگڑی لگانے کے بعد کھڑی کھاٹ پر سو چکا تھا۔دوسری کوٹھری میں نوراں اس کا شوہر محمد وسان آمنے سامنے رلی بچھی چارپائیوں پر بیٹھے تھے۔درمحمد وسان کے ساتھ اس کی چارپائی پر بیٹھا تھا۔کوٹھری کے اندر ایک سائبان کے نکڑ پر جھولتی لالٹین کی یرقان زدہ روشنی پھیلی ہوئی تھی۔تینوں کے چہرے دم بہ خود خاموشی میں مستغرق تھے۔ان کے گم صم مگر پرسوچ چہروں کے تاثرات سے بہ خوبی اس بات کا اندازہ ہوتا تھا کہ وہ۔۔۔ذرا دیر پہلے ان کے درمیان انتہائی سنجیدہ نوعیت کی گفتگو ہوتی رہی ہے اور اب یہ جیسے۔۔۔آئندہ کے کسی لائحہ عمل کے تانے بانے میں الجھے ہوئے تھے۔ابھی ذرا دیر پہلے ہی محمد وسان۔۔۔اپنے دوست درمحمد کو ساری حقیقت سے تفصیلاً آگاہ کر چکا تھا۔

''سنگت۔۔۔!تم دونوں کو پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔۔۔اللہ بہتری کی کوئی نہ کوئی صورت نکالے گا۔''

بالآخر خاصی دیر بعد جب ان مخدوش حالات سے چھٹکارا کی کوئی راہ بجھائی نہ دی تو۔۔۔درمحمد نے محمد وسان کے کاندھے پر دوستانہ انداز میں اپنا ہاتھ دھرتے ہوئے اس سے ازراہ تشفی کہا۔مگر حقیقت یہ تھی کہ خود وہ بھی محمد وسان اور نوراں کی لرزہ خیز داستان سے پریشان تھا اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ وہ آخر کس طرح ان بے چاروں کی دادرسی کرنے کی کوششیں کر سکتا ہے؟''

''یار درمحمد !اللہ ہی کے آسرے پر تو اب تک میں اور نوراں زندہ ہیں۔''بالآخر وسان نے کہا۔

''مگر مجھے خود سے زیادہ۔۔۔بابا لوگوں کی فکر ستا رہی ہے۔کمینہ منشی موریو اور زمیندار دریا خان اور گہرام نے ان بے چاروں کا ناک میں دم کر دیا ہوگا۔''

''اڑے سنگت!بابا اور چاچا والوں کو بس تیرے ساتھ ہی وہ گوٹھ چھوڑ دینا چاہیے تھا۔۔۔ویسے ہے تو یہ بھی فکر کی بات۔۔۔منشی اور گہرام ان بے چاروں کو خوب

Marfat.com

ستار ہے ہوں گے۔"

درمحمد نے تاسف سے کہا تو محمد وسان اور بھی بے چین اور متفکر ہو گیا اور یکدم فیصلہ کن لہجے میں بولا۔

"یار درمحمد!۔۔۔میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔۔۔صبح سویرے جا کر بابا اور چاچا کو میں ادھر ہی لے آؤں گا۔"

"نہیں۔۔تو اب وہاں مت جانا۔۔۔وسان!" درمحمد نے نفی میں سر ہلا کر بولا۔

"میں اپنے بابا کے ساتھ جاؤں گا۔۔۔۔اور۔۔۔"

"نہیں چاچا فضل کو ادھر ہی رہنا چاہئے۔۔۔ہم دونوں چلیں گے۔" محمد وسان اس کی بات کاٹ کر اٹل لہجے میں بولا۔

نوراں اپنے شوہر کے فیصلے پر اندر سے پریشان ہو گئی۔مگر بولی کچھ بھی نہیں تھی۔

☆.....☆.....☆

اگلی صبح سویرے ہی درمحمد اور وسان نکل پڑے درمحمد نے اپنے باپ فضل کو گھر میں ہی نوراں کے پاس رہنے کی تلقین کی تھی۔ اس لیے فضل گھر پر ہی موجود تھا اور نوراں گھر کے کام کاج میں مصروف ہو گئی۔مگر وہ اندر سے جانے کیوں متوحش سی تھی ایک انجانا سا خوف اس کے دل میں گھر کیے ہوئے تھا۔جیسے اب تب میں کوئی قیامت ٹوٹنے والی ہو۔۔۔کہتے ہیں بعض انسانوں کی چھٹی حس بہت طاقت ور ہوتی ہے۔نوراں بھی شاید ایسی ہی عورتوں میں سے تھی۔وہ صحن کے ایک کونے میں رات کے بکھرے پڑے برتن مانجھ رہی تھی کہ اچانک دروازے کو باہر سے کسی نے زور زور سے دھڑ دھڑایا۔چاچا فضل اس وقت حسب معمول کچے صحن کے وسط میں بچھی چارپائی پر بیٹھا گڑ گڑئی جمانے میں مصروف تھا،وہ وہیں چارپائی پر مست الست بیٹھا

Marfat.com

زور سے کر کرایا۔

''کون ہے بابا۔۔۔! کیا دروازہ توڑو گے۔۔۔آ رہا ہوں۔''

یہ بڑبڑاتا ہوا وہ چارپائی سے اٹھا۔کونے میں برتن دھوتی ہوئی نوراں متوحش سی دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ادھر فضل نے جیسے ہی دروازہ کھولا۔نوراں کے حلق سے بے اختیار ہذیانی چیخ ابل پڑی۔کیونکہ بابا فضل کو زور سے دھکا دیتے ہوئے چار پانچ ڈھاٹا پوش اندر داخل ہوئے تھے۔نوراں۔۔۔کوٹھری کی طرف بھاگی ،مگر دو ڈھاٹا پوشوں نے اسے راستے میں ہی دبوچ لیا اور ایک نے سختی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔بابا فضل نے جو دیکھا تو وہ اپنی تکلیف بھلا کر ۔۔۔ان پر جھپٹا۔۔۔اس کے بوڑھے وجود میں اچانک ہی عجیب سی طاقت عود کر آئی تھی۔نوراں اس وقت اسے اپنی بیٹی کے روپ میں نظر آ رہی تھی۔اس نے جھپٹ کر ایک کے ڈھاٹے پر ہاتھ مارا تو وہ کھل گیا۔اور نوراں گہرام کو پہچان کر لرز اٹھی۔

''چھوڑ دے میری دھی (بیٹی) کو۔۔۔ورنہ پورے گوٹھ کو اکٹھا کر لوں گا۔''

''تو زندہ رہے گا تو گوٹھ والوں کو اکٹھا کرے گا نہ بڈھے۔۔۔''

گہرام نے دانت پیس کر کہا اور پھر اپنے نیفے سے خم دار گیراری والا چاقو نکال کر بابا فضل کے پیٹ میں گھونپ دیا۔خون کا ایک فوارہ بابا فضل کے پیٹ سے چھوٹا اور پلک جھپکتے ہی کچے صحن میں گر کر ٹھنڈا ہو گیا۔نوراں کی چیخ سینے میں ہی گھٹ کر رہ گئی اس کی آنکھیں دہشت سے پھٹ گئی تھیں۔پھر بابا فضل کو خون میں لت پت دیکھ کر وہ گہرام اور اس کے ساتھی ڈھاٹا پوش کے ہاتھوں میں جھول گئی۔

ذرا ہی دیر بعد گہرام اور اس کے ساتھی بے ہوش نوراں کو باہر کھڑی جیپ میں ڈالے آناً فاناً وہاں سے رفو چکر ہو گئے۔

☆.....☆.....☆

محمد وسان اور در محمد کسی طرح چھپتے چھپاتے صبح اپنے مطلوبہ گوٹھ جا پہنچے بوڑھا

Marfat.com

مٹھل اپنے بیٹے محمد وسان کو دیکھ کر بھونچکارہ گیا۔اس کا بھائی احمد بخش بھی آج کل اپنی بیوی عجیباں کے ساتھ وہیں رہائش پذیر تھا۔دونوں اس وقت کہیں جانے کی تیاری کر رہے تھے۔

''اڑے چھوکرا!تو یہاں آ گیا۔''مٹھل نے خوف زدہ لہجے میں اپنے بیٹے وسان سے کہا۔

''اڑے بابا۔۔۔!نوراں کدھر ہے۔۔۔وہ ٹھیک ہے نا؟''

اس کے سسر احمد بخش نے پریشان ہو کر پوچھا۔تو در محمد دونوں سے تسلی آمیز لہجے میں بولا۔

''چاچا۔۔۔تم لوگ فکر نہ کرو بھاجائی نوراں ۔۔۔بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔''

''بابا۔۔۔!تم لوگ کیسے ہو۔۔۔اس کمینے گہرام اور منشی موریو خان نے تم لوگوں کو تنگ تو نہیں کیا؟''محمد وسان نے تفکر بھرے لہجے میں پوچھا۔

اثنائے راہ اس کی ماں حیاتاں اور ساس چاچی عجیباں بھی رسوئی سے نکل آئیں۔

''پٹ وسان!تو ہماری فکر نہ کر۔۔۔ہم بالکل ٹھیک ہیں۔۔۔پر تو بتا حاجی پیارو خان کے پاس گیا تھا یا نہیں۔۔۔؟''

''نہیں بابا۔۔۔!میں اپنے دوست در محمد کے ہاں ٹھہرا ہوں اور نوراں بھی بالکل خیریت سے ہے وہاں۔۔۔''

''اڑے بابا یہ کیا پھیر کر دیا۔۔۔؟وہ تو دونوں کو بھوکے کتوں کی طرح ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔۔۔''مٹھل یک دم پریشان ہو کر بولا۔

''بابا۔۔۔!آخر ہم کب تک ان بھوکے کتوں سے ڈرتے رہیں گے؟''وسان نے تلخ لہجے میں کہا۔

Marfat.com

''اڑے بھا۔۔۔احمد بخش۔۔۔تو ہی اس چھوکرے کو سمجھا۔۔۔کہ یہ یہاں سے چلا جائے۔'' بوڑھا مٹھل قریب کھڑے اپنے بھائی سے بولا۔وہ بھی متفکر اور پریشان نظر آ رہا تھا۔۔۔۔وسان کو سمجھاتے ہوئے بولا۔

''پٹ! تو ابھی ان باتوں کو نہیں سمجھے گا۔۔۔ابھی تو جوان ہے۔۔۔جب تو بھی بچوں والا ہو جائے گا ناں۔۔۔۔پھر تجھے معلوم ہو گا کہ ان کتوں سے ہم کیوں ڈرتے ہیں۔۔۔۔دیکھ ہماری بات مان لے۔۔۔میں تیرا چا چا ہوں سہرا (سسر) بھی۔۔۔تو چلا جا یہاں سے۔۔۔۔''

اس دوران وسان کی ماں حیاتاں اور چاچی ساس بھی روتی ہوئی اس کی منت کرنے لگیں۔

''پٹ وسان! تو چلا جا۔۔۔ہم تجھے اور دھی نوراں کو مصیبت میں نہیں دیکھ سکتے۔''

''مگر۔۔۔تم لوگوں کو میں ان کتوں کے رحم وکرم پر کیسے چھوڑ دوں۔۔۔میری غیرت یہ گوارہ نہیں کرتی۔''

وسان جھنجھلاہٹ آمیز پریشانی سے بولا تو اس کا باپ مٹھل دوبارہ ملتجی لہجے میں بولا۔

''ارے بابا! ہم بڈھوں کو کوئی کیا کہے گا۔تم زندہ ہو تو ہم بھی زندہ ہیں۔جا چلا جا۔۔۔ہمیں ادھر ہی پڑا رہنے دے۔حالات ٹھیک ہو جائیں گے تو ہم بھی تمہارے پاس آ جائیں گے۔۔۔تم اپنا ٹھکانہ تو بنالو۔''

باپ کی بات سن کر محمد وسان تذبذب کا شکار ہو گیا۔پھر اس کے دوست درمحمد نے بھی وسان کے کاندھے پر ہاتھ دھرتے ہوئے دوستانہ لہجے میں کہا۔

''چلو منگت (دوست)۔۔۔۔!یہ لوگ صحیح کہہ رہے ہیں۔آؤ۔۔۔کہیں ہماری وجہ سے یہ غریب بھی مصیبت میں نہ پڑ جائیں۔''

Marfat.com

وسان نے ایک دکھ بھری نگاہ اپنے گھر والوں پر ڈالی اور پھر خاموشی سے واپس لوٹ آیا۔ ہاری مٹھل اور احمد بخش نے وسان کو زمیندار دریا خان کے ہاں اپنی طلبی اور گہرام وغیرہ کی دھمکیوں کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔

درمحمد وسان کے ساتھ دوبارہ اپنے گوٹھ کی طرف چل دیا۔

جب یہ لوگ گھر پہنچے تو اچانک انہوں نے دیکھا کہ ان کے گھر کے رستے میں لوگوں کا ہجوم تھا۔ دونوں پریشان ہو گئے۔ پھر دونوں ہی ہجوم کو چیرتے ہوئے اپنے گھر میں داخل ہوئے تو دھک سے رہ گئے۔ درمحمد کیا دیکھتا ہے کہ صحن میں بچھی چارپائی پر اس کے باپ فضل کی خون آلود لاش پڑی ہوئی تھی۔ جس پر چادر ڈھانپ دی گئی تھی۔

''بابا۔۔۔!'' درمحمد دکھ بھری چیخ مار کر باپ کی لاش سے لپٹ گیا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔

وسان کی پرتشویش نظریں نوراں کو تلاش کرنے لگیں۔ مگر وہ اسے نہ ملی۔ تب کسی نے بتایا کہ'' کچھ ڈھاٹا پوش افراد ایک بے ہوش جوان عورت کو جیپ میں ڈالے لے گئے ہیں۔ پھر جب گوٹھ کے چند لوگ اس کے گھر میں داخل ہوئے تو انہیں۔۔۔ چاچا فضل کی صحن میں پڑی خون آلود لاش نظر آئی۔''

یہ سن کر۔۔۔ وسان ہکا بکا رہ گیا۔ پھر دوسرے ہی لمحے اس کی آنکھوں سے چنگاڑیاں پھوٹنے لگیں اور اس کی شعلہ فشاں نظروں کے سامنے گہرام کا مکروہ چہرہ رقصاں ہو گیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ حرکت گہرام کے سوا اور کسی کی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس نے باپ کی لاش پر جھکے روتے ہوئے درمحمد کے کاندھے پر اپنا ہاتھ رکھا اور جوش غیظ سے بولا۔

''درمحمد۔۔۔! میں جانتا ہوں یہ حرکت کس نے کی ہے۔۔۔ وہ اب میرے ہاتھوں سے زندہ نہیں بچ سکے گا۔''

Marfat.com

یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف بڑھنے لگا تو در محمد نے جلدی سے کھڑے ہو کر اسے بھرائی ہوئی آواز میں پکارا۔

''وسان ۔۔۔!رک جاؤ۔''وسان کے قدم جیسے زمین نے پکڑ لیے۔۔۔وہ قدرے چونک کر اس کی طرف گھوما۔

''سنگت۔۔۔! تیرے سینے میں جو آگ ہے۔۔۔وہی جوالہ مکھی میرے اندر بھی دہک رہا ہے۔ابھی ٹھہرو۔۔۔ہمیں جوش کی بجائے ہوش سے کام لینا ہوگا آؤ ۔۔۔کیا میرے بابا کو کاندھا بھی نہیں دو گے۔'' در محمد کی آواز شدید غم سے رندھ گئی۔

وسان نے ایک گہری سانس لی۔اس کے بعد چاچا فضل کی لاش کی تجہیز و تدفین کی گئی۔اسے گوٹھ کے قریب ہی بیوی کے ساتھ دفنایا گیا تھا۔تعزیت کے لیے آئے ہوئے لوگوں میں سے چند معتبر بوڑھوں نے ۔۔۔محمد وسان اور در محمد کو متعلقہ تھانے میں فوراً نامعلوم قاتلوں اور اغوا کنندگان کے خلاف رپورٹ کروانے کا مشورہ دیا۔چنانچہ قانونی کارروائی پہلے کرنی پڑی۔اس لیے وہ دونوں مذکورہ چند معتبر لوگوں کے ساتھ متعلقہ تھانے گئے۔یہ تھانہ۔۔۔محمد وسان اور در محمد کے گوٹھ کے وسط میں واقع تھا۔اس تھانے میں ان دونوں گوٹھوں کے علاوہ چند دیگر گوٹھوں کی بھی حدود ملتی تھی۔گویا۔۔۔تھانہ چوحدہ میں واقع تھا۔

ایس ایچ او انسپکٹر خالق داد اس وقت وہیں موجود تھا۔وہ ایک گٹھے ہوئے جسم کا پستہ قامت اور توندیل شخص تھا۔عمر اس کی چالیس پینتالیس کے قریب تھی۔

''ہاں بابا۔۔۔کیا بات ہے؟'' وہ جھکے دار لہجے میں ان سب کو گھورنے والے انداز میں دیکھتے ہوئے بولا۔

''سائیں۔۔۔!ہمارے گوٹھ دیرو گڑھ میں ایک خون اور اغوا کی واردات ہوگئی ہے۔۔۔۔''ایک ادھیڑ عمر نے بتایا۔

تو تھانے دار خالق داد یک دم گڑبڑا سا گیا پھر سیدھے ہو کر بیزاری سے بولا

Marfat.com

''ارے بابا تو پہلے باہر جا کر ہیڈ محرر کے پاس بیان قلم بند کرواؤ۔۔۔ایف سی کٹواؤ۔۔۔پھر اس کے بعد۔۔۔''

''سائیں یہ ہم سب کر چکے ہیں۔۔۔اور ایف سی کی بجائے ہم ایف آئی آر کٹوانا چاہتے ہیں۔'' محمد وسان تھانے دار خالق داد کے بے اعتنا لہجے پر چڑ کر بولا۔

''ارے چھوکرا۔۔۔!تو کون ہے اور تیرا مقتول اور مغوی سے کیا تعلق ہے؟'' تھانے دار خالق داد خشم ناک نظروں سے اسے گھورتے ہوئے بولا۔

''سائیں ۔۔۔۔!وہ مغویہ میری بیوی تھی۔نوراں نام ہے اس کا۔۔۔اور۔۔۔جو قتل ہوا ہے۔۔۔وہ میرے دوست در محمد کا باپ تھا۔'' محمد وسان نے اپنے ساتھ کھڑے در محمد کے کاندھے پر اپنا ہاتھ دھرتے ہوئے جواباً کہا۔

اثنائے راہ۔۔۔ہیڈ محرر محمد بچل بھی اندر آ گیا۔پھر اس نے کیس کی ساری تفصیل اور وسان اور در محمد کے بارے میں تھانے دار کو بتایا تو تھانے دار خالق داد اس سے بولا۔

''ہاؤ بابا ٹھیک ہے پھر۔۔۔۔ایف آئی آر کٹوا دو۔۔۔اور اگر یہ لوگ مجرموں کا بتا رہے ہیں تو ہو درج کر کے فوراً اے ایس آئی لعل محمد کو اٹالی (پولیس پارٹی) سمیت بھیج کر گرفتار کر کے یہاں لے آؤ۔''

''سائیں۔۔۔!وہ تو ٹھیک ہے پر۔۔۔'' محرر محمد بچل کچھ کہتے کہتے رکا پھر وہاں موجود دو سپاہیوں سے بولا۔

''ان سب کو ذرا باہر برآمدے میں بٹھاؤ۔''

محمد وسان کو ایس ایچ او خالق داد کی یہ بات ناگوار لگی تھی۔۔۔مگر وہ خاموش رہا۔۔۔اس کے بعد وہ سب ہیڈ محرر محمد بچل کے ساتھ باہر برآمدے میں آ گئے وہاں دیوار سے دو لکڑی کی بینچیں اور ایک چوکور سیمنٹ کے ستون کے قریب میز کرسی دھری پڑی تھی۔ہیڈ محرر کرسی پر براجمان ہو کر رجسٹر کھولنے لگا۔۔۔یہ لوگ سب

Marfat.com

بینچوں پر بیٹھ گئے۔

''ہاں۔۔۔بابا۔۔۔۔!مجرموں کے نام بتاؤ۔'' ہیڈمحرر نے اپنے کان میں سے اٹکا ہوا بال پوائنٹ پکڑ کر رجسٹر کھولتے ہوئے پوچھا۔تو محمد وسان نے مجرموں کے نام بتاتے ہوئے کہا۔

''لکھو سائیں !ایک تو گہرام اور دوسرا زمیندار دریا خان کا منشی موریو خان اور باقی اس کے ساتھی۔''

''ایں۔۔۔ہیڈمحرر نے چونک کر سر اٹھایا اور محمد وسان کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''کیا تم نے ان کو یہ واردات کرتے ہوئے دیکھا تھا؟'' اس کے عجیب و غریب سوال پر محمد وسان ذرا ہکا بکا سارہ گیا مگر اس کے برابر میں بیٹھے اس کے دوست درمحمد نے ہیڈمحرر سے قدرے طنزیہ انداز میں کہا۔

''سائیں مجرموں کو واردات کرتے ہوئے ہم کیسے دیکھ سکتے ہیں۔۔۔پولیس بھی تو واردات کے بعد ہی جائے وقوعہ پر پہنچتی ہے۔''

اس کی بات پر ہیڈمحرر محمد بچل نے خشمگیں نظروں سے درمحمد کو گھورتے ہوئے کہا۔

''یہ کیا بکواس ہے چھوکرا!جانتا نہیں تو اس وقت کہاں بیٹھا ہے؟''

''اڑے سائیں بچلی صائب !اس میں اتنی گرمی کھانے کی کیا ضرورت ہے۔'' ایک معتبر شخص صاحب ڈنو نے ہیڈمحرر سے کہا۔

''جب۔۔۔۔یہ دونوں چھوکرے۔۔۔ان مجرموں کے بارے بتا رہے ہیں تو آپ پھر لکھو نا ان کے نام تا کہ انہیں فوراً گرفتار کیا جا سکے۔''

''اڑے بابا۔۔۔میں منشی موریو خان اور گہرام کے نام کسی چشم دید گواہ یا ثبوت کے بغیر کیسے لکھ سکتا ہوں۔۔۔۔کیا مجھ سے زیادہ تم قانون پڑھے ہوئے

Marfat.com

ہو۔'' ہیڈ محرر نے اسے گھورا۔

''سائیں ۔۔۔!بات قانون پڑھنے یا پڑھوانے کی نہیں ہے ۔'' ایک دوسرے معتبر شخص نے اسے قدرے تلخ لہجے میں کہا۔

''ہم آپ کو ۔۔۔مجرموں کا نام بتا رہے ہیں ۔۔۔آپ یہ نام درج کرو۔۔۔تا کہ ان مجرموں کے خلاف کارروائی آگے بڑھ سکے۔''

''میں یہ نام درج نہیں کر سکتا۔'' بالآخر ہیڈ محرر نے قلم رکھ دیا۔

''کیوں سائیں؟ یہ لوگ وڈیرے کے آدمی ہیں اس لیے۔''

پختہ العمر صاحب ڈنو نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔ ''اگر آپ یہ نام درج نہیں کر سکتے تو ٹھیک ہے۔۔۔۔'' وہ اٹھ کھڑ ہوا۔

''ہم شہر کی عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گئے ۔۔۔چلو بھئی ۔۔۔تم سب نے سن لی ناں۔۔۔۔اپنے منشی صاحب کی بات۔۔۔''

اس پر ہیڈ محرر ذرا متذبذب سا ہو گیا۔ پھر بولا۔

''اچھا۔۔۔اچھا۔۔۔بیٹھو۔۔۔میں ذرا صاحب سے مل کر آتا ہوں۔''

وہ یہ کہہ کر کرسی سے اٹھا اور انسپکٹر خالق داد صاحب کے کمرے کی طرف چل دیا۔ وہ سب ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ پھر ان سب کی نظریں۔۔۔۔انسپکٹر خالق داد کے کمرے کے دروازے پر جھولتی ہوئی چق پر جم سی گئیں۔ ذرا دیر بعد ہی ہیڈ محرر دوبارہ نمودار ہوا اور پھر محمد وسان اور در محمد کی طرف دیکھ کر بولا۔

''تم دونوں کو صاحب نے بلوایا ہے۔''

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر صاحب ڈنو نے اثبات میں دھیرے سے سر ہلایا تو دونوں اس کا اشارہ سمجھ کر انسپکٹر کے کمرے کی طرف چل دیے۔

''بیٹھو بابا۔۔۔''

ان کے اندر داخل ہوتے ہی انسپکٹر خالق داد نے گھمبیر لہجے میں کہا۔

Marfat.com

دونوں اس کے سامنے دھری کرسیوں پر براجمان ہو گئے۔انسپکٹر خالق داد چند منٹ ان کے چہروں کو گھورتا رہا پھر ہولے سے کھنکار کر کھردرے لہجے میں بولا۔

''دیکھو بابا۔۔۔!چونکہ ابھی مجرموں کا صحیح پتہ نہیں لگا ہے۔میرا مشورہ یہی ہے کہ بلاوجہ زمیندار دریا خان کے آدمیوں سے الجھنے کی بجائے۔۔۔فی الحال صرف نامعلوم مجرموں کے خلاف رپورٹ درج کروا دو۔۔۔تم بے فکر رہو۔۔۔اگر مجرم زمیندار دریا خان کے ہی ہیں تو میں انہیں ضرور گرفتار کروں گا۔''

اس کی بات سن کر۔۔۔محمد وسان اور در محمد کو اپنی کنپٹیوں پر حیرت انگیز سائیں سائیں سی ہوتی محسوس ہوئی۔انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر در محمد انسپکٹر سے بولا۔

''انسپکٹر صاحب۔۔۔!میرا بابا قتل ہوا ہے۔۔۔اور میرے دوست مہمان کی بیوی اغوا ہو چکی ہے۔۔۔ہم اپنے دشمنوں کو اچھی طرح جانتے اور پہچانتے ہیں۔۔۔اگر آپ۔۔۔زمیندار دریا خان سے اس قدر خوف زدہ ہیں تو کوئی بات نہیں۔۔۔ہم آپ کو تکلیف نہیں دیتے۔شہر جا کر قانون سے انصاف مانگیں گے۔''

یہ کہہ کر در محمد نے محمد وسان سے کہا۔''چلو سنگت۔۔۔لگتا ہے یہاں کے مجرم پولیس سے زیادہ طاقت رکھتے ہیں۔''

استہزائیہ انداز میں کہے ہوئے اس جملے نے۔۔۔۔۔انسپکٹر خالق داد کو سلگا دیا۔

''ٹھیک ہے پھر۔۔۔جوانی کا جوش ہے ناں۔۔۔اتر جائے گا۔۔۔یہ جوش بھی۔''انسپکٹر خالق داد نے سنسناتے لہجے میں کہا۔

''جاؤ پھر۔۔۔محرر کو نام لکھوا دو ان مجرموں کے۔''

محمد وسان اور در محمد تلخ مسکراہٹ کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ہیڈ محرر بھی غور سے ان کا چہرہ تکنے لگا۔جیسے یہ بھانپنے کی کوشش کر رہا ہو کہ آیا اس کے

Marfat.com

''صاحب'' کی بات ان دونوں چھوکروں نے مان لی تھی یا نہیں۔

''منشی صاحب۔۔۔! آپ مجرموں کے نام لکھو۔۔۔منشی۔۔۔موریو خان اور گہرام ولد رکھیو۔'' درمحمد نے سپاٹ لہجے میں ہیڈ محرر سے کہا۔

ہیڈ محرر ایک بار پھر انسپکٹر کے کمرے کی طرف دوڑ گیا۔

درمحمد نے صاحب ڈنو اور دیگر ہمدردوں کو بتایا کہ اس بدنیت انسپکٹر کی کیا مرضی ہے۔

ذرا دیر بعد ہیڈ محرر دوبارہ آ گیا اور ان دونوں کی طرف گھورتے ہوئے کرسی پر بیٹھ گیا۔

مجرموں کے مذکورہ نام لکھے اس کے بعد سب کو چلتا کر دیا۔ محمد وسان اور درمحمد دوسری پریشانی میں گھر گئے تھے۔ پولیس کی کارکردگی سے جو بالکل ہی مایوس کن تھی۔ تعزیت کرنے والے لوگ رفتہ رفتہ لوٹ رہے تھے۔ فقط صاحب ڈنو اور دیگر قریبی ہمدرد وہیں بیٹھے رہے تھے۔ انہیں بھی انسپکٹر خالق داد سے مجرموں کے خلاف کسی قسم کی خاطر خواہ کارروائی کی امید تو نہیں تھی۔

''دیکھتے ہیں۔۔۔پولیس کیا کرتی ہے۔ ورنہ۔۔۔۔یا تو شہر جانا ہو گا۔۔۔یا پھر۔۔۔وڈے سائیں بھوتار سردار۔۔۔حاجی پیارو خان کے ہاں فریاد کریں گے۔'' صاحب ڈنو نے مشورہ دیا۔

محمد وسان اور درمحمد کے چہرے غم و غصے سے سرخ ہو رہے تھے۔

''میرا خیال ہے۔۔۔مغرب کے بعد ہمیں دوبارہ تھانے جا کر حالات کا جائزہ لینا چاہیے۔''

ایک دوسرے ہمدرد نے رائے دی اس کا نام دودا تھا اور وہ صاحب ڈنو کا ہم عمر تھا۔۔۔سب نے اس کی بات پر اتفاق کرتے ہوئے سر ہلا دیے۔

مغرب کی نماز قریبی مسجد میں باجماعت پڑھنے کے بعد۔۔۔یہ لوگ

Marfat.com

تھانے پہنچے تو وہاں سناٹے کا راج تھا۔

حوالات میں چند قیدی سیلن زدہ اور اکھڑے ہوئے پلستر کے ننگے فرش پر پڑے خراٹے لے رہے تھے۔

دو سپاہی۔۔۔ایک بنچ پر اونگھتے ہوئے نظر آئے۔انہیں جگا کر پوچھا گیا تو وہ بولے۔

''ابھی تک کسی کی گرفتاری عمل میں نہیں آئی۔کیوں کہ۔۔۔۔انسپکٹر صاحب کو اچانک آپریشن کے سلسلے میں بھاری جمعیت کے ساتھ جانا پڑ گیا تھا۔''

ان لوگوں کو غصہ تو بہت آیا۔مگر مجبور تھے۔کچھ بولتے تو الٹی آنتیں گلے پڑنے کا ڈر تھا۔چنانچہ وہ لوگ واپس گھروں کو لوٹ آئے۔

درمحمد اور محمد وسان بھی گھر آ گئے۔

پورا گھر بھائیں۔۔۔بھائیں کرتا محسوس ہو رہا تھا۔محمد وسان کی دلی کیفیت زیادہ ابتر تھی اسے کسی پل چین نہیں مل رہا تھا۔اس کے دماغ میں آندھیاں چل رہی تھیں۔پولیس کی چشم پوشی اور بے اعتنائی نے اسے مایوس کر دیا تھا۔اس کی جلتی سلگتی آنکھوں کے سامنے بار بار اپنی معصوم اور نو بیاہتا بیوی نوراں کا چہرہ گردش کر رہا تھا۔جو بار بار اپنی مٹھیاں کھول بھینچ رہا تھا۔۔۔

جانے نوراں بے چاری کس حال میں ہو گی؟ جیسے جیسے سمے بیتا جا رہا تھا وسان کے دل و دماغ میں بھیانک اندیشوں اور وسوسوں کے سانپ اسے متواتر ڈسے جا رہے تھے۔پھر جب غصے اور انتقام کی آگ ناقابل برداشت ہو گئی تو۔۔۔محمد وسان یک دم اٹھ کھڑا ہوا اور جوش و غیظ سے مغلوب ہو کر کپکپاتے لہجے میں کہا۔

''درمحمد۔۔۔۔!ہمیں انصاف خود ہی لینا ہو گا۔''

درمحمد کی کیفیت بھی اس سے مختلف نہ تھی۔آخر کو ظالموں نے اس کے بے گناہ باپ کو بے دردی سے قتل کر ڈالا تھا۔

Marfat.com

''پولیس الٹا ظالموں کو تحفظ ہی دے گی۔مظلوموں کو انصاف نہیں۔'' محمد وسان دل کی بھڑاس لفظوں کی صورت میں نکال رہا تھا۔

''ٹھیک ہے سنگت ۔۔۔!میں تمہارے ساتھ ہوں ۔۔۔دشمنوں نے میرے باپ کو قتل اور میری بھاجائی (بھابھی) نوراں کو میرے گھر سے اٹھا کر اچھا نہیں کیا۔جب تک بھاجائی کو چھڑا نہ لیں مجھ پر چین وسکون حرام ہے۔''

بالآخر محمد نے بھی اس کے ساتھ ہم آواز ہو کر کہا اور اس کے بعد دونوں دوست سر بہ سر انتقام بنے ہوئے اپنی کلاشنکوفیں سنبھالے رات کی تاریکی میں نکل پڑے۔

☆.....☆.....☆

نوراں خوف اور صدمے کے باعث بے ہوش ہو چکی تھی۔اس کی جب دوبارہ آنکھ کھلی تو خود کو ایک پرانے گودام نما کمرے میں پایا۔جہاں اناج کی بوریوں کے علاوہ چند زنگ آلود زرعی آلات بکھرے ہوئے تھے۔نوراں ایک جھلنگا سی کھری چارپائی پر پڑی ہوئی تھی۔وہ جلدی سے خوف زدہ ہو کر اٹھ بیٹھی۔اس کے دماغ میں ژولیدہ خیالات کی یلغار ہونے لگی اسے دھیرے دھیرے سب یاد آنے لگا کہ گہرام اور اس کے ساتھی چاچا فضل کو بے دردی سے قتل کرنے کے بعد اسے اغواء کر کے لے آئے تھے۔

اس کا متوحش دل بری طرح دھڑکنے لگا۔اس نے اپنے شوہر محمد وسان کے بارے میں سوچا کہ اس کی غم و غصے کے مارے کیا حالت ہو رہی ہوگی۔اس نے متوحش نگاہوں سے کمرے کا جائزہ لیا۔جہاں صرف بلندی پر ایک روشن دان تھا۔وہاں سے سورج کی کرنیں اندر آ رہی تھیں۔دروازہ بند تھا۔اس نے اٹھ کر اسے کھولنے کی کوشش کی وہ باہر سے بند کر دیا گیا تھا۔اگلے ہی لمحے دروازے کی دوسری طرف چند قدموں کی آہٹ ابھری۔نوراں یک دم ۔۔۔دہشت زدہ ہو کر چند قدم پیچھے ہٹ گئی اور

Marfat.com

یوں متوحش نگاہوں سے بند دروازے کو دیکھنے لگی جیسے ابھی کوئی خوف ناک عفریت دروازہ توڑ کے نمودار ہو جائے گا اور پھر وہی ہوا، وہ عفریت دروازہ کھول کر اپنے چند مسلح ساتھیوں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ یہ گہرام تھا۔۔۔۔ جواب نوراں کو خونخوار نظروں سے گھورے جا رہا تھا۔ بے چاری نوراں اسے دیکھ کر پہلے تو خوف زدہ ہو گئی مگر۔۔۔۔ دوسرے ہی لمحے وہ ہاتھ جوڑ کر لرزیدہ آواز میں اس کی منت کرتے ہوئے گڑگڑائی۔

"تجھے اللہ سائیں کا واسطہ۔۔۔ مم۔۔۔ مجھے چھوڑ دو۔۔۔ مجھ غریب پر یہ ظلم نہ کر۔"

گہرام اس کی داد فریاد پر خبیثانہ مسکراہٹ سے اس کے چہرے کی طرف گھورتے ہوئے بولا۔

"ہماری بات مان لے۔ تجھے چھوڑ دیا جائے گا۔۔۔۔ تجھے میرے بھائی پھکو موالی سے شادی کرنا ہوگی۔"

اس کی بات پر بے چاری نوراں لرز اٹھی۔ "ی۔۔۔ یہ۔۔۔ کیسے ہو سکتا ہے ۔۔۔ مم۔۔۔ میں تو پہلے سے شادی شدہ ہوں۔"

"وہ شادی نہیں۔۔۔۔ فرار کا بہانہ تھا۔ بس تو پھکو موالی سے شادی پر ہاں کر دے۔ باقی ہم خود سنبھال لیں گے۔"

"نہیں۔۔۔ میں ایسا ہرگز نہیں کروں گی۔" نوراں نے کپکپاتے ہوئے کہا تھا کہ گہرام کی آنکھوں میں سفاک چمک نمودار ہوئی۔ اور وہ خونخوار لہجے میں بولا۔

"تو اگر ایسا نہیں کرے گی تو۔۔۔ میں تیرے گھر والوں سمیت' تیرے شوہر محمد وسان کو بھی ختم کر ڈالوں گا۔ تو میری طاقت سے واقف نہیں۔"

"ظالم۔۔۔ اللہ سے ڈر۔۔۔ ایک غریب اور بے کس مجبور لڑکی کے ساتھ یہ ظلم مت کر۔۔۔۔ میں تیرے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔۔۔ مجھے جانے

Marfat.com

دے۔"نوراں پھر روتے ہوئے گڑگڑائی۔

"جب تک تو میرے بھائی سے شادی کے لیے ہاں نہیں کرے گی۔۔۔تجھے ادھر ہی مرنا پڑے گا۔"

گہرام یہ کہہ کر واپس چلا گیا اور باہر سے دروازہ بند کرنے کی آواز ابھری۔

نوراں اپنی الم نصیبی پر وہیں کھڑے کھڑے آنسو بہانے لگی۔

☆.....☆.....☆

محمد وسان اور در محمد سراپا آتش غیظ وانتقام بنے۔۔۔۔ دریا خان کی حویلی کی طرف تاریکی میں بڑھتے چلے جا رہے تھے۔کیوں کہ انہیں پورا یقین تھا کہ بد خصلت گہرام۔۔زراں کو اغوا کر کے اپنے گروگھنٹال زمیندار دریا خان کی حویلی کی اوطاق میں لایا ہوگا۔یا پھر کم از کم وہاں۔۔۔کسی حواری کے ذریعے انہیں گہرام کا پتا معلوم ہو جاتا۔وہ دونوں ویران اور تاریکی میں ڈوبے ہوئے کھیتوں کے درمیان زیریں پگڈنڈی پر تیز تیز قدموں سے چلے جا رہے تھے۔

ہر طرف تاریک سناٹے کا راج تھا۔آسمان صاف تھا۔طباق چاند کی روشنی چاروں طرف چٹکی ہوئی تھی۔دور کہیں آوارہ کتوں کے بھونکنے کی آواز ابھرتی اور پھر آسیبی سکوت طاری ہو جاتا۔

دور ہی سے انہیں۔۔۔گارے مٹی والے بے ترتیب گھروں کی قطاریں نظر آنے لگیں۔دونوں نے اپنا رخ بدلا تو سامنے ہی ذرا فاصلے پر انہیں۔۔۔حویلی کا خاکہ دکھائی دیا۔ان کی رفتار تیز ہوگئی وہ۔۔۔ذرا حویلی کے قریب پہنچ کر مٹی کی گنجان جھاڑیوں کی آڑ میں ہو کر بہ غور حویلی کو گھورنے لگے۔

"سنگت۔۔۔!اوطاق کس طرف ہے؟" در محمد نے سرسراتی سرگوشی میں پوچھا۔

"حویلی کی پرلی طرف۔۔۔"محمد وسان نے ہولے سے جواب دیا۔

Marfat.com

''چلو پھر۔۔۔اس طرف۔'' درمحمد نے سرگوشی کرتے ہوئے ایک جانب اشارہ کیا۔

ذرا ہی دیر بعد وہ۔۔۔حویلی کے عقبی احاطے کے بڑے سے چوبی گیٹ کے دم بہ خود ہیولوں کی طرح کھڑے تھے۔حویلی کے گرد۔۔۔چھ فٹ گارے مٹی کی دیوار تھی ۔جس کا رقبہ خاصا وسیع تھا۔اوطاق احاطے کی اندرونی طرف واقع تھا۔دروازہ البتہ بند تھا۔یہاں کوئی پہرے دار یا ذی نفس نظر نہیں آ رہا تھا۔

''سنگت۔۔۔۔!تو مجھے کاندھا دے۔۔۔میں پہلے اندر کودوں گا۔'' درمحمد بولا۔

''نہیں۔۔۔میں تجھے اکیلا اندر نہیں جانے دوں گا۔میں بھی جاؤں گا تیرے ساتھ۔'' محمد وسان نے حتمی لہجے میں کہا۔

''چلو پھر۔۔۔۔دروازہ ٹاپنے کی کوشش کرتے ہیں۔'' درمحمد نے وقت ضائع کرنا مناسب نہ سمجھتے ہوئے رضا مندی سے کہا۔پھر دونوں نے اپنی اپنی کلہاڑیاں پشت پر اٹکائیں اور گیٹ کے چوبی دروازے کے ابھرواں رخنوں سے اوپر چڑھنے لگے۔ذرا ہی دیر بعد وہ اندر کود چکے تھے۔

وہ دونوں پھلواری کی ایک طویل باڑ کے عقب میں چند ثانیے دبک کر سامنے مدھم روشنی میں گھورنے لگے۔یہاں مکمل خاموشی اور سناٹے کا راج تھا۔حویلی کی عقبی بلند دیوار بالکل سپاٹ تھی۔ذرا بلندی پر دریچے بھی بند تھے۔بائیں جانب انہیں اوطاق کا دروازہ نظر آیا۔سامنے سرکنڈوں کا چھپر نما سائبان تھا۔وہ گردوپیش کا جائزہ لیتے ہوئے محتاط روی سے آگے بڑھنے لگے۔دونوں نے اپنی کلہاڑیاں ہاتھوں میں پکڑ رکھی تھیں ۔جوش اور غیظ سے بھرے دل و دماغ کے ساتھ وہ بے دھڑک اوطاق کے بند دروازے کے قریب پہنچے تو انہیں اوطاق کے اندر کسی کے زور زور سے آتے ہوئے خراٹوں کی آوازیں سنائی دیں۔دونوں نے ایک نظر ایک دوسرے کے

Marfat.com

چہرے کی طرف دیکھا پھر نظروں ہی نظروں میں خاموش پیغام کے تبادلے ہوئے اور۔۔۔محمد وسان نے بے آواز آگے بڑھ کر۔۔۔۔اوطاق کے دروازے کو پورا اندر کی طرف دھکیلا۔وہ کھلتا چلا گیا۔اندر ہلکے پاور کا بلب روشن تھا۔دونوں غڑاپ سے اندر آ گئے۔سامنے چارپائی پر انہوں نے کسی کو سوتا پایا۔اس اکیلے سوتے ہوئے شخص کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔محمد وسان نے دانت بھینچتے ہوئے اپنی کلہاڑی کے ٹھوکے سے اس سوتے ہوئے کو جگایا۔تو وہ۔۔۔یک دم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا درمحمد نے فوراً اس کی گردن دبوچ کر اور انگارہ آنکھوں سے اسے گھورا اور بولا۔۔۔۔

''خبردار۔۔۔!کوئی آواز نکلی تو۔۔۔ورنہ کلہاڑیاں مار کر تیرے ٹوٹے کر دیں گے۔'' درمحمد کی دھمکی نے اسے خاموش رہنے کی پر مجبور کر دیا۔

''گہرام کدھر ہے۔'' وسان نے درشتی سے پوچھا۔

''مم۔۔۔میں۔۔۔مجھے نہیں معلوم؟'' وہ ہکلا کر بولا۔

''بتاتا ہے یا اٹھاؤں کلہاڑی۔۔۔'' درمحمد نے اس کی گردن چھوڑ کر دونوں ہاتھوں سے کلہاڑی بلند کر لی۔

''بول۔۔۔ورنہ ابھی تجھے خون میں نہلا دوں گا۔''

اس کی خوف ناک دھمکی کا اس پر خاطر خواہ اثر ہوا اور وہ لکنت زدہ لہجے میں گھگھیایا اور بولا۔

''گہرا۔۔۔گہرام اپنے ہی گھر میں ہوگا۔'' درمحمد نے وسان کی طرف دیکھا وہ اس کی نظروں کا مطلب سمجھ کر بولا۔

''میں نے دیکھا ہے اس کا گھر۔''

پھر زمیندار دریا خان کے حواری سے بولا۔

''تجھے پتا ہوگا۔وہ کمینہ ایک لڑکی کو قریبی گوٹھ سے اٹھا کر لایا ہے۔۔۔اسے کدھر رکھا ہے؟''

Marfat.com

"میں ۔۔۔مجھے بالکل پتا نہیں ۔۔۔گہرام کو ہی پتا ہوگا۔" جیسے اپنی جان چھڑاتے ہوئے بولا۔

"سنگت ۔۔۔!میرا خیال ہے ہمیں اس حرام زادے گہرام کو پکڑنا چاہیے وہی ہمارا اصل دشمن ہے۔"

"ہاں ۔۔۔چلو۔" اس کے بعد حواری کو دھمکا کر دوبارہ چادر اوڑھ کر خاموشی سے سوتے رہنے کی تاکید کرتے ہوئے دونوں یار اوطاق سے باہر نکلے تو۔۔۔باہر سے دروازہ بند کر کے وہ تاریک میں گم ہو گئے۔گہرام کا گھر۔۔۔حویلی سے زیادہ دور نہ تھا۔

☆.....☆.....☆

پختہ اینٹوں والے اس نسبتاً بڑے سے مکان پر تاریکی اور سناٹے کا غلبہ تھا۔ روشن آسمان پر جانے کہاں سے بادلوں کے آوارہ ٹکڑوں نے یلغار کر دی تھی۔اندر کشادہ صحن ویران تھا۔معاً صحن کی دیوار پر ایک ہیولہ نمودار ہوا۔جس کی پشت سے کلہاڑی کا پھل جھانک رہا تھا۔اس ہیولے نے جو تاریکی کا ہی حصہ معلوم ہو رہا تھا۔ بہ غور اندر کا جائزہ لیا۔مختصر سے برآمدے پر بلب روشن تھا۔جس کی کمزور یرقان زدہ سی روشنی میں اس پر اسرار ہیولے نے برآمدے سے نظر آنے والے دو کمروں کے دروازے پر نظر ڈالی۔جو بند تھے۔پھر اس نے اپنے ہاتھ کے سہارے سے ایک دوسرے اپنے جیسے ہی کلہاڑی بردار کو اوپر دیوار پر کھینچا۔

یہ دونوں ۔۔۔محمد وسان اور در محمد تھے جو اس وقت گہرام کے مکان کی دیوار پر موت کے بھیانک سائے کی طرح چپکے ہوئے تھے۔اس کے بعد دونوں اندر کود گئے۔

اندر صحن میں کودتے ہی دونوں چند لمحے اپنی جگہ دم سادے گرد و پیش کی سن گن لیتے رہے۔پھر بیک وقت پھلواری کی اوٹ سے نکل کر ۔۔۔محتاط رو سے

Marfat.com

برآمدے کی طرف بڑھے۔کمروں کے دونوں دروازے بند تھے۔یقیناً ان دونوں میں کوئی نہ کوئی ضرور موجود تھا۔اچانک دونوں برآمدے کی طرف بڑھتے بڑھتے ٹھٹک کر رکے۔دونوں نے اگرچہ اجرک کے چہروں پر ڈھاٹے باندھ رکھے تھے۔مگر انہیں اپنے پہچانے جانے کی کوئی پرواہ نہ تھی۔سامنے والے کمرے کا دروازہ اچانک کھلا تھا۔سامنے ایک پکی عمر کی عورت جماہیاں لیتی ہوئی نمودار ہوئی۔وہ شاید اپنے ہی خیال سے کسی ضرورت کے تحت باہر نکلی تھی۔مگر سامنے ان دونوں کلہاڑی بدست وسان اور درمحمد کو دیکھ کر وہ پہلے تو سناٹے میں آ گئی۔پھر زوردار ہذیانی چیخ مار کر واپس پلٹی اور دروازہ بند کرنے لگی۔وسان اور درمحمد دروازے کو دھکیلتے ہوئے اندر آ گئے۔وہ عورت دہشت زدہ ہو کر چارپائی پر ڈھے گئی (بے ہوش ہوگئی) برابر کی چارپائی پر سویا ہوا ایک شخص عورت کی چیخ سن کر ایک دم ہڑبڑا کر اٹھا تو۔۔۔وسان نے اسے دبوچ لیا یہ گہرام تھا۔

''خبردار کتے!اگر کوئی آواز نکالی تو۔۔۔بول نوراں کدھر ہے۔ورنہ تجھے خون میں نہلا دیں گے۔''

وسان نے زہرناک لہجے میں اسے شعلہ بار نظروں سے گھورتے ہوئے کہا اور گہرام جیسے اپنے مخاطب کو پہچان کر مرعوب ہوئے بغیر بولا۔

''تمہاری جرأت کیسے ہوئی میرے گھر میں داخل ہونے کی۔۔۔میں۔۔۔۔''ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ درمحمد نے اپنی کلہاڑی کا لکڑ اس کی پیشانی پر مارا گہرام کے خلق سے تکلیف کے مارے کراہ آمیز چیخ نکل گئی۔

''کمینے۔۔۔کتے۔۔۔!میرے باپ کا قتل کر کے اکڑ رہا ہے۔بول بھاجائی (بھابھی) نوراں کو تو نے کدھر رکھا ہوا ہے۔ورنہ اس بار کلہاڑی مار کر تیرا سر پھاڑ دوں گا۔''

درمحمد کے وحشت خوں رنگ لہجے نے گہرام پر دہشت طاری کر دی۔اس کی

Marfat.com

پیشانی پھٹ گئی جہاں سے سرخ گاڑھا گاڑھا خون اس کے چہرے سے بہہ کر قمیض کو رنگین کر رہا تھا۔

''وہ۔۔۔مجھے۔۔۔نہیں معلوم۔'' وہ بہ مشکل بولا۔

تو محمد وسان نے اپنی کلہاڑی بلند کر لی۔

''ٹھیک ہے۔۔۔ہم اسے ڈھونڈ ہی لیں گے۔تو اب نہیں بچ سکتا۔''

''ٹھہرو ٹھہرو۔۔۔۔ب۔۔۔بتاتا ہوں۔'' گہرام ایک دم خوف زدہ ہو کر بولا۔

''دیکھ ہمارے سروں پر اس وقت انتقام کی آگ سوار ہے۔۔۔تو نے ہم سے اگر ذرا بھی چالاکی کرنے کی کوشش کی تو۔۔۔۔ہم سے برا کوئی نہ ہوگا۔چل اٹھ۔'' در محمد نے کہا پھر اسے گریبان سے پکڑ کر کھینچا۔

دونوں اسے رگیدتے ہوئے کمرے سے باہر آ گئے۔وسان نے کمرے کے دروازے کو باہر سے کنڈی لگا دی۔ اس کے بعد تینوں صحن کے بیرونی دروازے سے باہر نکلے۔۔۔۔اور اسے بھی باہر سے کنڈی لگا دی۔گہرام کی مضروب پیشانی سے اب خوب بہنا بند ہو گیا تھا۔کیوں کہ اس نے اپنی اجرک زخم پر رکھ دی تھی۔گہرام انہیں ساتھ لیے ہوئے گوٹھ سے کوئی دو کلو میٹر دور تاریک ویرانے میں لے آیا۔سامنے ایک فارم کی سال خوردہ عمارت نظر آ رہی تھی۔ جہاں آس پاس کوئی ذی نفس موجود نہ تھا۔وہ دونوں بد خصلت گہرام کو دھکیلتے ہوئے فارم کے نزدیک پہنچے۔تو اس کے آہنی دروازے پر زنگ آلود بڑا سا تالا لگا ہوا تھا۔

''چابی تو گھر پر ہی رہ گئی ہے۔'' گہرام عیاری سے بولا۔مگر وہ دونوں اس کی چالاکی میں آنے والے کب تھے۔ محمد وسان نے زہر آلود نظروں سے اسے گھورا اور پھر۔۔۔اپنی کلہاڑی کے دو تین وار سے تالا توڑ دیا۔دروازہ کھول کر بے تابی سے اندر داخل ہوا۔سامنے حرماں نصیب نوراں کو مضطرب الحال کھڑے پایا۔اس نے شاید

Marfat.com

باہر ابھرنے والی آہٹیں سن لی تھی۔

''نوراں۔۔۔۔''

''وسان۔۔۔۔''نوراں یہ کہتی ہوئی بے تابانہ خوشی سے اس کی طرف دوڑی۔دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔معاباہر گولیوں کی تڑتڑاہٹ ابھری اور ساتھ ہی کسی کی کرب انگیز چیخ سنائی دی۔وسان چیخ کی یہ آواز فوراً پہچان کر دھک سے رہ گیا۔یہ آواز اس کے دوست درمحمد کی تھی۔نوراں بھی بری طرح دہشت زدہ ہوگئی۔

وسان خطرہ بھانپتے ہی۔۔۔اسے خود سے الگ کر کے دروازے کی طرف مڑا۔۔۔سامنے اپنے دوست درمحمد کو خون کی چھپڑی میں پڑا پایا۔ساتھ ہی اس کی نظر سامنے تین رائفل بردار افراد پر پڑی۔گہرام بھی ان کے ساتھ کھڑا۔۔۔زمین پر پڑی درمحمد کی خون میں لت پت پڑی لاش کو حقارت ونفرت سے دیکھ رہا تھا۔اسے یقیناً اس کے ان تینوں مسلح ساتھیوں نے مار ڈالا تھا۔جو اچانک کہیں سے نمودار ہو گئے تھے۔

وسان بری طرح گھبرا گیا۔مگر اس نے اپنے حواس مختل نہ ہونے دیئے اور یہ چالاکی کی کہ مڑ کر آگے بڑھ کر لودام کا دروازہ بند کر دیا اور اسے اندر سے کنڈی چڑھادی۔نوراں اس کے ساتھ آ لگی۔وسان اسے لے کر دیوار سے چپک گیا۔اس کا دل سائیں سائیں کر کے کنپٹیوں پر دھڑکنے لگا۔وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ شرارت اوطاق میں سوئے ہوئے اس شخص کی تھی جسے یہ دونوں بند کر کے ادھر آ نکلے تھے اور یہ ہو سکتا تھا اس نے چیخ چلا کر دوسرے ساتھیوں کو بلایا تھا اور اس نے ان دونوں کے عزائم سے باخبر کر دیا تھا۔وسان کو اپنے دوست درمحمد کے اس بے دردی سے قتل ہونے پر از حد رنج ہوا تھا۔مگر اب وہ خود بھی بری طرح ان کے جان لیوا حد تک خطرناک حالات کی آغوش میں آ پھنسا تھا۔اس کے ساتھ نوراں بھی تھی۔

''یہ۔۔۔یہ۔۔۔یہ۔۔۔کیا ہو گیا؟''نوراں کپکپاتی آواز میں بولی۔

Marfat.com

''نوراں۔۔۔!ہمت سے کام لو۔۔۔اللہ پر بھروسہ کرو۔'' وسان نے اسے تسلی دی۔معاً باہر سے گہرام کی درشت آواز ابھری۔

''وسان ۔۔۔!دروازہ کھول کر خود کو ہمارے حوالے کر دو ۔۔۔ورنہ تم دونوں کا انجام بھی۔۔۔تمہارے دوست درمحمد جیسا ہوگا۔''

وسان کے اندر آتش فشاں ابلنے لگا۔وہ بھانپ چکا تھا کہ۔۔۔اس کے مسلح ساتھی کسی وقت بھی دروازہ توڑ کر اندر داخل ہو سکتے ہیں۔یوں منہ چھپائے بیٹھے رہنے سے خطرہ مزید گلے پڑ سکتا ہے چنانچہ۔۔۔وسان نے ایک انتہائی خطرناک چال چلنے کا سوچا اور پھر نوراں کو ایک طرف کر کے دروازہ کی طرف اپنا منہ لے جا کر بولا۔

''گہرام! میں دروازہ کھول رہا ہوں۔۔۔مگر ہماری زندگیوں کی کیا ضمانت ہے؟''

یہ اس نے دانستہ کہا تھا۔ورنہ تو وہ سمجھ چکا تھا کہ۔۔۔وہ اس وقت ویسے ہی گہرام اور اس کے تینوں خوانخوار ساتھیوں کے رحم وکرم پر تھا۔

''اس کا فیصلہ بعد میں ہوگا۔۔۔پہلے دروازہ کھولو۔۔۔''

گہرام کی پھنکارتی ہوئی آواز ابھری اور وسان نے بالآخر ۔۔۔اپنے منصوبے کے مطابق دروازے کی کنڈی ہٹا دی۔۔۔دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا۔۔۔طاقت کے رعونت آمیز جوش میں جیسے ہی گہرام کا ایک ساتھی رائفل سنبھالے دروازے پر نمودار ہوا۔وسان نے پھرتی کے ساتھ اس کی رائفل کی نال پر جھپٹا مارا دوسرے ہی لمحے رائفل اس کے ہاتھ میں تھی۔اس نے وہیں رائفل لٹھ کی طرح گھما کر اس کے سر پر ماری۔دشمن کے حلق سے کریہہ چیخ نکلی اور اس کا سر کھل گیا بھل بھل خون اس کے پھٹے ہوئے سر سے بہنے لگا۔باہر موجود اس کے باقی دو مسلح ساتھیوں نے بری طرح ٹھٹک کر فائر کھول دیے۔وسان یک دم دیوار سے چپک گیا مضروب دشمن کٹے ہوئے شہتیر کی طرح زمین بوس ہو چکا تھا۔وہ بے ہوش ہو گیا

Marfat.com

تھا۔وسان نے رائفل پر اپنی گرفت مضبوط کر لی۔ڈری سہمی نوراں کو اس نے دیوار کے سہارے خود سے ذرا دور کھڑا کر دیا تھا۔گولیوں کی خون ناک بوچھاڑ سے دروازہ اکھڑ کر گر چکا تھا اور ننگی چوکھٹ کے دوسری طرف۔۔۔گہرام اور اس کے باقی دونوں ساتھی موت بنے کھڑے تھے۔وسان دیوار سے چپکا کھڑا تھا۔اس کی رگوں میں خون کی گردش مثل لاوے کے سلگ رہی تھی۔

پھر اس کی ٹھٹکی ہوئی سماعت نے سنا۔

''یارو۔۔تو چھت پر جا۔۔۔اور روشن دان سے ان دونوں کا نشانہ لے کر مار ڈال انہیں۔۔۔جا بابا تکڑا (جلدی) یہ گہرام کی آواز تھی۔وسان نے چونک کر روشن دان کی طرف دیکھا۔وہ خاصی بلندی پر بالکل چھت کے ساتھ تھا۔یارو نامی گہرام کا ساتھی وہاں پہنچ کر با آسانی ان دونوں کو وہیں سے ہی گولیوں کا نشانہ بنا سکتا تھا۔

مگر۔۔۔وسان اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔وہ دونوں موت کے سفاک دہانے پر کھڑے تھے۔صرف انہیں جھپٹنے کو بے چین تھے۔اثنائے راہ۔۔۔گہرام کی دوبارہ آواز ابھری وہ اپنے دوسرے ساتھی کو ہدایت دیتے ہوئے بولا۔

''اڑے میرل !اپنی رائفل مجھے دے۔تو اوطاق کی طرف دوڑ جا۔۔۔اور اپنے ساتھیوں کو لے آ۔۔۔بھاگ۔۔۔''

وسان کا دل سائیں۔۔۔۔سائیں کرتی کنپٹیوں پر دھڑکنے لگا۔وہ بے چین ہو گیا گہرام کے ساتھیوں کے یہاں آنے کا مطلب اس کی اور نوراں کی یقینی موت تھا۔جو کچھ کرنا تھا ابھی کرنا تھا۔وسان نے بے موت مرنے کی بجائے جنگ کر کے مرنے کو ترجیح دی اور۔۔۔اور۔۔۔پھر اس نے ایک خطرناک فیصلہ کیا۔اس نے ایک نگاہ قریب دیوار سے چپکی کھڑی متوحش نوراں کی طرف دیکھا پھر۔۔۔۔اپنی رائفل کو سیدھا کیا اور جبڑے بھینچ کر وہ ننگی چوکھٹ کے سامنے آ گیا اور لبلبی دبا دی

Marfat.com

گولیوں کی بوچھاڑ اٹھی ۔۔۔گہرام اسے دیکھتے ہی ایک طرف کو جست لگا چکا تھا جبکہ اس کا دوسرا ساتھی جو واپس جانے کے لیے مڑ چکا تھا۔اس کی گولیوں کی زد میں آ گیا اور چیخ مارتے ہوئے گر پڑا۔وسان نے گہرام کا نشانہ لیا۔جو بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا۔اس سے نوراں کی ہذیانی چیخ سنائی دی۔

''وسان۔۔ ۔!'' وہ ۔۔۔۔سراپا آتش فشاں بنا پلٹا تو اندر سامنے کی دیوار پر اسے ایک ہیولا دکھائی دیا۔جس کا نصف دھڑ چھت پر تھا اور چمگادڑ کی طرح ۔۔۔الٹا جھول کر۔۔۔روشن دان سے اپنی رائفل کا رخ ان کی طرف کیے ہوئے تھا۔وسان نے اسے فائر کا موقع دیے بغیر وہیں سے اس کا نشانہ لے کر لبلبی دبا دی ۔اس کی رائفل نے ایک طاقت ور برسٹ اگلا اور روشن دان کے باہر الٹے لٹکے یار و نامی گہرام کے دوسرے ساتھی کے حلق سے ایک چیخ خارج ہوئی اور وہ نیچے آ رہا۔

''نوراں ۔۔۔! ادھر آ۔۔۔''وسان نے نوراں کو آواز دی ۔وہ لرزتی کانپتی اس کی طرف بڑھی۔

وسان نے ایک ہاتھ سے رائفل سنبھالی اور دوسرے ہاتھ سے نوراں کا ہاتھ پکڑا اور باہر نکل آیا۔اس نے متلاشی نظروں سے گردو پیش کا جائزہ لیا۔گہرام شاید بھاگ چکا تھا۔وسان نے عمارت کے چاروں طرف طواف کر کے اطمینان کر لیا تھا مگر اسے اپنے اصلی دشمن گہرام کے فرار ہونے پر از حد افسوس ہوا۔اس نے ایک غم زدہ سی نظر اپنے دوست در محمد کی لاش پر ڈالی۔پھر۔۔۔بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''سنگت۔۔۔تو نے دوست کی خاطر اپنی جان دے دی۔۔۔مگر میں نے تیرے اور تیرے باپ کے دشمنوں کو زندہ نہیں چھوڑا۔۔۔'' یہ کہہ کر اس نے نوراں کا ہاتھ پکڑا اور دونوں تاریکی کی آغوش میں گم ہو گئے۔

☆.....☆.....☆

محمد وسان اپنی بیوی نوراں کو لے کر اپنے مرحوم دوست در محمد کے گھر پہنچا۔

Marfat.com

نوراں بری طرح خوف زدہ تھی اور سراسیمہ لہجے میں وسان سے بولی۔
''سس۔۔۔سائیں !ہمیں ۔۔۔یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔۔۔کہ ۔۔۔کہیں۔۔۔وہ۔۔۔وہ لوگ ادھر نہ آجائیں۔
''وہ حرام زادہ گہرام اب دوبارہ یہاں آنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔'' وسان غصے سے دانت بھینچ کر بولا۔
''ذرا صبح ہو لینے دو۔۔۔میں گوٹھ کے چند لوگوں کے ساتھ۔۔۔تھانے جا کر۔۔۔تمہارا بیان قلم بند کروا دوں گا۔۔۔تا کہ اس بزدل انسپکٹر خالق داد کو بھی حقیقت کا علم ہو سکے۔'' بے چاری نوراں شوہر کے آگے کچھ نہ بول سکی۔محمد وسان کا ارادہ۔۔۔صاحب ڈنو اور اپنے دیگر ہمدردوں کے ساتھ تھانے جانے کا تھا۔
سپیدہ سحر نمودار ہوا تو۔۔۔گوٹھ کی زندگی دھیرے دھیرے بیدار ہونا شروع ہوئی۔وہ دونوں جاگ رہے تھے۔نیند، سکون اور آرام۔۔۔جیسے ان دونوں سے چھن چکا تھا۔وسان نے صاحب ڈنو سمیت دیگر خیر خواہوں کو اکٹھا کیا اور انہیں ساری روداد بتائی۔۔۔وہ سب پہلے سے بھی زیادہ جوش وخروش کے ساتھ۔۔۔تھانے کی طرف چل دیے۔ویران اور کچے دھول اڑاتے راستے پر انہیں ایک بغیر ہڈ کی جیپ آتی نظر آئی۔وہ سب بری طرح ٹھٹک گئے۔وسان نے فوراً خطرے کی بو محسوس کی اس نے نوراں کا ہاتھ پکڑا۔دائیں جانب ڈھینگروں کا ڈھیر تھا وہ اسے کھینچتا ہوا۔۔۔ڈھینگروں میں جا گھسا۔اوٹ سے دیکھا تو۔۔۔جیپ قریب آ کر رک چکی تھی۔جیپ سے چار مسلح افراد کدا کڑے مار کر اترے۔وسان ان میں سے گہرام کو پہچان کر پریشان سا ہو گیا۔اگر چہ اپنے بدترین دشمن گہرام کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا مگر۔۔۔وسان جانتا تھا کہ یہ وقت جوش کی بجائے ہوش سے کام لینے کا تھا۔وسان کے ہمدردوں کی تعداد۔۔۔صاحب ڈنو سمیت پانچ تھی۔وہ وسان اور نوراں کے اچانک غائب ہونے پر ذرا نہیں چونکے تھے اور ایک دم انجان بن کر

Marfat.com

گہرام اوراس کے تین مسلح آدمیوں کے چہرے دیکھنے لگے۔

''دونوں کدھر گئے تھے۔ابھی تو تمہارے ساتھ تھے۔''معاً گہرام نے درشت لہجے میں صاحب ڈنو سے پوچھا اور۔۔۔شکرے جیسی نظروں سے ڈھینگروں کی طرف دیکھنے لگا۔وسان کودھڑکا ہوا۔۔۔

''ہمیں نہیں معلوم۔۔۔تم کن دوافراد کی بات کررہے ہو؟''

صاحب ڈنو نے مرعوب ہوئے بغیر انجان بن رک گہرام سے کہا۔

''اوبڈھے۔۔۔!زیادہ چالاک بننے کی کوشش مت کر۔''گہرام دہاڑا پھر باری باری ان سب کوگھورتے ہوئے دھمکی آمیز غراہٹ سے بولا۔

''تم لوگوں نے مل کرمیرے خلاف پولیس میں رپورٹ کرنے کی جرأت کیسے کی۔۔۔شرافت سے بتا دو۔۔۔ان دونوں کو کدھر غائب کیا ہے۔۔۔تم لوگوں نے۔۔۔؟''

''اڑے چھوکرا۔۔تمیز سے بات کرو۔''ایک دوسرا خیرخواہ گہرام سے برہم ہوکر بولا۔

''ظلم کی رات تھوڑی ہوتی ہے۔اللہ سے ڈرو۔۔۔۔''اس کی سرزنش پر گہرام آپے سے باہر ہوگیا۔

تب اس نے اپنے تینوں ساتھیوں کومخاطب کرکے کہا۔

''ان لوگوں کو یہاں سے ہلنے نہ دینا۔۔۔میں ان ڈھینگروں کے پاس جا کردیکھتا ہوں۔میں نے ان دونوں کو یہاں چھپتے ہوئے دیکھا تھا۔

اب تو وسان کوتشویش لاحق ہونے لگی۔ڈھینگروں کا یہ سلسلہ انتہائی مختصر تھا صاحب ڈنواور دیگر خیرخواہ بھی گہرام کی بات پر پریشان اور بے چین سے نظر آنے لگے۔گہرام کے تینوں خونخوار ساتھیوں نے اپنی گنوں کا رخ ان کی طرف کرکے گویاانہیں اپنی جگہ ساکت وجامد رہنے پر مجبور کردیا۔گہرام اپنی گن سنبھالے شکاری

Marfat.com

کتے کی طرح وسان اور نوراں کی بو سونگھتا ہوا۔۔۔ڈھینگروں کی طرف بڑھنے لگا وسان کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔اس نے نوراں کو بالکل ساکت وخاموش دیکھے رہنے کی سرگوشیانہ تاکید کی۔پھر جیسے ہی گہرام۔۔۔ذرا قریب آیا۔۔۔وسان یک دم قیامت بن کر اس پر ٹوٹا۔اس نے اچانک ڈھینگروں سے ابھر کر۔۔۔۔گہرام کی رائفل کو دونوں ہاتھوں سے نال کی طرف سے پکڑا اور اس کی مدد سے اس کے سینے پر رائفل کا دستہ مارا۔گہرام اس اچانک اور غیر متوقع حملے کے لیے بالکل تیار نہ تھا۔وہ چند قدم پیچھے کی طرف لڑکھڑا گیا۔اس کے ساتھی بری طرح ٹھٹکے مگر ابھی شاید یا تو کچھ سمجھ نہیں پائے تھے یا پھر فائر کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔لیکن ادھر وسان نے گہرام کی چھینی ہوئی رائفل اس کی کنپٹی سے لگا دی۔۔۔اور غرا کر بولا۔

''اپنے کتوں سے بولو ہتھیار پھینک دیں ورنہ تیرا بھیجا اڑا دوں گا۔'' وسان کے لہجے کی آتشیں تپش کو محسوس کر کے گہرام نے چلا کر اپنے تینوں ساتھیوں کو ہتھیار پھینک دینے کو کہا۔باقی لوگ دم بہ خود کھڑے رہ گئے تھے۔وسان نے نوراں کو جیپ کے پاس جانے کو کہا اور پھر خود۔۔۔گہرام کو رائفل کی زد پر لیے۔۔۔جیپ کے قریب آیا۔

پھر اسے جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنے کا حکم دیا۔گہرام دانت کچکچاتا ہوا جیپ میں سوار ہوا۔وسان نے تینوں کی رائفلوں پر قریب کھڑے اپنے خیر خواہوں کو قبضہ جمانے کے لیے کہا اور ساتھ ہی انہیں بھی جیپ میں سوار ہونے کو کہا۔

پھر وسان اور نوراں بھی سکڑ سمٹ کر بیٹھ گئے۔وسان نے رائفل کی نال گہرام کی گردن پر ٹکا کر اسے تھانے چلنے کا درشت حکم دیا۔گہرام نے جیپ اسٹارٹ کی اور ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دی۔ذرا دیر بعد وہ لوگ تھانے میں تھے۔انسپکٹر خالق اور ہیڈ محرر وہیں موجود تھے۔گہرام کو دیکھ کر انسپکٹر خالق داد بری طرح چونک گیا۔وہ کچھ پریشان سا ہو گیا تھا۔البتہ گہرام کے خبیث چہرے پر طمانیت بھری مسکراہٹ رقصاں

Marfat.com

تھی۔گویا وہ تھانہ۔۔۔نہیں۔۔۔بلکہ محفوظ پناہ گاہ میں آ گیا ہوں۔

وسان اور اس کے خیر خواہ صاحب ڈنو وغیرہ نے انسپکٹر خالق داد کو ساری روداد بیان کر دی اور ساتھ ہی نوراں کا بیان بھی ریکارڈ کروا دیا۔ضابطے کی کارروائی نمٹانے کے بعد انسپکٹر خالق داد نے وہاں موجود سپاہیوں سے انہیں لاک اپ کرنے کا حکم دیا۔اس کے بعد یہ لوگ گھر واپس آ گئے۔گہرام کی گرفتاری کے بعد محمد وسان خود کو بالکل ہلکا پھلکا سمجھنے لگا۔وہ نوراں کو دیکھ کر فکر مند ہو گئے اور جب وسان نے اپنے باپ مٹھل اور چاچا (سسر) احمد بخش کو گہرام کی گرفتاری کا بتایا تو خلاف توقع وہ لوگ اور بھی پریشان ہو گئے۔وسان اچنبھا ہوا۔

''یہ اچھا نہیں ہوا۔۔۔پٹ وسان۔۔۔!یہ تو نے اچھا نہیں کیا۔۔۔''اس کا بوڑھا باپ ہاری مٹھل ازحد پریشانی سے بولا۔اس کی بوڑھی اور جہاندیدہ آنکھوں میں ایکا ایکی بے نام سی سراسیمگی اور تشویش اتر آئی۔

وسان نے حیرت سے کہا۔''بابا۔۔۔یہ تو کیا کہہ رہا ہے۔۔۔اس حرام زادے گہرام نے میرے دوست در محمد اور اس کے بوڑھے باپ کا خون کیا۔میری بیوی نوراں کو اغوا کر کے اس پر اپنے بھائی پھکو موالی سے زبردستی شادی کے لیے دباؤ ڈالا۔۔۔اور۔۔۔۔اور میں نے اس ذلیل گہرام کو پولیس کے حوالے کر دیا ہے تو۔۔۔میں نے اچھا نہیں کیا؟''

''ہاں۔۔۔ہاں۔۔۔تو نے اچھا نہیں کیا وسان۔۔۔!اچھا نہیں کیا، تیری اس بہادری کی سزا اب ہم سب کو ہی بھگتنا پڑے گی۔''اس بار اس کے سسر یعنی نوراں کے بوڑھے باپ احمد بخش نے انتہائی تشویش آمیز تولیدگی سے کہا۔مگر وسان نے دانت بھینچ کر اٹل لہجے میں کہا۔

''میں نے جو ٹھیک کیا ہے۔۔۔یہ شکر کرو۔۔۔کہ اس حرام زادے کا خون نہیں کیا۔۔۔اور اسے پولیس کے حوالے کر آیا۔وہ سزا سے نہیں بچ سکتا۔۔۔بلکہ

Marfat.com

---بلکہ---تم سب کوخوش ہونا چاہیے کہ---"

"اڑے چھوکرا---تو کس دنیا میں رہ رہا ہے---پولیس اس کا کچھ نہیں بگاڑے گی۔الٹا اب ہم پر قیامت ٹوٹنے والے ہے۔"مٹھل نے اس کی بات کاٹ کر روہانسے لہجے میں کہا۔

اس کے لرزیدہ لہجے میں گویا برسوں کا تجربہ پہناں تھا۔وسان گومگو کھڑا تھا احمد بخش وسان کی منت سماجت کرتے ہوئے بولا۔

"دیکھ پٹ---تو---تو---چلا جا---نوراں کو لے کر---سائیں پیاروخان کے پاس چلا جا---کہیں بھی چلا جا---اپنی اورنوراں کی زندگی کا خیال کر---"

وسان بری طرح جھنجھلا کر رہ گیا۔اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر اس کے ماں باپ اور سسر کو ایسا کون سا خوف کھائے ہوئے تھا۔وسان نے اٹل لہجے میں جانے سے صاف انکار کر دیا۔بلکہ یہ دھمکی بھی دے ڈالی۔

"کہ---اگر---تم لوگ ہم سے اتنے ہی بیزار ہو گئے ہو تو ہم اس گھر میں نہیں رہیں گے۔مگر اس گوٹھ سے اب کسی صورت بھی نہیں نکلیں گے۔"

وسان کے لہجے کی غیرت آمیز حمیت نے دونوں بوڑھوں کو خاموش رہنے پر مجبور کر دیا۔بہ ظاہر یہ سب کچھ ٹھیک تھا---مگر اس "ٹھیک" کے پیچھے ایک نادیدہ طوفان کروٹیں لے رہا تھا جس کا وسان کو نہیں تو مٹھل اور احمد بخش کو ضرور علم تھا---دونوں بھائیوں نے ایک روز سر جوڑ کر فیصلہ کیا کہ---وہ سب لوگ یہ گوٹھ چھوڑ کر وڈیرے پیاروخان کی جاگیر کی طرف ہجرت کر جائیں گے---جب انہوں نے اپنا یہ عندیہ وسان کے سامنے پیش کیا تو وسان تھوڑی دیر پر سوچ خاموشی میں مستغرق ہو گیا۔درحقیقت اس کا بھی اب اس جبر واستبداد کی دھرتی سے دل میلا ہو گیا تھا۔وہ یہاں سے ہجرت کرنے پر راضی تو تھا مگر---کسی دوسرے گوٹھ کی بجائے

Marfat.com

وہ۔۔۔شہر ہی جا کر رہنے کو ترجیح دینا چاہتا تھا۔اس کی بات پر مٹھل بولا۔

''اڑے پٹ۔۔۔ہمیں تو دھا کی (کھیت مزدوری) کے سوا اور کچھ نہیں آتا شہر جا کر کیا کریں گے؟''

''بابا۔۔۔کرلیں گے کچھ نہ کچھ۔۔۔۔میرے ہوتے ہوئے بھلا تم لوگ کیوں پریشان ہوتے ہو۔۔۔۔وہاں ہمیں کوئی نہ کوئی مزدوری کا کام مل ہی جائے گا۔''

بالآخر دونوں بوڑھوں نے۔۔۔وسان کی بات پر صاد کیا۔

☆.....☆.....☆

یہ گہرام کو گرفتار ہوئے دوسرا دن تھا۔انہوں نے بیل گاڑیاں تیار کیں اور شہر روانہ ہونے کے لیے انہوں نے علی الصباح کا انتخاب کیا تھا۔چنانچہ صبح ان لوگوں نے اپنی بیل گاڑیوں میں ضروری سامان رکھا۔۔۔جو چند بوسیدہ بقچیوں اور ٹوٹے پھوٹے کنستروں جیسے ٹرنکوں پر مشتمل تھا۔جب یہ روانہ ہونے لگے تو اچانک وسان کو ایک شخص تیز تیز قدموں سے ان کی طرف آتا دکھائی دیا پھر دوسرے ہی لمحے اسے پہچان کر بری طرح ٹھٹک گیا۔اس کا ہمدرد۔۔۔صاحب ڈنو تھا۔

اس نے قریب آتے ہی پہلے تو حیران کن نظروں سے بھری پری بیل گاڑیوں کو دیکھا پھر جیسے ساری بات اسے سمجھ میں آ گئی اور تب اس نے وسان کو ایک چونکا دینے والی اطلاع دی کہ رذیل صفت گہرام تھانے سے رہا ہو گیا ہے۔

''یہ۔۔۔یہ۔۔۔کیسے ہوا؟'' وسان نے لکنت زدہ لہجے میں پوچھا۔

''وڈیرے دریا خان نے اپنی ضمانت پر اسے رہا کروایا ہے۔'' صاحب ڈنو نے جواب دیا۔

وسان کے ساتھ۔۔۔اس کا باپ مٹھل اور سسر چاچے احمد بخش کے چہروں پر بھی گہری تشویش آمیز تفکیر پھیل گئی۔تاہم صاحب ڈنو نے بھی انہیں یہی مشورہ دیا

Marfat.com

کہ ان کا گوٹھ چھوڑنے کا فیصلہ درست ہے۔وسان کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔گہرام اس کا مجرم تھا۔وہ اس سے انتقام لینا چاہتا تھا۔اپنی بے عزتی کا بھی اور اپنے وفادار دوست درمحمد اور اس کے بوڑھے باپ کے قتل کا بھی۔۔۔مگر اس وقت اس کے سر پر بھاری ذمے داری تھی۔۔۔وہ اُن کے بوڑھے۔۔۔ماں باپ تھے۔وہ اب تک انہی کی وجہ سے کھل کر اپنے بدترین دشمن گہرام سے جنگ نہیں کر سکا تھا۔اسے وڈیرے دریاخان پر بھی غصہ آ رہا تھا۔وسان کا جی چاہا کہ اس وقت جا کر گہرام کی گردن مروڑ ڈالے۔۔۔وہ اپنے بوڑھے ماں باپ اور چاچے چاچی اور نوراں کے تحفظ کو یقینی بنائے گا۔انہیں پہلے کسی محفوظ ٹھکانے پر پہنچانے کے بعد۔۔۔وہ۔۔۔گہرام سے گن گن کر بدلے لے گا۔جس نے ان کا عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا۔

دونوں بیل گاڑیاں آگے پیچھے' کھیتوں کے درمیان پگڈنڈی نما بل کھاتے دھول اڑاتے کچے رستے پر چل رہی تھیں۔سب سے آگے۔۔۔وسان اور اس کے خاندان کی بیل گاڑی تھی۔پیچھے چاچا احمد بخش وغیرہ کی بیل گاڑی تھی۔بیل گاڑیوں کے چوبی بدہیئت پہیوں کی چوں۔۔۔چوں۔۔۔چک۔۔۔چوں۔۔۔کی مخصوص افسانوی آواز۔۔۔گوٹھ کی اس صبح سحر خیز فضا میں عجیب طلسم پیدا کر رہی تھی۔مگر اس وقت یہ افسانوی آواز۔۔۔ان حرماں نصیبوں اور ہجرت زدہ آندہ درگاہ لوگوں کے لیے مہجور دلوں پر چھریاں چلا رہی تھیں۔کسی بھی لمحے کسی چھپے ہوئے طوفان کے اچانک اُمڈ آنے والے متوقع اور اندیشناک احساس تلے۔۔۔ان کے دل و دماغ بری طرح ٹھٹکے ہوئے تھے۔وسان کے چہرے پر پُراعصاب خاموشی طاری تھی۔صاحب ڈنو کی اس اطلاع نے اسے بری طرح اعصاب زدہ کر دیا تھا کہ گہرام کو پولیس نے زمیندار دریاخان کی ضمانت پر رہا کر دیا تھا۔گویا۔۔۔دوسری صورت میں گہرام جیسے سفاک شخص کو۔۔۔کھل کر خوفناک بربریت پھیلانے کا دونوں طرف سے ٹھیکا مل چکا

Marfat.com

تھا۔وسان کو یہ جاں گسل خدشہ لاحق تھا کہ۔۔۔۔گہرام اب کسی بھی لمحے زخم کھائے وحشی درندے کی مانند۔۔۔۔نمودار ہوسکتا تھا۔یہی وجہ تھی کہ۔۔۔۔وسان نے اس کی خوں آمیز بربریت کا اس انداز میں جواب دینے کے لیے۔۔۔اس سے اس کے تینوں ساتھیوں سے چھینی ہوئی گنیں اب تک اپنے قبضے میں کر رکھی تھیں۔البتہ تین گنوں کے گولیوں سے بھرے ہوئے میگزین اپنے قبضے میں اڑسے ہوئے تھے اور خالی رائفلیں پھینک دی تھیں۔جبکہ گہرام والی رائفل اس نے اپنے قریب ہی بیل گاڑی کے چوبی تختے والے فرش پر بکھری پیال کے نیچے چھپا رکھی تھی۔

دونوں بیل گاڑیاں درمیانی رفتار سے دوڑی جا رہی تھیں۔عقب میں آبادی کے آثار معدوم ہونے لگے تھے۔کھیتوں کے سلسلے بھی عبور کر آئے تھے۔اب وہ ایک چھدری چھدری جھاڑیوں والے بڑے سے میدان سے گزر رہے تھے۔وسان کے اعصاب جو کسی بھی لمحے متوقع مخدوش حالات کے باعث تنے ہوئے تھے اب قدرے ڈھیلے پڑنے لگے تھے۔۔۔مگر اس کا مطلب بہرحال یہ نہ تھا کہ خطرے سے ٹل گیا تھا۔۔۔ذرا دیر میں میدان بھی عبور ہو گیا۔اب میدان سے نکلتا ہوا بل کھاتا کچا راستہ۔۔۔سامنے۔۔۔نظر آنے والے۔۔۔خودرو جھاڑیوں کے گنجان جھنگر میں گم ہو رہا تھا۔یہاں جھاڑیاں قد آدم تھیں۔دونوں بیل گاڑیاں آگے پیچھے چلتی ہوئی اس گنجان جھنگر میں داخل ہو گئیں۔

شہر جانے والی پکی سڑک۔۔۔ابھی۔۔۔کچے کے اس ویران علاقے سے لگ بھگ کوئی چار پانچ کلومیٹر دور ہی تھی۔۔۔وہاں سے شہر۔۔۔پورے پندرہ کلومیٹر کی مسافت پر تھا اور وسان کی کوشش بھی یہی تھی کہ وہ جلد سے جلد کم از کم اس کچی سڑک تک پہنچ جائے۔

قد آدم جھاڑیوں کا گنجان سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ابھی انہوں نے بہ مشکل تھوڑا ہی فیصلہ طے کیا ہو گا کہ معاً ہی دائیں بائیں کی جھاڑیوں میں سرسراہٹ

Marfat.com

ابھری۔۔۔اور پھر اگلے ہی لمحے۔۔۔آٹھ دس گن بردار افراد۔۔۔۔۔ان جھاڑیوں سے ابھر کر۔۔۔ان کا راستہ روکے کھڑے ہو گئے۔انہوں نے گھبرا کر بیلوں کی رسی کھینچ لی۔بیل السائی ہوئی آواز میں ڈکرا کر رک گئے۔۔۔وسان کی کنپٹیوں پر آتش فشاں پھٹنے لگے تھے اور آنکھوں کے سامنے سرخ آندھیاں چلنے لگیں۔۔۔کیوں کہ اس نے۔۔۔ان گن برداروں کے درمیان میں اپنے بدترین دشمن گہرام کو پہنچان لیا تھا۔جو مکروہ مسکراہٹ کے ساتھ اس کو گھورے جا رہا تھا۔اس کی اندر دھنسی ہوئی آنکھوں کا کینہ ابھرا ہوا تھا۔بے چاری نوراں بھی اس مخدوش صورت حال سے لرز اٹھی۔۔۔احمد بخش اور مٹھل وغیرہ جہاں کے تہاں۔۔۔بیلوں کی رسی تھامے خوف زدہ سے ان گن برداروں کو تکے جا رہے تھے۔

''وسان۔۔۔!بابا تیرا کھیل ختم ہو گیا۔۔۔نوراں کو اب ہمارے حوالے کر دے۔'' گہرام نے مسکراتے ہوئے وسان کو گھورتے ہوئے کہا۔تو وسان کا مارے غیظ و جوش سے دماغ الٹنے لگا۔اس نے پھرتی کے ساتھ۔۔۔پیال کے نیچے سے اپنی رائفل نکال کر گہرام پر تان لی اور غرا کر وحشت لہو رنگ لہجے میں بولا۔

''ذلیل کتے!اب اگر تو نے دوبارہ اپنی گندی زبان سے میری بیوی کا نام لیا تو۔۔۔تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔۔۔ہٹ جا ہمارے راستے سے۔۔۔ورنہ چھلنی کر کے رکھ دوں گا تجھے۔۔۔''

اس کی للکار پر گہرام کے چہرے پر سناٹے اتر آئے اور سنسنی خیز نظروں سے وسان کو گھورنے لگا۔اس کے ساتھ کھڑے مسلح ساتھیوں کی آنکھوں میں ایک سفاک چمک اتر آئی۔

بے چاری نوراں اور دونوں بوڑھے ماں باپ مارے دہشت کے لرزہ براندام تھے۔

''اڑے۔۔۔لگتا ہے تجھے اپنی زندگی سے ہی نہیں اپنے بوڑھے ماں باپ

Marfat.com

کی زندگی سے بھی پیار نہیں ہے۔" گہرام نے سنسناتی آواز میں کہا۔

"میں آخری بار کہہ رہا ہوں۔۔۔نوراں کو۔۔۔" ابھی اس بدخصلت نے اتنا ہی کہا تھا کہ وسان نے غصے سے دانت پیس کر اپنے ہاتھوں میں پکڑی رائفل کی لبلبی دبادی۔ گولیوں کی بھیانک تڑتڑاہٹ فضا میں بلند ہوئی۔۔۔مگر اس سے پہلے ہی گہرام نے شاید وسان کی یہ خون ناک جنبش بھانپ لی تھی اس لئے وہ فوراً زمین پر گر گیا تھا۔باقی اس کے عقب میں ساتھ کھڑے آٹھ دس گن بردار ساتھیوں میں تین وسان کی گولیوں کا نشانہ بن کر چیخ مار کر ڈھیر ہوتے چلے گئے۔

باقیوں نے گہرام کی تقلید میں زمین پر گرتے ہی۔۔۔بیل گاڑیوں پر اپنے ہتھیاروں کے آہنی دہانے کھول کر رکھ دیے۔ وسان خطرہ بھانپتے ہی۔۔۔نوراں سمیت بیل گاڑی سے چھلانگ لگا کر قریب کی جھاڑیوں میں جا گرا۔

فضاء میں گولیوں کی بھیانک تڑتڑاہٹ جاری تھی۔اس کے ساتھ ہی بیلوں کے ڈکرانے کے علاوہ وسان اور نوراں کی سماعتوں میں اپنے بوڑھے ماں باپ کی چیخیں بھی سنائی دیں۔نوراں کے حلق سے مارے شدتِ غم کے چیخ بلند ہونے لگی تھی۔وسان کی پھٹی پھٹی آنکھوں نے اپنے اور نوراں کے بوڑھے ماں باپ کو خون کی چھپڑی میں پڑے پایا تو۔۔۔اس کے اندر ایکا ایکی آتش فشاں سلگ اٹھا تھا۔۔۔اس نے ایک للکار زدہ دھاڑ ماری اور۔۔۔رائفل کا رخ زمین پر لیٹے گہرام اور اس کے ساتھیوں کی طرف لبلبی دبادی۔دوسری ہی لمحے گہرام کے مزید چار ساتھی خاک و خون میں لوٹنے لگے۔ایک گولی گہرام کے بازو میں بھی لگی۔وہ تڑپ کر۔۔۔لوٹ لگاتا ہوا اپنے بائیں جانب کی جھاڑیوں میں سرک گیا۔اس کے باقی بچے کھچے تینوں ساتھیوں نے بھی ایسا ہی کیا۔

اب دونوں ایک دوسرے سے نبرد آزما تھے۔بیل خوف زدہ ہو کر دوڑ لگا چکے تھے۔فضا گولیوں کی گھن گرج سے گونج رہی تھی۔وسان ان کے مقابلے میں تنہا

Marfat.com

اور وہ چار تھے۔اگر چہ گہرام زخمی تھا۔مگر پھر بھی اسے وسان پر برتری حاصل تھی۔

وسان۔۔۔اپنے دفاع میں فائرنگ کرتا ہوا۔قدِ آدم جھاڑیوں کے اندر ہی اندر اپنی جگہ بھی تیزی سے بدل رہا تھا۔نوراں اس کے ساتھ تھی۔اس نے خالی میگزین نکال کر پھینکا اور دوسرا اٹیچ کیا۔

اب اس کے پاس صرف دو فاضل میگزین بچے تھے۔وسان کا سینہ اپنے بوڑھے ماں باپ کے لرزہ خیز انجام پر دکھ سے بھرا ہوا تھا۔نوراں بھی اپنے ماں کی موت پر غم سے نڈھال ہو رہی تھی۔مگر اس وقت ان دونوں حالات کے ستائے ہوئے حرمان نصیبوں کو اپنی جان کے بھی لالے پڑے ہوئے تھے۔

وسان بڑی جواں مردی کے ساتھ۔۔۔اپنے چاروں دشمنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کر رہا تھا۔وہ خود سے زیادہ نوراں کا دفاع بھی کر رہا تھا۔۔۔دشمنوں پر گولیاں برساتا ہوا۔۔۔تیزی سے اپنی جگہ بھی تبدیل کرتا جا رہا تھا۔اچانک دشمنوں کی جانب سے فائرنگ بند ہوگئی۔وسان بھی رک گیا۔ماحول میں تابڑ توڑ گھن گرج کے بعد ایکا ایکی ٹھٹکا ہوا سناٹا چھا گیا۔وسان کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔اس نے دشمنوں کی طرف سے اس ''مکارانہ'' خاموشی کو ان کی چال پر محمول کیا۔وہ سمجھ گیا کہ۔۔۔وہ چاروں ان دونوں کو مختلف سمتوں سے گھیرنے کی کوشش میں مصروف کار ہو سکتے ہیں لہٰذا۔۔۔وہ پہلے سے ہی محتاط ہو گیا۔

وہ نوراں کو کسی محفوظ جگہ دبکانا چاہتا تھا۔ورنہ نوراں کسی بھی وقت اس کی کمزوری کا باعث بن سکتی تھی اس نے متلاشی نظروں سے جھاڑیوں میں دبکے ہوئے بغور اپنے گردو پیش دیکھا۔اسے اپنی دائیں جانب ذرا فاصلے پر۔۔۔ایک کھوہ نظر آئی۔یہ تو شاید۔۔۔گیدڑوں کا کوئی بھٹ تھا۔وہ نوراں کا ہاتھ پکڑے تیزی سے اس طرف رینگ گیا پھر یہ اطمینان کرنے کے بعد کہ اندر سے خالی ہے۔اس نے نوراں کو سکڑ سمٹ کر اندر سما جانے کو کہا۔وہ بے چاری۔۔۔فوراً کھوہ کے اندر سمٹ کر بیٹھ گئی

Marfat.com

وسان نے کھوہ کے دہانے پر جلدی جلدی خشک جھاڑیوں کا ڈھیر سرکا دیا۔ پھر بہ سرعت ایک طرف رینگ گیا۔ اب وہ ٹھٹکے ہوئے جنگلی بلے کی طرح سرتاپا سماعت بنا جھاڑیوں کی اوٹ میں دبکا چاروں طرف کی سن گن یا کسی آہٹ پر چوکنا ہو کر بیٹھ گیا۔

"معاً۔۔۔اسے اپنے عقب میں سرسراہٹ سی محسوس ہوئی۔ بجلی کی سی تیزی سے پلٹا۔ گہرام کا ایک ساتھی۔۔۔اس پر فائر کرنے کیلئے پر تول رہا تھا۔ وسان نے تیزی سے پلٹنے کے دوران یہ عقل مندی کی تھی کہ اس نے ایک ہاتھ سے مٹی کا ایک بڑا سا ڈھیلا نما پتھر اٹھا لیا تھا۔ اور پلٹتے ہی آؤ دیکھنا نا تاؤ وہ کچا پتھر دشمن کے چہرے پر رسید کر دیا۔ اس نے لبلبی دبا دی۔ ٹھٹکی ہوئی دم بہ خود فضا میں برسٹ چلنے کی سمع خراش آواز ابھری۔ اور وسان کو اپنے چہرے کے بالکل قریب سے گولیوں کی مہیب باڑ کی سفاک "جھپک" محسوس ہوئی۔ اگر دشمن کا نشانہ خطا نہ جاتا تو۔۔۔اس کی برسائی ہوئی گولیوں سے وسان کا چہرہ ہی اڑ جاتا۔ اب وسان کو اپنی رائفل چلانے کا موقع مل چکا تھا۔ اس نے ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا اور ٹرائیگر دبا دیا۔ دشمن مکروہ چیخ کے ساتھ کٹے ہوئے شہتیر کی طرح گرا تو اچانک اس پر کسی نے چھلانگ لگا دی۔ یہ حملہ اس کیلئے غیر متوقع تھا۔ نتیجتاً۔۔۔ایک لمحے کو وہ بوکھلا گیا۔ مگر اپنے مختل پڑتے حواسوں کو بحال رکھتے ہوئے۔۔۔اس نے اپنی رائفل پر ڈھیلی پڑتی گرفت مضبوطی سے جمائی اور تیزی سے زمین پر لیٹے لیٹے لوٹ لگائی۔۔۔حملہ آور نے اپنی رائفل کا کندبٹ اس کے سر پر مارنے کی کوشش کی تھی جو وسان کے سر پر تو نہ لگی البتہ اس کے کاندھے پر اس کی بھرپور ضرب پڑی۔ درد کی ایک تیز سنسناتی لہر اس کے پورے مضروب وجود میں سرایت کرتی چلی گئی۔ مگر یہ وقت اپنی چوٹ سہلانے کا نہ تھا۔ اس نے اپنے جبڑے بھینچتے ہوئے کراہتی ہوئی تکلیف پر قابو پانے کی کوشش کی اور حملہ آور کی ناک پر موقع تاک کر ایک گھونسا جڑ دیا۔ حملہ آور کے حلق سے اذیت ناک کراہ خارج ہو گئی۔۔۔ اس کی ناک پچک گئی تھی۔ وہاں سے بھل بھل خون جاری ہو گیا۔ وسان نے اسے

Marfat.com

سنبھلنے کا موقع دیے بغیر اپنی رائفل کو نال سے پکڑ کر لٹھ کی طرح گھمایا۔ زخمی حملہ آور کی کھوپڑی چیخ گئی۔ وہ تیورا کر گرا اور گرتے ہی ٹھنڈا ہو گیا۔ وسان اپنے کاندھے کا درد سہلاتا ہوا۔۔۔ اٹھ کھڑا ہوا۔ صبح کی سحر خیزی اب ابھرتے سورج کی تیز روشنی میں بدلنے لگی تھی۔ اس روشنی میں بالکل سامنے۔۔۔ چند گز کے فاصلے پر اس نے کسی کو ابھرتے دیکھا۔۔۔ وسان کے پاس اس پر فائر کرنے کا وقت نہ تھا۔ کیونکہ۔۔۔ اس نے ابھرتے ہی بلا کی پھرتی کے ساتھ اپنی رائفل کا رخ اس کی طرف کیا تھا۔ وسان پھرتی کے ساتھ جھاڑیوں میں جھک گیا اور تیزی سے ایک طرف کو رینگ گیا۔ دشمن کی طرف سے داغی ہوئی گولیوں کا برسٹ عین اسی جگہ ''ٹارٹ'' کی آواز سے پڑا تھا جہاں تھوڑی دیر پہلے۔۔۔ وسان موجود تھا۔ وسان نے بھربھری مٹی والی جھنڈ دار زمین پر لیٹے لیٹے جھاڑیوں کے چھدرے روزنوں سے دشمن کا خاکہ دیکھا۔۔۔ اور نشانہ لے کر لبلبی دبا دی۔ اس کی رائفل سے گولیوں کی پوری خوں ناک باڑ اگلی اور دشمن ایک مکروہ چیخ کے ساتھ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

''وسان! رائفل پھینک دے۔۔۔ ورنہ نوراں کو گولی مار دوں گا۔''

قہر و غضب میں ڈوبی ہوئی للکار اس کی سماعتوں سے ٹکرائی اور وسان نے پلٹ کر عقب میں دیکھا تو جیسے پتھر کا بت بنا رہ گیا۔ گہرام نے اس کی بیوی نوراں کو دبوچ رکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بلا کی سفاکی چمک ہلکورے لے رہی تھی۔ بے چاری نوراں کا چہرہ خوف سے یرقان زدہ نظر آ رہا تھا۔ گہرام کے بازو میں اجرک کی پٹی بندھی ہوئی تھی۔ وہ زخم وسان نے گولی کی صورت میں اسے لگایا تھا۔

''اس کو چھوڑ دے کتے۔۔۔ ورنہ۔۔۔'' وسان قہر آلود لہجے میں دھاڑا اور اپنی رائفل سیدھی کر لی۔

''خبردار۔۔۔ گولی چلائی تو۔۔۔ یہ شہزادی۔۔۔ خون میں نہا جائے گی؟'' گہرام نے سفاک لہجے میں پھنکارتے ہوئے وسان سے کہا۔۔۔ اس

Marfat.com

بدبخت نے بے چاری نوراں کو۔۔۔اپنی ڈھال بنا رکھا تھا۔۔۔رائفل گہرام کے بائیں ہاتھ میں تھی جس کا رخ وسان کی طرف ہی تھا۔جبکہ دائیں ہاتھ کے شکنجے کو اس نے نوراں کی گردن کے گرد حمائل کر کے اسے اپنے آگے کر رکھا تھا۔

اپنی نازک اندام بیوی کو اپنے بدترین اور ذلیل صفت دشمن کے شکنجے میں اس طرح جکڑے دیکھا تو وسان کی سلگتی ہوئی آنکھوں میں خون اتر آیا۔مگر وہ بے بس تھا۔

''رائفل پھینک دے۔۔۔وسان!'' گہرام نے غرا کر کہا۔

وسان کے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔اس نے بے بسی سے ہونٹ کاٹتے ہوئے شکست خوردہ انداز میں رائفل ایک طرف پھینک دی۔اس کی رائفل پھینکنے کی دیر تھی کہ گہرام نے اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑی ہوئی رائفل کی لبلبی دبا دی۔ گولیوں سمع خراش تڑتڑاہٹ ابھری۔۔۔وسان نے خود کو گولیوں کی اس بوچھاڑ سے بچانے کی کوشش کی۔۔۔مگر۔۔۔چند گولیوں نے اس کے بائیں بازو کو بری طرح چھید ڈالا۔وسان کے حلق سے اذیت بھری چیخ بلند ہوئی تو نوراں اپنے محبوب شوہر کو خون میں لت پت دیکھ کر انتہائی غم و دکھ کے احساس سے چلائی۔وسان کے قدم لڑکھڑائے۔ادھر اپنے شوہر کو گہرام جیسے رذیل کتے کے رحم و کرم پر دیکھ کر نوراں کے اندر پہلی بار اپنی بقاء کیلئے بے دریغ جرأت پیدا ہوئی اور اس نے انتہائی جنونانہ انداز میں اپنی کہنی پوری قوت سے گہرام کے پیٹ میں رسید کر ڈالی۔گہرام کو نوراں سے ایسی جرأت کی توقع نہ تھی۔ایک لمحے کو وہ تکلیف کی شدت سے دہرا ہو گیا۔اس کے بازو کے شکنجے سے جیسے ہی نوراں کی گردن آزاد ہوئی نوراں نے رکوع کے بل جھکے گہرام کو زور سے دھکا دیا۔گہرام چند قدم عقب میں لڑکھرایا اور پھر ناہموار زمین سے اس کا ایک پاؤں رپٹ گیا۔وہ نیچے گرا۔۔۔رائفل اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ادھر وسان نے دانت بھینچ کر اپنے زخمی بازو کی تکلیف پر قابو پایا اور وحشیانہ دہاڑ کے

Marfat.com

ساتھ۔۔۔گہرام پر جھپٹا۔گہرام نے سنبھلتے ہی وسان کے زخمی اور خون آلود بازو پر مکہ جڑ دیا۔وسان کیلئے دوسری اذیت نا قابل برداشت ثابت ہوئی۔۔۔باعث تکلیف بے اختیار چیخا۔گہرام نے اٹھ کر زمین پر گری رائفل کو اچکنے کیلئے دوڑ لگائی۔۔۔وسان جانتا تھا کہ ایک بار اس خونی درندے کے ہاتھ رائفل لگنے کا مطلب اس کی بھیانک موت تھی۔چنانچہ وہ اپنی تکلیف بھلا کر گہرام کے پیچھے لپکا۔نوراں ایک طرف ہراساں ہرنی کی مانند متوحش نگاہوں سے یہ خونی جنگ دیکھ رہی تھی۔

گہرام رائفل اٹھانے کیلئے جیسے ہی جھکا تو وسان بھی اتنی دیر میں اس کے قریب پہنچ گیا تھا اس نے وحشیانہ غراہٹ کے ساتھ ایک زوردار لات رائفل اٹھانے کیلئے جھکے ہوئے گہرام کی پشت پر رسید کر دی۔گہرام زمین پر الٹ گیا۔مگر وہ رائفل پر قبضہ جمانے میں کامیاب ہو چکا تھا۔وہ پشت کے بل زمین پر لیٹے لیٹے ہی رائفل کا رخ وسان کی طرف کرنے لگا تو وسان اس کے سینے پر سوار ہو گیا۔۔۔اس کا بایاں بازو گولیوں سے چھلنی تھا۔جو تقریباً ناکارہ ہو چکا تھا۔مگر اس نے ہمت نہیں ہاری تھی۔اس پر وحشیانہ جنون سوار تھا۔بہر صورت میں اپنے بدترین دشمن کو جلد سے جلد نابود کرنے کے درپے ہو رہا تھا۔لہٰذا وہ اپنے دائیں ہاتھ کی طاقت کو بروئے کار لاتے ہوئے گہرام کی رائفل چھیننے کیلئے زور آزمائی کرنے لگا اگرچہ گہرام کا ایک بازو بھی زخمی تھا مگر اس کا زخم۔۔۔بہر حال وسان کے زخم سے کم گہرا اور معمولی تھا۔اس لئے وہ تقریباً اپنے دونوں ہی بازوؤں کی طاقت لگانے میں مصروف کار تھا۔دونوں کے چہرے سرخ تھے۔آنکھوں میں ایک دوسرے کو پچھاڑنے کی سفاکی اتری ہوئی تھی۔پھر ایک موقع پر گہرام نے اپنے چاروں شانے چت وجود کو جھٹکے سے پلٹا۔۔۔اب وہ وسان کے اوپر تھا۔مگر۔۔۔وسان نے اپنے مضروب وجود کی پوری طاقت ایک بازو پر مجتمع کرتے ہوئے رائفل پر گرفت مضبوطی سے جما رکھی اور تب پھر اچانک گہرام نے اپنے سر کی بھرپور ٹکر وسان کی ناک پر ماری۔وسان ایک لمحے کو بلبلا اٹھا۔۔۔رائفل پر

Marfat.com

اس کے ہاتھ کی گرفت ذرا ڈھیلی پڑنے لگی تو گہرام نے اپنے دونوں ہاتھوں سے ایک جھٹکے کے ساتھ اس سے رائفل جھپٹ لی۔وسان کا چہرہ تاریک پڑ گیا۔گہرام رائفل پر کامیابی سے اپنا قبضہ جمائے کھڑے ہونے کی کوشش کرنے لگا تو۔۔۔اچانک اسے اپنے سر پر قیامت ٹوٹتی محسوس ہوئی۔۔۔۔اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔وسان نے اس کے عقب میں کھڑی نوراں کو دیکھ لیا جس کے ہاتھ میں رائفل تھی۔جو وسان ہی کی تھی اور اس نے گہرام کی دھمکی پر پھینکی تھی اور جانے کسی وقت نوراں نے اپنے شوہر کو خطرے میں بھانپ کر اسے اٹھالیا تھا۔گہرام کے عقب میں اس نے رائفل کو نال سے پکڑ کر لٹھ کی طرح گھما کر اس کا ٹھوس کندھا ذلیل صفت گہرام کے سر پر دے مارا تھا۔وسان کیلئے اتنا ہی موقع کافی تھا۔اس نے پھر کھڑے ہونے میں دیر نہیں لگائی ادھر نوراں نے دوبارہ رائفل سے لٹھ کا وار کیا۔تو گہرام کو اپنے کندھے کی ہڈی ٹوٹتی ہوئی محسوس ہوئی وہ۔۔۔حلق کے بل چیخا وسان نے لڑکھڑاتے گہرام کے ہاتھ سے رائفل جھپٹ لی۔۔۔گہرام کو ہوش آیا تو وہ۔۔۔غرا کر نوراں کی طرف جھپٹا۔۔۔مگر وسان نے اس پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔گہرام کے حلق سے دلخراش چیخ ابھری اور وہ۔۔۔وہیں نوراں کے قدموں میں گر کر چند ثانیے تڑپنے کے بعد ٹھنڈا پڑ گیا۔نوراں نے انتہائی نفرت سے اس کے مردہ چہرے پر تھوک دیا وسان نے رائفل پھینک دی۔نوراں تڑپ کر اس کی طرف بڑھی۔

''سائیں۔۔۔!تت۔۔۔۔تم۔۔۔''

''کچھ نہیں ہوا ہے۔نوراں؟'' وسان کے تھکے تھکے سے لہجے میں از حد طمانیت تھی۔

''مم۔۔۔مگر سائیں۔۔۔!تم بہت زخمی ہو۔۔۔۔؟'' نوراں پر تشویش لہجے میں بولی۔تو وسان نے اسے اپنی اجرک اتار کر دی اپنے زخمی بازو کے گرد لپیٹنے کو کہا۔نوراں نے جلدی جلدی۔۔۔وسان کے خون آلود بازو میں اجرک کی لیریں

Marfat.com

پھاڑ کر لپیٹ دیں۔ پھر وسان نوراں کو اپنے دائیں بازو سے قریب کرتے ہوئے عجیب سی طمانیت بھرے لہجے میں بولا۔

"نوراں ۔۔۔ظلم کی سیاہ رات تمام ہوئی۔۔۔آؤ۔۔۔سڑک اب زیادہ دور نہیں۔۔۔"

وہ دونوں ایک دوسرے کے سہارے شہر جانے والی سڑک کی طرف چل دیے۔

☆.....ختم شد.....☆

Marfat.com

دشت پرخار

تاریک رات اپنے پنجے، لق ودق صحرا میں گاڑ چکی تھی۔ پوری تاریخوں کا چاند کسی سوگوار ناری کے تلک کی طرح آغوش پر اٹکا ہوا تھا، اس کی اُداس روشنی ریتلے ٹیلوں پر عجیب پراسراریت سی طاری کر رہی تھی۔

یوں لگ رہا تھا جیسے چاند نے ستاروں کی فوج سمیت آسمان پر یلغار کر رکھی ہو، پورے ماحول پر ایسا مہیب سناٹا طاری تھا جیسے ابھی ابھی ان گنت خوفناک بلائیں چیختی چنگھاڑتی ہوئی گزری ہوں غرض چہار سو دور نزدیک ایک سحر کی سی کیفیت رچی ہوئی تھی، کسی انہونی کے ہو جانے کا سا احساس ہو رہا تھا۔

معاً قریبی ٹیلے پر ایک جھجھرا سا گیدڑ نمودار ہوا اور میکانیکی انداز میں اپنی

Marfat.com

تھوتھنی چاند کی جانب اٹھا کر زور سے اپنی منحوس آواز میں چلایا تو گھمبیر سناٹے کی چادر دور تک چرتی چلی گئی۔

یہ تھر کا ریگستان تھا، جس کی آغوش' شب میں ممتا کی طرح ٹھنڈی اور دن میں پدرانہ شفقت کی طرح گرم جوش ہوتی ہے۔دن بھر چلنے والی بادسموم اب خنکی میں ڈھل کر تھوہر اور آک بوہ کے پودوں میں سرسرا رہی تھی، ذرا قریب ایک بڑے سے جبل بھٹ (ریتیلا ٹیلا) پر اگی ہوئیں کنڈ باوری کی جھاڑیوں میں گھبرایا ہوا جنکارہ اپنی تھوتھنی دبکائے، چندھی آنکھوں سے سامنے ذرا فاصلے پر کیکر تلے بنی ایک کٹیا کو تکے جا رہا تھا جس کے اندر سے دھیمی دھیمی روشنی پھوٹ رہی تھی اور ساتھ ہی کسی کے رونے، سسکنے کی آوازیں بھی آ رہیں تھیں۔

اس دور افتادہ صحرا میں رونے اور سسکنے کی آوازیں عجیب اور پراسرار سا سماں پیدا کر رہی تھیں۔

کٹیا کے اندر دیے کی روشنی میں ایک مجذوب سا شخص اپنا جھاڑ جھنکاڑ بالوں والا سر گھٹنوں میں دیئے سسک رہا تھا، وہ گہری سانولی رنگت کا ایک نوجوان شخص تھا اس کے علاوہ دو افراد بھی اس کے قریب سامنے کھجّی کی چٹائی پر بیٹھے تھے، وہ اپنے حلیے سے ہاری دکھائی دے رہے تھے۔ان کی رنگت بھی سانولی تھی۔انہوں نے ستر پوشی کے طور پر ایک میلی سی لاک (تہبند) اور خستہ سی صدری پہن رکھی تھی۔مذکورہ افراد میں سے ایک جو نسبتاً عمر رسیدہ تھا اور کافی روہانسا ہو رہا تھا۔جبکہ دوسرا خاموش تھا۔

''رے سانول۔۔۔تیکوں (تجھے) کیا ہو گیا ہے رے۔۔۔یہ۔۔۔تو نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے؟'' بوڑھا شخص دلگیر لہجے میں نوجوان مجذوب سے بولا۔

یہ اس کا باپ مٹھل تھا جو سانول کی حالت پر کڑھا جا رہا تھا وہ دوبارہ بولا۔

''مینڈا پٹ (میرے بچے) میکوں ڈس تو سہی (مجھے بتا تو سہی) تیکوں آخر کیڑا (کونسا) روگ لگا ہے کہ بالکل ہی بیگانہ ہو گیا ہے رہے تو۔۔۔اپنے پیو

Marfat.com

(باپ) کو بھی کچھ نہیں بتائے گا۔"

اپنے باپ کی بات سن کر سانول نے اپنا سر اٹھایا تو اس کی ویران آنکھیں پیش منظر کی بجائے پس منظر کی کسی غیر مرئی شے کو تکتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ جب اس نے بولنا شروع کیا تو اس کا لفظ لفظ گہرے دکھ اور درد کی غمازی کر رہا تھا۔

"بابا تو۔۔۔ یہاں نہ آیا کر۔۔۔ تو چلا جا، مجھے اکیلا چھوڑ دے، میرے حال پہ۔۔۔"

"کیسے چھوڑ دوں رے۔۔۔ تیکوں میں ہتھے (یہاں) اکیلا۔" اس کا باپ یکدم بھڑک اٹھا۔

"تو میری عمر بھر کی کمائی ہے پٹ۔۔۔ اپنے کڑیل پٹ کو اس حال میں دیکھ کر کس باپ کا جگر نہیں کٹتا ہوگا رے۔۔۔"

"بابا۔۔۔ میکوں احساس ہے۔ پر میں کے کرساں (کیا کروں) میکوں ہتھے سکھ ملتا ہے۔" سانول نے بے بسی سے جواب دیا۔ پھر توقف سے بولا۔

"بابا۔۔۔ تو میکوں جیندہ دیکھنا چاہتا ہے تو مجھے ہتھے پڑا رہنے دے۔"

سانول نے اتنا کہہ کر اپنا سر دوبارہ گھٹنوں کی طرف جھکا دیا۔ اب اس کی ویران آنکھوں میں نمی سی اتر آئی تھی۔ اس کا باپ اپنا دل مسوس کر رہ گیا، وہ دراصل اپنے بیٹے کے ساتھ زبردستی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کا بیٹا ضد کا پکا ہے اس کے باوجود وہ اسے واپس گھر لے جانے کے لیے آجاتا تھا، دوسرا شخص اس بوڑھے کا چھوٹا بھائی تھا جو رشتے میں سانول کا چچا لگتا تھا۔ اس کا نام پیرل تھا۔۔۔ وہ ایک موقع پرست تھا اور لالچی شخص تھا۔۔۔ مگر اس وقت وہ خاموشی سے باپ بیٹے کی گفتگو سن رہا تھا۔

بوڑھے مٹھل کو آج تک یہ بات سمجھ میں نہ آئی تھی کہ اس کے جوان بیٹے کو آخر ہوا کیا ہے؟ کیونکہ اس سے قبل سانول بھلا چنگا اور گوٹھ کے عام نوجوانوں کی

Marfat.com

طرح کھلنڈرا سا ہوا کرتا تھا مگر پھر اچانک کیا ہوا کہ اپنا گھر بار ماں باپ، بھائی بہن، سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بیراگیوں کی طرح اس ویران صحرا میں آن بسا۔ اسکی اس حرکت سے اس کے باپ کو بڑا رنج پہنچا تھا۔ گوٹھ کے کچھ لوگوں کا کہنا تھا کہ اس پر کسی جن، جھپٹ کا سایہ ہے، بعض تو سانول کی ملنگوں والی کیفیت دیکھ کر اسے پیر فقیر سمجھنے لگے تھے اور منتوی مرادوں کے ساتھ اس کے ''آستانے'' (جھونپڑی) حاضری دینے لگے تھے مگر سانول ہر شے سے لاتعلق اور بیگانہ اپنے حال میں مست رہتا۔

غرض کوئی نہیں جانتا تھا کہ اچھے بھلے نوجوان سانول کو آخر ایسا کون سا روگ لگا ہے کہ وہ ہر چیز سے بالکل بیگانہ ہو گیا تھا، نا ہی وہ خود کسی کو کچھ بتاتا تھا۔

اپنے بیٹے سانول سے مایوس ہو کر بالآخر اس کا بوڑھا باپ مٹھل جھونپڑی سے باہر نکل گیا۔

البتہ اس کا چاچا پیرل وہاں موجود تھا، وہ اب تک خاموش رہا تھا مگر اپنے بڑے بھائی کے جھونپڑی سے نکلتے ہی اسکی آنکھوں میں یکدم ایک عجیب سی چمک عود کر آئی۔ وہ اپنے ہاتھ میں پکڑی پھولدار پوٹلی میں بندھے ایک برتن کو باہر نکالتے ہوئے سانول سے خوشامدی لہجے میں بولا۔

''رے ۔۔۔بالک ۔۔۔تو غم نہ کر ۔۔۔یہ لے۔ ۔۔یہ کھمبیوں کا بوڑ (سالن) لایا ہوں میں تیرے واسطے ۔۔۔تجھے پسند ہے نا۔۔۔!'' یہ کہہ کر چاچا پیرل اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے سانول کو دیکھنے لگا پھر اسے خاموش پا کر پینترا بدلتے ہوئے ملائمت سے دوبارہ بولا۔

''ویسے سانولے ۔۔۔تیکو ھیک گل دساں (تجھے ایک بات بتاؤں) پورے گوٹھ میں تیرے چرچے ہو رہے ہیں' تیکو سب ''بھٹ سائیں، بھٹ سائیں'' آکھنے لگے ہیں۔''

''چاچا۔۔۔اللہ واسطے تو چلا جا یہاں سے، مجھے اکیلا چھوڑ دے۔'' بالآخر

Marfat.com

سانول اس کی چرب زبانی سے بیزار ہو کر بولا۔

''چاچا۔۔۔میں خود عاجز بندہ ہوں، گناہگار ہوں۔۔۔اللہ سائیں میکو معاف کرے۔''

اس کی بات سن کر پیرل اپنا سامنہ لے کر جھونپڑی سے باہر نکل گیا در حقیقت پیرل ایک حریص شخص تھا۔اس نے یہی سوچا تھا کہ کسی طرح سے اپنے مجذوب بھتیجے کو بہلا پھسلا کر پیری، مریدی کی جانب راغب کر کے خود اس کا معتمد خاص بن کر سادہ لوح لوگوں سے کچھ بٹورتا رہے مگر سانول کے جواب نے اسے مایوس کر دیا تھا۔اندر سے سانول کی درد بھری آواز ابھر رہی تھی، وہ شاہ عبداللطیف کی لازوال شاعری گنگنا رہا تھا۔

وہی بھید بقا کا پائیں
ہو گئے جو نابود
وہی پہنچے در پہ تیرے
بھولے جو بھی وجود
کرم ہو تیرا گمراہوں پر
آن کریں وہ سجود

☆.....☆.....☆

قرمزی پتھروں سے بنی یہ حویلی اپنے مکینوں کی شان جیسی بلند تھی مگر اس ریگستانی گاؤں کی سرزمین پر جہاں سرکنڈوں اور کچے پکے ڈھلوان چھتوں والے گھر اور جھونپڑیاں بنی ہوئی تھیں، ان کے بیچ یہ حویلی عجیب سا تاثر پیش کر رہی تھی۔

یہ حویلی ایک اونچے ٹیلے پر بنی ہوئی تھی حویلی کے دیوہیکل دروازے پر مسلح گارڈ مستعدی سے جدید ساخت کی گنیں تھامے کھڑے تھے، ان کے چہرے خاکستری اور مونچھیں صحرائی بچھو کے ڈنک کی طرح مڑی ہوئی تھیں۔حویلی کے کشادہ احاطے

Marfat.com

میں سفید رنگ کی بجیر و کھڑی تھی، اس بلند و بالا حویلی کے در و بام، غلام گردشوں اور چکردار زینوں کے درمیان ایک بڑے سے ہال نما کمرے میں اس وقت درباری سناٹا طاری تھا، کمرے کی دیواروں پر خاندان کے پرکھوں کی رعونت آمیز تصاویر بڑے بڑے فریموں میں لگی ہوئی تھیں، نایاب حنوط شدہ پرندوں کے مجسمے، مور کے پر اور جانوروں کے بڑے بڑے سر کے علاوہ چیتوں کی کھالیں بھی کمرے کی گھمبیر فضاء کو پُر رعب بنانے میں معاون ثابت ہو رہی تھیں۔ غرض کمرے کی تزئین و آرائش میں استعمال ہونے والی تمام اشیاء سے ایک دبدبہ اور خاص حد تک سخت گیری نمایاں تھی۔

وسیع کمرے کے بیچوں بیچ دبیز قالین پر بچھے ایک شاندار اور قدرے اونچے صوفے پر ایک بھاری بھرکم اور غلافی آنکھوں والی شخصیت براجمان تھی جس کی گھنی داڑھی اور اٹھی مونچھیں اس کا رعب اور آنکھوں کی رعونت کو نمایاں کر رہی تھیں۔ کلف لگے بیش قیمت شلوار سوٹ اس کے مزاج کے اکڑاؤ کی غمازی کر رہے تھے، ہاتھوں کی انگلیوں میں طلائی اور یاقوت جڑی انگوٹھیاں بھی اپنی چمک دمک ظاہر کر رہی تھیں۔ یہ ایک بااثر وڈیرا رئیس جونگل خان تھا اور اس کے برابر والے صوفے پر اپنی بھرپور توند کے ساتھ ڈی ایس پی سبھاگو خان دھنسا ہوا تھا۔ ان کے قریب ہی ایک خاصی چوڑی سی ٹیبل پر اشیائے خورد و نوش رکھی ہوئی تھیں اور چربیلا فربہی مائل ڈی ایس پی ایک سالم پٹھور بھنبھوڑنے میں مصروف تھا، سامنے قطار کی صورت میں مفلوک الحال ہاری اور مزارعوں کے علاوہ خدمت چاکری کرنے والے کچھ ملازمین بھی ہاتھ باندھے مودب کھڑے تھے۔

اتنے میں ایک خستہ حال مجہول سا شخص ہاتھ جوڑے وڈیرا جونگل خان کے سامنے آیا اور تقریباً گڑگڑاتے ہوئے بولا۔

"سس۔۔۔سائیں۔۔۔وڈا۔۔۔بھوتار۔۔۔مم۔۔۔میری

Marfat.com

ھک (ایک) عرضی ہے۔۔۔وہ۔۔۔میری زال (بیوی) ڈھکی (امید سے) ہوگئی ہے۔۔۔وہ۔۔۔وہ۔۔۔"

"اڑے بابا جبل۔۔۔" وڈیرا رئیس جونگل خان زور سے دھاڑا اور قریب ہی مودب کھڑا منحنی سا ایک شخص باریک تار کی طرح جھنجھنا اٹھا، اس کا پورا نام جبل سندھو تھا، وہ وڈیرے کا بیک وقت منشی اور مصاحب خاص تھا۔ مستعدی سے بولا۔

"حاضر سائیں۔۔۔"

"اڑے بابا۔۔۔کیا مسئلہ ہے اس کا" وڈیرا جونگل خان خشونت سے بولا۔

"سائیں وڈا۔۔۔وہ ہے نا۔۔۔عجیباں۔۔۔مائی عجیباں۔۔۔جیسے آپ نے چھوٹی وڈیرانی کی کھدمت کے واسطے رکھا ہے۔۔۔وہ۔۔۔"

"جبل۔۔۔" جونگل خان ایک بار پھر گرجدار آواز میں دھاڑا اور منشی نے کچھوے کی طرح اپنی گردن شانوں کے بیچ دبالی۔

"بابا تو اتنی تفصیل میں کیوں جاتا ہے۔۔۔اپنا بندوبست کروانا ہے تو بتا بابا۔۔۔"

وڈیرے کی بات سن کر منشی نے بغیر تمہید کے بولنا شروع کر دیا۔

"سس۔۔۔سائیں وڈا۔۔۔یہ کہہ رہا ہے کہ اس کی زال ڈھکی ہے، اسے آرام کے لیے کچھ دنوں کی چھٹی چاہیے۔"

"چنگا بابا چنگا۔۔۔" وڈیرا اس کی بات سن کر بولا اور گویا حکم صادر کرتے ہوئے کہا۔

"تم اپنی بیٹی بھاگ بھری کو حویلی میں بھیج دینا۔۔۔وہ اپنی ماں کی جگہ کام سنبھال لے گی۔"

اتنا کہہ کر وڈیرا جونگل ایک دوسرے شخص کی جانب متوجہ ہوا جس نے اجرک کی پگڑی باندھ رکھی تھی۔

Marfat.com

''ہاں بابا۔۔۔ہاتو۔۔۔عمر کوٹ اور سمارو کی بنیوں (کھیتوں اور زمینوں) کا حساب دے۔۔۔خالقو بتا رہا تھا کہ تو بنیوں کو دیر دیر سے بیاہتا ہے، بواتا ہے۔''

ادھر وہ مجہول سا بے چارہ بوڑھا فریادی جواباً کچھ کہنا چاہتا تھا مگر وڈیرے کا روئے سخن دوسری جانب ہوتے دیکھ کر وہ خاموشی سے پیچھے ہٹ گیا اور ادھر وڈیرے نے جسے ہاتو کہہ کر مخاطب کیا تھا، وہ اب ذرا قریب آ چکا تھا۔اس نے اجرک کی پگڑی اپنے سر سے اتاری، اب اس کے سر پر شیشوں کے کام والی سندھی ٹوپی نظر آ رہی تھی وہ اسے درست کرتے ہوئے بولا۔

''سائیں بھوتار۔۔۔۔ایک بری خبر لایا ہوں۔''

''اڑے پہلے جو پوچھا ہے وہ بتا۔۔۔۔زمینیں کیوں سوکھی پڑ رہی ہیں آخر۔۔۔''وڈیرا کرختگی سے گونجیلی آواز میں بولا۔

''سائیں اس بات کا تعلق اس بری خبر سے ہے جو میں لایا ہوں۔''ہاتو نے اسی روانی سے جواب دیا۔لگتا تھا وہ وڈیرے کے لہجے کا عادی تھا۔

''اڑے بابا پھر۔۔۔بولتا کیوں نہیں ہے۔۔۔کیا بری خبر ہے بھلا ہم سے بھی بری کوئی خبر ہو سکتی ہے۔''

وڈیرا اس کی بات سن کر رعونت سے بولا اس کی گھنی اور بڑی بڑی مونچھیں کھرکھرا رہی تھیں اور آنکھوں میں شکرے جیسی چمک عود کر آئی تھی۔

''سائیں وڈا۔۔۔عمر کوٹ کی زمینوں کے لیے جو واٹر کورس منظور کروائے تھے نا آپ نے۔۔۔وہ سب سرکار نے منسوخ کر دیئے ہیں، ابھی ہم اسکی مرمت ہی کروا رہے تھے کہ۔۔۔''

''جبل۔۔۔''وڈیرا جونگل نے قدرے بلند آواز میں جبل کو پکارا اور ہاتو اپنی بات کا گلا گھٹتے دیکھ کر ایک طرف ہٹ گیا۔

''حاضر سائیں۔۔۔''جبل اپنے مخصوص لہجے میں بولا۔

Marfat.com

''سیکرٹری آب سے بات کراؤ۔''

''حاضر سائیں۔۔۔''

منشی کو حکم دینے کے بعد وڈیرا جونگل خان اپنے قریب بیٹھے ڈی ایس پی سبھا گو خان سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔

''دیکھ رہے ہو نا۔۔۔ڈی ایس پی صاحب۔۔۔ہم سیاست سے آوٹ کیا ہوئے کہ مخالفین نے ہمارے آگے روڑے اٹکانے شروع کر دیئے۔''

اس کی بات پر سبھا گو خان گویا فلسفانہ انداز میں جواباً بولا۔

''جونگل سائیں۔۔۔سیاست کا سورج تو بس ایسا ہی ہوتا ہے۔۔۔چڑھتا ہے تو لوگ پوجتے ہیں اترتا ہے تو بھولتے ہیں۔''

''مگر ڈی ایس پی صاحب۔۔۔ہم سیاست سے نہیں ہیں۔۔۔سیاست ہم سے ہے۔'' وڈیرا آخر میں اپنی گھنی مونچھوں کو مڑورتے ہوئے بولا۔اتنے میں منشی جبل نے جونگل کو موبائل تھماتے ہوئے کہا۔

''بھوتار سائیں۔۔۔سیکرٹری صاحب لائن پر ہیں۔''

''ہالو بابا۔۔۔سیکرٹری صاحب۔۔۔'' وڈیرا جونگل منشی سے موبائل لیتے ہوئے بولا۔

''ہاں جی ۔۔۔وڈیر اسائیں ۔۔۔کیسے ہیں مزاج ۔۔۔کیسے یاد فرمایا۔'' دوسری جان سے سیکرٹری کی دوستانہ آواز ابھری تھی۔

''بابا۔۔۔تم سناؤ پہلے ۔۔۔کیسے ہو۔۔۔آؤنا۔۔۔کبھی گوٹھ۔۔۔ہماری کچہری کو بھی رونق بخشو نا بابا۔۔۔آج کل تو بھٹ تیتروں کا موسم ہے، یہاں کوئی شکار وکار ہی ہو جائے۔''

''بہت بہت شکریہ جونگل سائیں ۔۔۔ضرور آئیں گے ۔۔۔آپ سنائیں کیسے یاد کیا؟'' سیکرٹری نے گویا فوراً مطلب کی بات پر آتے ہوئے پوچھا۔

Marfat.com

''بابا۔۔۔وہ ہمارے کچھ واٹر کورس منسوخ ہو گئے ہیں حالانکہ ہمارا صوبائی سرکار سے یہ معاہدہ ہوا تھا کہ ہم سارے واٹر کورس اپنی مدد آپ کے تحت تعمیر کروائیں گے۔۔۔اب اس پر ہمارا لاکھوں کروڑوں لگ چکا ہے تو اچانک معلوم ہوا ہے کہ یہ منسوخ کر دیئے گئے ہیں۔۔۔آخر کیا معاملہ ہے یہ۔۔۔''جونگل خان نے اپنی بات ختم کی تو دوسری جانب چند ثانیے خاموشی چھائی رہی پھر سیکرٹری کی دوبارہ آواز سنائی دی۔

''ہاں۔۔۔آپ کی بات درست ہے۔۔۔۔دراصل اعلیٰ سطح پر کچھ ہنگامی تبدیلیاں ہوئی ہیں۔۔۔آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ اس قسم کی سیاسی تبدیلیوں کے ہونے سے کچھ مسائل بھی جنم لیتے ہیں۔۔۔مگر سب وقتی ہیں۔۔۔وقت کے ساتھ ساتھ سب سرد پڑتا جائے گا لہذا آپ بے فکر رہیں۔۔۔میں آپ کا کام کرنے کی کوشش کروں گا۔''

''بہت مہربانی سیکرٹری صاحب بس یہی کہنا تھا۔''وڈیرا بات ختم کرنے کی غرض سے آخر میں بولا اور پھر چند اختتامی کلمات ادا کرنے کے بعد اس نے موبائل دوبارہ منشی کو تھما دیا۔

جونگل خان کو فارغ پا کر قریب بیٹھا ڈی ایس پی گلا کھنکارتے ہوئے فی الفور بولا۔''جونگل سائیں۔۔۔آپ کے پاس ایک گزارش لے کر حاضر ہوا تھا اگر آپ تنہائی میں چند منٹ میرے ساتھ گزار لیں تو عنایت ہوگی۔''

''ہاں۔۔۔ہاں۔۔۔بابا کیوں نہیں۔''

جونگل خان فراخدلی سے بولا۔اس کے بعد اس نے اپنے قریب بوتل کے جن کی طرح کھڑے منشی کو مخصوص اشارہ کیا اور پھر چند ہی لمحے بعد کمرے میں ان دونوں کے سوا اور کوئی نہ رہا۔

''ہاں بابا۔۔۔ڈی ایس پی صاحب۔۔۔!اب بولو۔''جونگل خان کچھ دیر

Marfat.com

بعد اسے مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

''سائیں ۔۔۔وہ چھلگری والا معاملہ ہے ذرا۔۔۔''سبھا گو کچھ جھجکتے ہوئے بولا۔

''ہالا بابا ہالا۔۔۔بولو۔۔۔میں سن رہا ہوں۔''جونگل خان بولا۔

سبھا گو خان نے اندازہ لگایا کہ اس کی بات پر جونگل خان کی بھنویں ذرا تن گئی تھیں تاہم اس نے کہنا شروع کیا۔

''جونگل سائیں۔۔۔آپ کو تو معلوم ہی ہوگا کہ دھاڑیل (ڈاکو) احسان چھلگری اور اس کے گروہ کا قلع قمع کرنے کے لیے اعلیٰ احکام نے مجھے ذمہ داری سونپی تھی مگر میں نے مصلحتاً خود کو اس ذمہ داری سے بچا لیا تھا اگرچہ بعد میں میری نوکری بھی خطرے میں پڑ گئی تھی۔مگر اب مسئلہ یہ ہے کہ وہی ذمہ داری میرے داماد سکندر علی کو سونپ دی گئی ہے، وہ جوان ہے اور نووارد ہے۔سمجھ میں نہیں آتا کہ محکمہ نے اتنی بڑی ذمہ داری اسے اتنی آسانی سے کیوں سونپ دی۔۔۔دراصل وہ خود بھی ذرا جوشیلا سا ہے۔۔۔مگر میں جانتا ہوں کہ یہ کام اس کے بس کا نہیں۔۔۔آپ مہربانی فرما کر ذرا چھلگری کو انڈر گراؤنڈ کر دیں کچھ وقت کے لیے۔۔۔تب تک میں اپنے داماد کو اس سے باز رکھنے کی کوشش کروں گا۔''

ڈی ایس پی سبھا گو خان نے اپنی بات ختم کی تو وڈیرا جونگل خان کے چہرے پر اس کی بات سے ایک تناؤ سا آتا چلا گیا پھر بتدریج اس کا چہرہ پرسکون ہونے لگا تب اس نے پرخیال انداز میں ایک لمبی ''ہوں۔۔۔ں۔۔۔ں'' کی آواز منہ سے نکالی۔

نجانے کیوں سبھا گو خان نے اس کی اس لمبی ''ہوں'' میں سنسنی سی محسوس کی وہ بغور جونگل خان کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔۔۔فضاء میں ایک لمحے کو تناؤ کی سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔

Marfat.com

چند لمحے اعصاب شکن خاموشی کے بعد جونگل کھر کھراتی آواز میں بولا۔
''اڑے بابا۔۔۔ڈی ایس پی صاحب۔۔۔آپ نے تو سیدھے سیدھے میرا تعلق بدنام زمانہ دھاڑیل چھلگری سے جوڑ دیا۔''
''نہیں۔۔۔نہیں سائیں یہ بات نہیں ہے۔''سبھا گوخان فوراً بات بناتے کی غرض سے بولا۔
''دراصل آپ علاقے کے بااثر شخص ہیں۔۔۔سارے تر (اندرونی علاقے) میں آپ کی پہچان اور شان ہے۔۔۔آپ کا کہا ٹالنے کی بھلا کسی کو جرات ہو گی ،ایک اطلاع کے مطابق چھلگری اسی علاقے کا رھواسی (رہنے والا) ہے تو۔۔۔''
''ہالا بابا ہالا۔۔۔میں سمجھ گیا۔۔۔تم بے فکر رہو۔''وڈیرا جونگل اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا اور سبھا گوخان جیسے کھل اٹھا۔
''بہت مہربانی۔۔۔وڈیرا سائیں۔۔۔بعض اوقات یاروں کے بیچ ایسا موڑ بھی آنے لگتا ہے کہ کچھ ذاتیات ایک دوسرے سے ٹکرانے لگتی ہیں۔۔۔میں بس اسی صورت حال سے گھبراتا ہوں ذرا۔۔۔سبھا گوخان نے جیسے عذر پیش کیا۔
''تم ٹھیک کہتے ہو۔۔۔ڈی ایس پی۔۔۔ہم بھی نہیں چاہتے کہ ہم لوگوں کے بیچ کوئی ایسا موڑ آئے۔۔۔تم بے فکر رہو۔۔۔ہماری بھی یہی کوشش ہو گی کہ ہماری دوستی کے بیچ کوئی ایسا موڑ نہ آئے۔''
''بہت بہت شکریہ۔۔۔سائیں۔۔۔اب مجھے تسلی ہو گئی ہے۔''سبھا گو خان قدرے خوش ہو کر بولا۔
''ویسے تمہارے داماد سکندر علی کے جگرے کو بھی داد دینی چاہیے جو احسان چھلگری جیسے دھاڑیل سے ٹکرانے کا بیڑا اٹھایا ہے۔''وڈیرا جونگل آخر میں عجیب سے لہجے میں بولا۔

Marfat.com

''بس سائیں ۔۔۔نوجوان ہے نا۔۔۔ابھی ناتجربے کار ہے ۔۔۔میں اسے دھیرے دھیرے سمجھادوں گا۔'' سبھا گون خان نے فوراً جواب دیا۔

''چلوٹھیک ہے۔۔۔تمہارداماد بھی ہمارا بچہ ہے بابا۔۔۔۔ویسے اسے یہ بھی سمجھا دینا کہ پولیس کی وردی پہن لینے سے کوئی تیس مار خان نہیں بن جاتا۔'' وڈیرا جونگل خان معنی خیز لہجے میں بولا اور سبھا گوخان خاموش ہورہا اگر چہ اسے یہ بات بری لگی تھی مگر وہ پی گیا تھا۔تاہم اس کے دل کو اب تسلی ہوگئی تھی۔کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ڈاکو احسان چھلگری کو کس کی پشت پناہی حاصل تھی۔

احسان چھلگری اس علاقے کا بدنام اور خطرناک ڈاکو تھا،اس نے ایک عرصے سے انتظامیہ کی ناک میں دم کررکھا تھا،کئی پولیس افسروں نے اس کی اور اس کے گروہ کی سرکوبی کا بیڑا اٹھایا مگر انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا بلکہ اکثر تو اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔

ڈی ایس پی سبھا گوخان کا داماد انسپکٹر سکندر علی ایک نڈر اور فرض شناس پولیس آفیسر تھا،اس نے پولیس کے محکمے میں سفارش کی بنیاد پر ترکی نہیں کی تھی۔بلکہ اپنی بہادری اور دلیری کی بنیاد پر وہ اس مقام پر پہنچا تھا کہ حکام نے اس کی سابقہ کامیاب قیادت اور بہادرانہ صلاحیت وخدمات کو دیکھتے ہوئے اسے چھلگری جیسے خطرناک ڈاکو جس کے سر کی قیمت لاکھوں روپے تک پہنچ چکی تھی،کو نیست ونابود کرنے کے لیے ایک اینٹی ڈکیت فورس قائم کر کے اسے اس کا لیڈر منتخب کیا تھا مگر سبھا گوخان نہیں چاہتا تھا کہ اس کا جواں سالہ داماد اس خطرناک مہم میں اپنی جان کو خطرے میں ڈالے۔وہ جانتا تھا کہ سکندر اس کی اکلوتی بیٹی رضیہ کا شوہر ہے اگر خدانخواستہ اسے کچھ ہوگیا تو اس کی اکلوتی اولاد رضیہ یہ غم سہہ نہیں سکے گی اور وہ اپنی بیٹی کو اتنے برے دکھ میں مبتلا دیکھ نہیں سکتا تھا۔

بہرحال وہ جب وڈیرا جونگل کی حویلی سے واپس لوٹا تو خاصا مطمئن تھا۔

Marfat.com

☆.....☆.....☆

''کب تک آ جاؤ گے۔۔۔؟'' دبلی پتلی مگر قدرے نازک اندام رضیہ اپنے پولیس افسر شوہر سکندر علی کو حسب معمول پیٹی، پستول تھماتے ہوئے پوچھا۔

سکندر وردی پہن چکا تھا اور ناشتے وغیرہ سے بھی فارغ ہو چکا تھا، وہ ایک تیس پینتیس سالہ گھبرو جوان تھا، اس کی روشن آنکھوں میں کچھ کر دکھانے کی پر جوش امنگیں کروٹیں لیتی محسوس ہو رہی تھیں، وہ دوسرے پولیس افسروں کے مقابلے میں بالکل مختلف تھا وہ اپنی ذمہ داریوں کو بخوبی انجام دیتا تھا یہی وجہ تھی کہ جب محکمے نے چھلگری کے گروہ کا قلع قمع کرنے کے لیے سکندر علی کا انتخاب کیا تو وہ بجائے دوسرے افسروں کی طرح اس ذمہ داری سے پہلو تہی کرنے کے فوراً سر تسلیم خم ہو گیا۔ اگر چہ اس کے سر ڈی ایس پی سبھا گو خان نے اسے اس مہم پر جانے کے لیے باز رکھنا چاہا حتیٰ کہ اس نے اس کی بھی سعی کی کہ حکام بالا تک سفارش پہنچا کر سکندر کو اس خطرناک مہم سے بچایا جائے مگر خود سکندر علی نے واشگاف انداز میں اپنے سر کو ایسا کرنے سے منع کر دیا تھا۔ سکندر علی خود بھی جانتا تھا کہ چھلگری کتنا عیار اور خطرناک مجرم ہے، جو نہ صرف ڈپارٹمنٹ بلکہ صوبے کی پولیس اور انتظامیہ کے لیے ایک شرمناک چیلنج بن چکا تھا مگر اسے اپنے اللہ پر بھروسہ تھا، اسے اس بات پر یقین کامل تھا کہ ایک جائز کام کے لیے خدا اس کی مدد ضرور کرے گا مگر اس کی بیوی رضیہ پریشان سی رہنے لگی تھی۔

وہ رضیہ سے پیٹی، پستول لیتے ہوئے بولا۔

''تو روز ایک ہی بات کیوں پوچھتی ہے، تجھے پتہ ہے کہ آج کل نہ میرے آنے کا کوئی وقت ہے اور نہ جانے کا۔۔۔''

چند لمحوں بعد وہ اپنی پیٹی، پستول اپنی کمر کے گرد باندھ چکا تو مزید بولا۔

''ویسے آج کل میں چھلگری والے کیس میں کچھ زیادہ مصروف ہوں۔''

''سکندر! اپنا خیال رکھا کرو۔۔۔ جانے کیوں مجھے کبھی کبھی ہول سا آتا

Marfat.com

ہے۔۔۔یہ۔۔۔ڈاکولوگ بڑے سفاک اور ظالم ہوتے ہیں اور چھلگری سے تو بچہ بچہ واقف ہے کہ وہ کتنا خطرناک ڈاکو ہے۔۔۔ابو کی بات آپ مان ہی لیں اور اس کیس سے دستبردار ہو جائیں۔۔۔اس سلسلے میں ابو بھی آپ کی مدد کر سکتے ہیں۔"

"نہیں رضیہ۔۔۔" سکندر علی اپنی بیوی کی پوری بات سن کر قطعیت بھرے لہجے میں بولا۔

"اسی طرح اگر ہم خوفزدہ ہو کر اپنی ذمہ داریوں سے چشم پوشی کرتے رہیں گے تو ایک وقت ایسا آئے گا کہ ہمارے پورے معاشرے میں یہ خطرناک مجرم آزادی سے دندناتے پھریں گے اور انہیں لگام ڈالنے والا کوئی نہ ہوگا۔"

اس کی بات سن کر رضیہ اپنا موقف بیان کرتے ہوئے بولی۔

"کیا ساری ذمہ داریاں آپ ہی کے لیے رہ گئی ہیں۔۔۔آخر کو محکمے میں اور بھی کئی سینئر افسران موجود ہیں۔۔۔مجھے تو حیرت ہوتی ہے کہ انہوں نے تو خود کو اس ذمہ داری سے صاف بچا لیا مگر آپ نے اس سلسلے میں کوئی ایسا قدم نہ اٹھایا۔"

"رضیہ! میں صرف تم سے کہوں گا کہ مجھے دوسرے لوگوں کی صف میں نہ کھڑا کیا کرو۔" سکندر علی سنجیدگی سے بولا اور پھر کچھ توقف کے بعد بولا۔

"تم جانتی ہو کہ میں اپنے فرض کو فرض سمجھتا ہوں۔۔۔جیسے میں نے ہر حال میں اتارنا ہے۔۔۔تم فکرمند ہونے کی بجائے صرف میری کامیابی کے لیے دعا کیا کرو۔۔۔اللہ حافظ۔"

اتنا کہہ کر سکندر علی باہر نکل گیا اور رضیہ اپنا پریشان چہرہ لئے اسے جاتا دیکھتی رہ گئی۔

☆.....☆.....☆

"کینجھر ہاؤس" کا وسیع لان اس وقت ننھے منے رنگین قمقموں سے نور بنا ہوا تھا۔۔۔یہ عالیشان کوٹھی حیدر آباد شہر کے ایک پوش علاقے میں واقع تھی۔لان کے

Marfat.com

گرد خوشنما پھولوں کے دستے بچھے ہوئے تھے، سرخ وسفید گلاب سرمئی اندھیروں میں بھی روشن روشن سے دکھائی دے رہے تھے، گارڈینا کی باڑ سے وسیع لان کا احاطہ کیا ہوا تھا جن کے جلوؤں میں ہارسنگھار اور چمپا کی بیلیں دور تک چلی گئیں تھیں۔

یہ کوٹھی جتنی بڑی تھی، اس کے مکین اتنے ہی کم تھے یعنی صرف دو۔۔۔ایک ماروی اور دوسرا خان احمد۔۔۔یہ دونوں بہن بھائی تھے اور یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھے خان محمد کی نظر میں یونیورسٹی محض نئی نئی دوستیاں گانٹھنے کا مرکز تھی یہی وجہ تھی کہ اسے تعلیم سے کچھ خاص دلچسپی نہ تھی البتہ اس کی نازک اندام بہن ماروی اس کے برعکس تھی، وہ اپنے بھائی خان محمد سے ایک سال ہی چھوٹی تھی، نین نقش کی جاذبیت نے اس کے سانولے رنگ میں ایک کشش اور گہرائی سی سمودی تھی، وہ ایک سندر وسجل سی لڑکی تھی تعلیم سے حد درجے سنجیدہ۔۔۔یہی وجہ تھی کہ اس نے ایم اے سوشیالوجی میں فرسٹ کلاس فرسٹ پوزیشن لی تھی اور آئندہ اسی مضمون میں تحقیقی کام کر کے اپنی این جی اوز بنانا چاہتی تھی۔وہ لوگوں کے دکھوں کو زیادہ سے زیادہ سمجھنا چاہتی تھی۔

ایسے پسماندہ لوگ جو بنیادی ضرورتوں سے بھی محروم تھے اور معاشرے میں ان کی دادرسی نہ تھی۔اسے سب سے زیادہ اپنے گوٹھ تھر میں انسانیت سسکتی ہوئی محسوس ہوئی تھی، جہاں کے لوگ پانی کی ایک ایک بوند کو ترسے ہوئے تھے، خود ان دونوں بھائی بہنوں کی پیدائش اسی گوٹھ کی تھی اور ان کا بچپن اور لڑکپن تک دشت کی کندنی فضاء میں کھیلتے کودتے گزرا تھا مگر اب حصول تعلیم کے سلسلے میں وہ یہاں حیدرآباد میں قائم اپنی عالیشان کوٹھی میں مقیم تھے جو ''لینجھر ہاوس'' کے نام سے موسوم تھی، یہ دونوں بہن بھائی وڈیرا رئیس جونگل خان کی اولاد تھے۔

دونوں بہن بھائی کو اپنی اس کوٹھی کی بجائے یونیورسٹی کیمپس میں رہنا اچھا لگتا تھا، خان محمد کو اس لئے ہوسٹل لائف پسند تھی کہ یار دوستوں کے ساتھ زیادہ وقت گزارنے کا موقع ملتا تھا جبکہ اس کی بہن ماروی کو ہاسٹل اس لیے پسند تھے کہ وہاں وہ

Marfat.com

یکسوئی کے ساتھ تعلیم حاصل کرسکتی تھی۔

آج کی پارٹی خان محمد کی متنوع مزاجی اور تفریح طبع کا شاخسانہ تھی، وہ اکثر کبھی ''فیئر ویل'' تو کبھی ''ویل کم'' اور کبھی ''گیٹ ٹوگیدر'' کے نام سے پارٹیاں دیتا رہتا تھا۔ ہوسٹل میں رہنے والے طلبا وطالبات ہاسٹل کا باسی کھانا کھا کھا کر بیزار ہو چکے تھے، ایسے میں یہ پارٹیاں انہیں نعمت غیر مترقبہ ہی لگتی تھیں، آج کی پارٹی میں دونوں بہن بھائیوں کے والدین نے بھی شرکت کی تھی۔ ویسے تو ان دونوں بہن بھائیوں سے دوستی کا خواہاں یونیورسٹی کا ہر شخص ہی تھا مگر ان دونوں کی زیادہ قربت اپنے کلاس میٹ شکیل اور لیلیٰ کے ساتھ تھی، وہ دونوں بھی آپس میں بہن بھائی تھے اور انہی کی طرح اعلیٰ اسٹیٹس رکھتے تھے، ان کی دوستی کی ایک اہم وجہ ان کے والدین کی آپس میں پرانی شناسائی تھی، سعید احتشام بابر جو ایک معروف بیوروکریٹ تھے، وہ وڈیرا جونگل خان کے چند گنے چنے اور نہایت قریبی دوستوں میں سے تھے اور ایک دوسرے کے گھروں میں آنا جانا تھا، ان کی اس قرابت داری کو دیکھتے ہوئے یونیورسٹی کے چند من چلوں نے دبی دبی زبان میں افواہ پھیلانی شروع کردی تھی کہ دونوں بہن بھائیوں کا جوڑا بہت جلد آپس میں رشتہ ازواج میں منسک ہونے والا ہے بعض نے تو موجودہ پارٹی کو جس میں ان کے والدین بھی شریک تھے، اسی خاص مقصد کا غماز ٹھہرایا تھا۔

بہرطور پارٹی اپنے عروج پر تھی، اس چمکتے دمکتے وسیع لان کے جس کنج میں جو جہاں بیٹھا تھا، وہاں ایک فائیو سٹار ہوٹل کے بیرے مستعدی سے مہمانوں کو سرو کرنے میں مصروف تھے، ہر کوئی کھلے بندوں خوش گپیوں اور خوش فعلیوں میں مصروف کار تھا، ایسے میں خان محمد بھی لیلیٰ کے ساتھ باتوں میں مشغول تھا، اس نے ڈبل گھوڑا بوسکی پر اجرک اور سر پر سندھی ٹوپی جمائی ہوئی تھی۔

لیلیٰ نے بھی چکن کا بیش قیمت سوٹ زیب تن کر رکھا تھا جو اس کے حسین

Marfat.com

سراپے پر بہت دلکش لگ رہا تھا، میچنگ جیولری اور اسٹائلش براؤن بالوں کی بناوٹ نے اسے بلاشبہ آج کی پارٹی کی ''لیڈ رایونگ'' کا خطاب دے دیا تھا۔

''لیلیٰ! اب تو تمہارے پاس پڑھائی پوری کرنے کا بھی بہانہ نہ رہا، اب بتاؤ کیا ارادے ہیں تمہارے آئندہ کے۔۔۔'' خان محمد اسے مخاطب کرتے ہوئے اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں ڈوب کر بولا۔

اس کی بات سن کر لیلیٰ کے حنائی لبوں پر مسکراہٹ سی مچلی پھر جب وہ ایک خاص ادا سے اپنے خوبصورت بالوں کو جھٹک کر بولی تو خان محمد اس کے شہابی گالوں پر پڑنے والے گڑھوں کو دیکھ کر گھائل سا ہونے لگا۔

''ابھی کہاں پڑھائی ختم ہوئی ہے۔۔۔ابھی تو صرف ایم اے ہوا ہے۔'' دل آویز مسکراہٹ ہنوز اس کے لبوں پر پھیلی ہوئی تھی۔

''یہ کیا بات ہوئی۔۔۔یوں تو پڑھائی میں عمر ہی نکلتی چلی جائے گی۔'' خان محمد قدرے جز بز ہو کر بولا۔

''یہ پڑھائی وغیرہ تو شادی کے بعد بھی جاری رکھی جا سکتی ہے۔''

''نا بابا۔۔۔نا۔۔۔ مجھے تم جیسے وڈیرے زادوں پر یقین نہیں۔۔۔شادی کے بعد تو تم مجھے گھر میں ہی قید کر دو گے، پڑھائی تو دور کی بات ہے۔'' لیلیٰ اپنے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے مصنوعی خوف سے بولی۔ تاہم اس کے انداز سے واضح تھا کہ وہ اسے چھیڑنے یا ستانے پر تلی ہوئی ہے اور خان محمد کی یہ حالت تھی کہ وہ بے قرار ہوا جا رہا تھا، اس کے جواب سننے کے لیے۔۔۔ابھی وہ مزید گفتگو جاری ہی رکھنا چاہتے تھے کہ کہیں سے ان کے من چلے دوستوں کا ٹولہ آپس میں ٹھٹھول کرتا ان کے قریب آ گیا اور مجبوراً انہیں ''گفتگو خاص'' کا سلسلہ منقطع کرنا پڑا۔

ادھر خان محمد کی بہن ماروی تقریب کی گہما گہمی سے اکتا کر اندر نشست گاہ میں ذرا ستانے کے لیے آ بیٹھی۔ کمرے کا اے سی آن تھا، بہت جلد اس کی تھکان

Marfat.com

اتر گئی تو اس نے اسٹیریو ڈیک آن کر دیا اور اپنا پسندیدہ گیت سننے لگی۔

یار ڈاڈھی عشق آتش لائی ہے
ہو یار سانوں لگ گئی بے اختیاری
سینے وچ آتش سمائی ہے
یار ڈاڈھی عشق آتش لائی ہے

اس دوران دروازے پر دستک ہوئی تو ماروی ڈیک ہلکا کر کے بلند آواز میں بولی۔

''کون۔۔۔؟''

جواباً باہر سے مخصوص انداز میں کھنکھارنے کی آواز ابھری اور دوسرے ہی لمحے ماروی نے اٹھ کر فوراً دروازہ کھول دیا، حسب توقع شکیل کو وہاں پا کر مسکرا اٹھی ۔۔پھر اسے راستہ دیتے ہوئے بولی۔

''آ جاؤ۔۔۔۔''

''معافی چاہتا ہوں ۔۔۔۔اگر مخل ہوا ہوں تو ۔۔۔''شکیل نے وجیہہ مسکراہٹ کے ساتھ دانستہ اپنا جملہ ادھورا چھوڑا۔

''نہیں آؤ۔۔۔بس ذرا باہر میرا دل دب سا گیا تھا، اس لیے اندر آ گئی تھی۔'' ماروی نے عذر پیش کیا۔

''حیرت ہے۔۔۔تم اپنے بھائی خان محمد سے بالکل مختلف ہو۔۔۔وہ تو اس قسم کی تفریح اور ہنگاموں سے بہت لطف اندوز ہوتا ہے۔'' شکیل اندر آ کر ایک قریبی صوفے پر براجمان ہوتے ہوئے بولا۔

''ضروری نہیں بہن بھائیوں کے مزاج ملتے ہوں۔'' وہ سرسری لہجے میں بولی۔

''اچھا یہ بتاؤ آئندہ کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے اب۔۔۔''

Marfat.com

''ہم لوگوں کو سوچنے کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔۔۔ہم صرف حکم ماننے کے لیے ہوتے ہیں۔'' ماروی نے عجب لہجے میں جواب دیا۔گانے کے بول اب بھی دور کہیں اس کے نہاں خانوں میں گونج رہے تھے۔

''حیرت ہے تم جیسی پڑھی لکھی لڑکیاں بھی ایسی دقیانوسی باتیں کرتی ہیں۔'' شکیل نے کسی خیال کے تحت کہا۔

''اس میں دقیانوسی کی بات نہیں روایت کی بات ہوتی ہے۔۔۔ایک تلخ روایت۔۔۔'' آخری جملہ اس نے مبہم انداز میں کہا تھا۔

''ویسے تمہاری گفتگو سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ تمہیں یہ روایات پسند نہیں ہیں۔''

''پسند نہ پسند سے بھلا کیا ہوتا ہے۔'' ماروی کھوئے کھوئے سے لہجے میں بولی۔

اس دوران وڈیرا جونگل خان اور سعید احتشام آپس میں باتیں کرتے ہوئے اندر داخل ہوئے، ان کے ہمراہ خان محمد اور لیلیٰ بھی تھے۔

''جونگل سائیں۔۔۔آپ نے سیاست چھوڑ کر اپنے اوپر پھیکا پن طاری کرلیا ہے۔'' سعید احتشام ایک قریبی صوفے پر دھنستے ہوئے بولے اور اپنے سوٹ کی جیب سے بیش قیمت سگار نکال کر اسے سنہری میوزیکل لائٹر سے سلگایا۔

لیلیٰ اور شکیل بھی اپنے باپ کے قریب دائیں بائیں صوفے پر بیٹھ گئے تھے جونگل خان بھی سامنے والے صوفے پر اپنے دونوں بچوں خان محمد اور ماروی کے ساتھ براجمان ہوا اور قدرے بیزاری سے اس کی بات کا جواب دیتے ہوئے بولا۔

''بابا۔۔۔سیاست میں اب کچھ نہیں رکھا۔۔۔آدمی بلاوجہ بدنامیاں ہی مول لیتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس سے آدمی اپنے یار احباب کو کھو دیتا ہے اور ہم یاری باشی والے لوگ ہیں لہذا یاروں کو نہیں چھوڑ سکتے اس لیے سیاست چھوڑ

Marfat.com

دی۔'' جونگل خان اپنے مخصوص لہجے میں بولا اور بات کا رخ پلٹتے ہوئے مزید اضافہ کیا

''اڑنے بابا۔۔۔چھوڑ یہ سیاست کی باتیں۔۔۔یہ بتاؤ گوٹھ کب آ رہے ہو بھابھی بچوں کو لے کر۔۔۔؟ یاد رہے پچھلے سال کتنا مزہ آیا تھا، چیکلم ہرن اور تلور کے شکار میں۔۔۔آج کل تو پورے تھر میں مون سون کی بارشوں کی وجہ سے ہریالی ہی ہریالی ہے، میں تو کہتا ہوں ہمارے ساتھ ہی کل چلے چلو، ویسے بھی بچے امتحانوں سے فارغ ہو چکے ہیں۔''

''جونگل سائیں۔۔۔آپ کی مہمان نوازی کے تو دل سے قائل ہیں۔۔۔جی تو ہمارا بڑا کرتا ہے کہ دوبارہ گوٹھ آئیں مگر کیا کریں آج کل پوری ملکی مشینری موجودہ حالات کی وجہ سے حرکت میں آئی ہوئی ہے اور ہمیں ہر دم الرٹ رہنا پڑتا ہے۔'' سعید احتشام دھیمے لہجے میں بولے اور سگار کو پھر اپنے ہونٹوں میں داب لیا۔

''ویسے یار تم نوکر شاہی کے بھی بڑے ٹھاٹھ ہوتے ہو، بھلے بڑے سے بڑے ادھر ادھر ہو جائیں، تم لوگوں کی کرسی کو کوئی نہیں ہلا سکتا۔'' جونگل خان نے دوستانہ لہجے میں اپنی آنکھ دباتے ہوئے سعید احتشام سے کہا اور پھر کمرہ دونوں کے بھاری اور معنی خیز قہقہوں سے گونج اٹھا۔

''بہر حال احتشام صاحب آپ کو بچوں کے لیے وقت ضرور نکالنا پڑے گا یہ کچھ زیادہ ہی آوارہ ہوتے جا رہے ہیں، آخر ان کے بارے میں بھی کچھ سوچنا ہے ہمیں۔۔۔'' آخر میں جونگل خان نے اپنے بیٹے خان محمد اور پھر لیلیٰ کی طرف دیکھتے ہوئے ذو معنی لہجے میں کہا۔

''ہاں۔۔۔جونگل سائیں آپ درست کہتے ہیں۔'' سعید احتشام اس کی تائید کرتے ہوئے خوشدلی سے بولا۔

''ان کی پڑھائیاں تو چلتی رہیں گی، پہلے انہیں اپنے اپنے گھر کا کرنا چاہیے

Marfat.com

ٹھیک ہے پھر ہم اگلے ہفتے کو پہنچ رہے ہیں، آج کل ویسے بھی بیگم صاحب کی طبیعت ذرا خراب رہنے لگی ہے بہر حال آپ بے فکر رہیں، ہم آئیں گے آپ کی طرف اور بات پکی کر کے ہی جائیں گے۔''

سعید احتشام نے حامی بھرتے ہوئے کہا اور خان محمد کا اشتیاق اس کے چہرے سے نمایاں ہو رہا تھا جبکہ شکیل کن انکھیوں سے ماروی کی جانب دیکھ رہا تھا جہاں اسے سپاٹ سی خاموشی کے سوا کچھ دکھائی نہ دیا۔

☆.....☆.....☆

تھر کے ریگستان میں دن بھی دیکھتے دیکھتے چڑھ جاتا ہے اور رات بھی جلدی اتر آتی ہے ماروی کو ہمیشہ اپنے گوٹھ کی سرزمین انسپائر کرتی تھی، وہ اکثر حیدر آباد والی کوٹھی ''نیچر ہاؤس'' سے جب بھی اپنے آبائی گوٹھ تھر آتی تو وہ یونہی بے کراں صحرا کی وسعتوں میں گھومنے نکل جاتی۔

اس وقت بھی شام کے سائے ریگستان میں پر تولے کھڑے تھے۔ ماروی صحرا کی وسعتوں میں اپنی نگاہیں جمائے اونٹ کی پیٹھ پر رکھے کجاوے میں بیٹھی دور دور تک پھیلے ریگستان کو جیسے اپنے اندر جذب کر رہی تھی، ساربان ایک بوڑھا خاکستری چہرے والا شخص تھا جو اونٹ کی مہار تھامے اپنی دھن میں مست، سرمارئی کا گیت الاپتا چلا جا رہا تھا، اس کی دیکھا دیکھی ماروی کے ہونٹوں میں بھی شاعری مچلنے لگی اور اس پر رومانوی و بے خودی کی سی کیفیت طاری ہونے لگی۔

سینکڑوں سورج چمک اٹھیں اگر مل کر ایک ساتھ
سال کی ساری چودھویں راتیں بن جائیں ایک رات
بن ساجن کے قسم خدا کی، پھر بھی لگے اندھیرے
میرا ساجن سب سے روشن ساجن کی کیا بات

یہ شاعری گنگناتے ہوئے جانے کیوں ماروی کے چہرے پر ایکا ایکی اداسی

Marfat.com

پھیل گئی۔ پھر ایک جگہ ماروی نے ساربان سے اونٹ رکوانے کو کہا اور اس کے بعد جب اونٹ نے اپنا پیٹ ریتیلی زمین کے ساتھ لگا لیا تو ماروی اتر آئی، چہار سو ریت کا سمندر سا پھیلا ہوا تھا، ہولے ہولے چلنے والی ہوا میں باد سموم کی کاٹ سی تھی۔ اسے اپنے چہرے پر ہلکی سی تپش کا احساس ہونے لگا، ایک جانب اونٹوں کا قافلہ رواں دواں تھا اور ذرا پرے ایک ٹیلے کے عقب میں دہکتا ہوا سورج اپنی الوداعی کرنوں سے صحرا کی ریت کو چوم رہا تھا، ماروی چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی چلی جا رہی تھی، یوں لگ رہا تھا جیسے اس پر کسی نے تنویمی عمل کر دیا ہو، وہ میکانیکی انداز میں آگے بڑھتی چلی جا رہی تھی پھر ایک کیکر کے درخت کے پاس آ کر رک گئی، کیکر تلے بھی جھونپڑی کا ٹاٹ جو پردے کے طور پر استعمال ہوتا تھا، ہولے ہولے پھڑ پھڑا رہا تھا، یہ جھونپڑی اسی نوجوان مجذوب سانول کی تھی جسے لوگ کوئی پہنچا ہوا فقیر سمجھ کر بھٹ سائیں کے نام سے یاد کرتے تھے۔

ماروی ذرا قریب آئی تو اسے اندر سے ایک تارا بجنے کی آواز کے ساتھ سانول کے گنگنانے کی آواز سنائی دی، وہ وہیں گم صم ہو کر کھڑی ہو گئی، وہ اس کی آواز میں کھو گئی تھی۔

''جن کا تن تسبیح، من تسبیح کا دانہ ہوتا ہے اور دل یکتارا، ان کی طلب کی تاریں وحدت کے سر پر بجتی ہیں۔۔۔ رگوں سے وحدہٗ لاشریک لہ کا راگ سنائی دیتا ہے، جن کی نیندیں عبادت ہوتی ہیں، وہ سو کر بھی جاگتے رہتے ہیں۔''

(شاہ عبداللطیف)

''واہ۔۔۔ واہ۔۔۔'' ماروی سحر کی سی کیفیت میں ڈوبی جھونپڑی کے اندر داخل ہو گئی، سامنے سانول اپنے جناؤں جیسے بالوں بھرا سر اٹھائے آنکھیں موندیں وجد کی سی کیفیت میں مستغرق تھا۔

پھر معاً ہی اس کی خوابیدہ مگر محتاط سماعتوں نے آہٹ پا لی اور وہ کشف کی سی

Marfat.com

کیفیت میں اپنی آنکھیں موندے ہی بولا۔

''آج میری جھونپڑی کی قسمت جاگی ہے۔۔۔میرا دل۔۔۔میری ماروی آئی ہے۔''

اس کی بات میں نجانے کیا سحر تھی کہ ایکا ایکی ماروی کی آنکھیں بھیگ گئیں اور وہ دھیرے سے بولی۔

''سانول۔۔۔''

ماروی' سانول کو پکار کر اب خاموش کھڑی تھی۔البتہ اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں اور دور ریتلے ٹیلوں پر شام اتر آئی تھی۔

''ماروی تو یہاں نہ آیا کر۔۔۔جو دل میں رہتے ہیں انہیں کہیں آنے جانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔'' سانول چند ثانیے کے بعد جذب کی سی کیفیت میں بولا۔

''میں نہیں چاہتا تھا کہ مجھ خاک نشین کی وجہ سے تجھ پہ کوئی حرف آئے۔''

سانول کی بات سن کر ماروی دو قدم آگے بڑھی اور قدرے رسان سے بولی۔

''سانول۔۔۔مجھے بھول جا۔۔۔نہ لگا یہ روگ خود کو۔۔۔تو۔۔۔جا اپنے گھر چلا جا۔۔۔مت دے خود کو یوں آزار۔۔۔''

ماروی کی بات پر معاً سانول نے بغور اس کی جانب دیکھا اور ماروی نے اس کی آنکھوں کی کشش کی تاب نہ لاتے ہوئے اپنا سر جھکا لیا۔

''ماروی تجھے بھولنے کے لیے ہی تو میں یہاں اس ویرانے میں آ بیٹھا ہوں۔۔۔مجھے خود کو آزار دے کر ہی لذت ملتی ہے۔۔۔میری نارسائی کا عذاب ان تکلیفوں سے کہیں زیادہ ہے لیکن میں کم ہمت یا بزدل بھی نہیں ہوں۔۔۔'' اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

Marfat.com

"لیکن سانول۔۔۔تو آخر کب تک یہ سب بھگتتا رہے گا۔۔۔"

اس کی بات سن کر سانول نے ایک گہرا سانس لیا اور دھیمے لہجے میں کہنا شروع کیا۔

"ماروی۔۔۔محبت دو جسموں کا نہیں۔۔۔دو روحوں کا ملاپ ہوتی ہے کسی کو پالینا ہی محض محبت کی معراج نہیں ۔۔۔محبت پسینہ اور اخراج مانگتی ہے۔۔۔اور۔۔۔اور۔۔۔وہ میں دے رہا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے اپنی آنکھیں دوبارہ موند لیں۔

ماروی کو اس کی باتیں عجیب بھی لگیں اور بھلی بھی۔۔۔وہ حیران تھی کہ جو کچھ وہ یونیورسٹی میں قابل پروفیسرز کے پر مغز لیکچرز اور مستند نصابی کتابوں میں سنتی اور پڑھتی آئی تھی وہی کچھ اسے یہاں دور دراز ایک لق ودق ویران صحرا کی ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں حاصل ہو رہا تھا۔

وہ جانتی تھی کہ سانول کو اس سے شدید قسم کی محبت ہے مگر کبھی اس نے اس کا اظہار نہیں کیا تھا۔وہ کہتا تھا کہ یہ جذبہ کسی اظہار کا محتاج نہیں ہوتا اگر سچا اور پاکیزہ ہے تو محبت خود اپنی اثر پذیری سے دوسرے کے دل میں آگ بھڑکا دیتی ہے۔۔۔اسی طرز انسیت سے شاید ماروی کے اندر بھی آتش الفت بھڑکا دی تھی۔حالانکہ ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق تھا۔۔۔سانول ایک غریب ہاری کا بیٹا جبکہ ماروی گوٹھ کے بااثر وڈیرے جونگل خان کی بیٹی تھی جس کی اوطاق میں سانول جیسے نجانے کتنے ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔

ماروی کا شروع شروع میں سانول سے سامنا سرسری سے انداز میں ہوا تھا۔۔۔یہ الگ بات ہے کہ پہلے ماروی نے اسے ایک عام ہاری سے زیادہ اہمیت نہ دی تھی نوجوان سانول اسے گہری گہری نگاہوں سے آتے جاتے ضرور دیکھا کرتا تھا۔۔۔پھر دھیرے دھیرے اس لاابالی اور کھلنڈرے سانولے سلونے نوجوان کے

Marfat.com

دل میں کیا سمائی کہ ایک دن بیراگیوں کا سا حلیہ بنا کر ویرانے میں آن بسا اور دیوانہ مجذوب بن گیا۔۔۔دل کو دل سے راہ ہوتی ہے آخر ایک دن خود بخود ماروی پر یہ عقدہ کھلا کہ یہ خاموش سا دیوانہ اسی کی چاہت میں گرفتار ہے اور پھر یہ بھی حقیقت ہی تھی کہ سانول جیسے غریب ہاری کے بیٹے کے اس عجیب وغریب اظہار محبت نے اس کے اندر ہلچل مچادی تھی اگر چہ اپنی اپنی جگہ ان دونوں کو اس تلخ حقیقت کا بھی اندازہ تھا کہ ان کی منزلیں تو کیا۔۔۔راستے تک جدا تھے۔ماروی اس دیوانے مجذوب کی جھونپڑی میں جس خاموشی سے آئی تھی اسی خاموشی سے واپس لوٹ گئی۔

☆.....☆.....☆

رات اپنے جوبن پر تھی چٹکی ہوئی چاندنی نے پورے صحرا پر سحر طاری کر رکھا تھا۔۔۔رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔۔۔ایسے میں قرمزی پتھروں والی حویلی کے تہہ خانے کے زینوں پر بھاری قدموں کی دھمک گونج رہی تھی۔۔۔یہ وڈیرا جونگل خان تھا جو اپنے مصاحب خاص منشی جبل کے ہمراہ تہہ خانے میں اتر رہا تھا۔۔۔فرش پر قدم رکھتے ہی ایک سلاخ دار دروازے کے ذریعے وہ اندر کی جانب آ گئے۔

اب وہ ایک نیم تاریکی میں ڈوبی ہوئی تنگ سی گلی میں کھڑے تھے،ان کے دائیں بائیں قطار در قطار سیلن زدہ سی تنگ وتاریک کوٹھریاں بنی ہوئی تھیں اور جن کے دروازے جیل کے قید خانوں جیسے بنے ہوئے تھے۔وہاں بھی نیم تیرگی سی پھیلی ہوئی تھی۔

ان جیل نما کوٹھریوں کو دیکھ کر انسانیت شرم سے پانی پانی ہو رہی تھی۔ان میں جوان حتیٰ کہ بوڑھے اور بچے بھی مقید تھے۔ان سب کے چہرے ستے ہوئے اور آنکھیں سہمی ہوئی تھیں۔۔۔وڈیرے کو دیکھتے ہی وہ سب کے سب اپنی اپنی جگہوں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے ہاتھ سلاخوں سے باہر نکال کر جوڑتے ہوئے دادفریاد کرنے لگے۔

Marfat.com

"رحم۔۔۔سائیں وڈا۔۔۔ہم پر رحم کرو بھوتار سائیں۔۔۔"

"ماٹھ کرو بابا۔۔۔ماٹھ کرو۔۔۔نہیں تو چم (کھال) ادھیڑ ڈالوں گا سب کی۔۔۔" جبل نے قریب کی دیوار پر ٹنگے کوڑے کو اتار کر ان سب قیدیوں کے سامنے لہراتے ہوئے بولا تو وہ سب بے چارے سہم کر خاموش ہو گئے۔ان کی آنکھوں سے سراسیمگی ہویدا تھی۔

اب سب بدنصیبوں سے زمینوں اور اینٹوں کے بھٹوں وغیرہ پر بیگار لی جاتی تھی۔۔۔ان سب۔۔۔کو یہی بتایا گیا تھا کہ ان کے باپ دادا حویلی والوں کے قرضدار رہ چکے ہیں۔۔۔جو اصل رقم تو ایک طرف سود تک کی رقم ابھی تک نہیں لوٹا پائے تھے۔۔۔لہذا اس زمرے میں ان سب کو یہاں رکھا گیا تھا اور ان سب سے جبری مشقت لی جاتی تھی اور یہ سلسلہ دراز سے دراز تر ہوتا جا رہا تھا آئندہ نسلوں تک۔

ادھر وڈیرے نے جبل کو مخصوص اشارہ کیا۔۔۔وہ تو جیسے اس اشارے کا ہی منتظر تھا۔فوراً ایک کوٹھری کی جانب بڑھا جدھر جوان مرد اور عورتیں اور لڑکیاں قید تھیں۔

جبل سندھو اندر داخل ہو کر ایک دبلی پتلی مگر جوان لڑکی کو انتہائی سنگدلی سے گھسیٹ کر باہر نکال لایا جیسے قصائی مرغی کو پنجرے سے ذبح کرنے کے لیے نکالتا ہے۔۔۔وہ بے چاری ڈری، سہمی لڑکی مارے خوف کے کپکپا رہی تھی اس کے سر پر دھری میلی چادر اب ڈھلک گئی تھی۔۔۔اندر کوٹھری میں عورتوں کا واویلا سا مچ گیا جبل نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ہنٹر کو کوٹھری کے سلاخوں پر زور سے مارا اور شٹراپ کی تیز آواز کے گونجتے ہی پورے تہہ خانے کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔

پھر وہ وہاں سے جانے لگے تو چند قیدی وڈیرے جونگل خان سے گڑگڑاتے ہوئے بولے۔

"سائیں بھوتار۔۔۔رحم کرو۔۔۔ہم گریبوں پر رحم کروں سائیں۔۔۔"

Marfat.com

''اڑے بابا۔۔۔تم لوگوں پر میں رحم ہی تو کر رہا ہوں۔'' بالآخر وڈیرے جونگل خان نے دھاڑ کر کہا۔

''ورنہ تم پر جتنا قرض چڑھا ہوا ہے وہ کھاتا اگر میں پولیس کے سامنے کھول دوں تو وہ تمہیں تھانے لے جا کر بند کر دیں اور پولیس والوں۔۔۔کا سلوک کیسا ہوتا ہے قیدیوں کے ساتھ۔۔۔وہ تم لوگ اچھی طرح جانتے ہو۔۔۔یہاں تو پھر بھی تم۔۔۔عیش میں ہو۔۔۔'' یہ کہتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔اس کے عقب میں جبل انتہائی سفاکی کے ساتھ ڈری سہمی لڑکی کو جانوروں کی طرح ہانکتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

☆.....☆.....☆

مشرقی افق سے جیسے ہی سورج کی پہلی کرن نے صحرا کی ریت پر لوٹ لگائی تو لاتعداد موتیوں کی مالائیں سی ریگستان میں بکھرتی چلی گئیں۔دشت کی فضا میں مون سون بارشوں کی مہک رچی ہوئی تھی۔۔۔یہی وجہ تھی کہ آسمان پر بادلوں کے ٹکڑے صدیوں سے پیاسے اس صحرا کو سیراب کرنے والے تھے،اس خوشی کو ہر چرند پرند نے محسوس کیا تھا اور اپنے اپنے اظہار کے انداز میں سرگرم بھی ہو گئے تھے۔

کہیں قریب ہی ایک چیکم ہرن نے طویل زقند بھری اور صحرا کی وسعتوں کو سرنگوں کرتا چلا گیا تو کہیں مور وجد میں آ کر محو رقص ہو گئے۔

سرکنڈوں کی بنی جھونپڑیوں اور چند پکے مکانوں سے ذرا پرے، جوار، گوار اور گندم کی فصلیں لہلہا رہی تھیں جہاں بوسیدہ سی صدری (واسکٹ) اور لاک (تہبند) باندھے خاکستری پٹھوں والے ہاری، گندم گاہنے والے بیلوں کو کھدیڑ رہے تھے اور چند ایک من چلے ٹولی کی صورت میں ایک چھتنار کے درخت تلے اجرکوں کی کانبھ باندھے ہنسی ٹھٹھے میں مشغول تھے۔۔۔کہیں قریب ہی کسی جبل بھٹ (ریتیلا ٹیلہ) سے ٹکراتی کسی چرواہے کی سرکوھیاری گنگنانے کی آواز سنائی دے رہی تھی جو شاہ عبداللطیف کی تخلیق کردہ سرکوھیاری کو بڑے سر میں گا رہا تھا۔

Marfat.com

غرض تھر میں اس وقت مون سون کی بارشوں کی وجہ سے ہریالی ہی ہریالی پھیلی ہوئی تھی اور عرصے سے بوند بوند کو ترسے ہوئے باشندے مارے خوشی کے ناچ رہے تھے۔

ذرا دور صحرائی ٹیلوں ٹبّوں کے ساتھ ایک مختصر سی راہ گزر پر سرخ رنگ کی لینڈ کروزر دوڑی چلی آ رہی تھی پھر چند اور موڑ مڑنے کے بعد وہ قرمزی پتھروں والی حویلی کے سامنے پہنچ کر رک گئی۔ حویلی کے دیوہیکل گیٹ پر موجود مسلح گارڈنے گاڑی اور اس پر لگے سرکاری جھنڈوں کو لہراتے دیکھ کر فوراً بڑا سا گیٹ کھول دیا اور لینڈ کروزر اندر داخل ہوگئی۔ اندر وسیع احاطے میں حویلی کے مکین ان کے استقبال کے لیے اپنے چہروں پر مسکراہٹیں لیے کھڑے تھے، ان میں جونگل خان کی پوری فیملی اور دیگر خدمت گاروں کی قطاریں بھی مودب کھڑی تھیں پھر لینڈ کروزر کا دروازہ کھلا اور سب سے پہلے احتشام بابر اور بیگم احتشام اترے۔ اس کے بعد شکیل اور لیلیٰ بھی نیچے اتر آئے لیلیٰ کو دیکھتے ہی خان محمد کی آنکھیں چمکنے لگیں، البتہ شکیل اور ماروی نے غیر محسوس انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا۔

''بھلی کرے آیو۔۔۔بھلی کرے آیو۔'' (خوش آمدید۔۔۔خوش آمدید)

وڈیرا جونگل خان علاقے کے مخصوص استقبالی کلمات ادا کرتا ہوا اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے سعید احتشام کی طرف بڑھا اور پھر دونوں بڑی گرم جوشی سے بغلگیر ہوئے پھر خان محمد اور ماروی نے بھی اپنے اپنے طور پر شکیل اور لیلیٰ کو خوش آمدید کہا اور پھر یہ سب لوگ اندر آ گئے۔

یہ ایک اونچی چھت والا بڑا سا ہال نما کمرہ تھا جس میں فضاء ایئر کنڈیشنڈ کی ٹھنڈک سے خنک ہو رہی تھی۔ وہاں موجود صوفوں پر یہ سب لوگ براجمان ہو گئے۔۔۔وہاں صوفے کے علاوہ بڑے بڑے گول منقش پائے والی ہالا کی چارپائیاں اور مونڈھے بھی بچھے ہوئے تھے جن پر حویلی کے چند مصاحب خاص بیٹھ گئے تھے۔

Marfat.com

ابھی یہ لوگ رسماً گفتگو میں مصروف تھے کہ اچانک جبل اندر داخل ہوا وہ خاصا گھبرایا ہوا دکھائی دے رہا تھا اس نے قریب آ کر وڈیرا جونگل خان کے کان میں کچھ کہا اور اگلے ہی لمحے جونگل خان چونک پڑا پھر مہمانوں سے معذرت کرتا ہوا اٹھ کر کمرے سے باہر آ گیا جبل اسکے عقب میں تھا۔

''اڑے بابا۔۔۔بتا تا کیوں نہیں ہے تو۔۔۔چھلگری اس وقت یہاں کیا کرنے آیا ہے۔'' جونگل خان نے چلتے چلتے جبل سے پوچھا۔وہ اب جواب دینے کے لیے اس کے قریب آ گیا تھا۔

''سس۔۔۔سس۔۔۔وہ۔۔۔زخمی ہے کہتہ ہے پولیس مقابلہ ہوا ہے۔''

''اڑے تو اسے پھر ادھر آنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی۔ بے وقت ٹپک پڑا ہے۔ پتہ ہے میرے ہاں بڑے بڑے افسروں کا آنا جانا رہتا ہے۔'' جونگل خان کی بڑبڑاہٹ جاری تھی۔۔۔۔جبل ہاتھ جوڑے خاموش کھڑا تھا۔

''وہ جنگل ڈیرے کے اوطارے (اوطاق) میں ہی ہے نا۔۔۔'' جونگل خان نے تصدیق چاہتے ہوئے جبل سے پوچھا۔

''ہاؤ سائیں۔۔۔بھلا میں جھوٹ تھوڑے ہی ہوں کہ اسے یہاں لے آتا۔۔۔'' منشی جبل نے اپنے نمبر بڑھانے کی کوشش کی اور پھر یہ لوگ گھوڑیوں پر سوار ہو کر ایک ایسی جگہ آ پہنچے جو ایک بڑے احاطے پر مشتمل تھی۔بادی النظر میں یہ جگہ بوسیدہ سا فارم نما اوطاق نظر آتی تھی جس کی عمارت مٹی گارے سے بنائی گئی تھی جونگل خان گھوڑی سے اتر کر غڑاپ سے سیدھا کوٹھری میں داخل ہو گیا جہاں کیروسین کی روشنی میں ایک خاصے گھٹے ہوئے جسم کا مالک شخص چارپائی پر نیم دراز تھا۔اس کے بازو پر پٹی بندھی ہوئی تھی، وہ زخمی تھا۔اس نے سیاہ شلوار قمیض اور اجرک کا ڈھاٹا باندھا ہوا تھا۔جواب اس کے چہرے سے پھسل کر گردن میں ڈھلک آیا تھا اور اس کا چہرہ واضح ہو گیا تھا۔چہرے سے ہی وہ ایک سفاک شخص دکھائی دے رہا تھا۔

Marfat.com

یہی شہرت یافتہ ڈاکو احسان چھلگری تھا جس کے سر کی قیمت لاکھوں تک پہنچی ہوئی تھی۔ وڈیرا جونگل خان کی اسے پشت پناہی حاصل تھی اور جونگل خان در پردہ اس سے بہت اہم کام لیتا تھا۔ جونگل خان کو اندر آتے دیکھ کر وہ آہستگی کے ساتھ اٹھنے لگا مگر جونگل خان نے اسے اشارے سے لیٹے رہنے کو کہا اور خود قریب پڑے ایک مونڈھے کو کھینچ کر اس پر بیٹھ گیا اس کے چہرے پر تشویش کے آثار نمایاں تھے۔

''اڑے چھلگری۔۔۔یہ کیا ہوا تیرے ساتھ۔۔۔کون مائی کا لعل ایسا پیدا ہو گیا ہے جس نے تجھے پھٹی (زخمی) کر ڈالا۔۔۔'' جونگل خان چھلگری کو مخاطب کرتے ہوئے کھرکھراتی آواز میں بولا۔۔۔اس کا لہجہ غضب ناک ہو رہا تھا۔

''وڈا سائیں۔۔۔کبھی گھات تو کبھی مات۔۔۔یہ تو ہماری حیاتی کا حصہ ہے۔۔۔'' چھلگری مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

''تھا کوئی بڑا جی دار قسم کا پولیس آفیسر۔۔۔شاید سکندر علی نام تھا اس کا۔۔۔یہ اسی کا تحفہ ہے۔'' اتنا کہہ کر چھلگری چپ ہو گیا۔۔۔وہ ذرا ہانپنے لگا۔

''اڑے منشی، حکیم بڈھل کو بلا لا جلدی جا۔۔۔بھاگ۔۔۔'' جونگل خان نے باہر کھڑے جبل سے کہا۔ تو چھلگری فوراً منع کرتے ہوئے بولا۔

''نا سائیں۔۔۔کوئی لوڑ، تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔۔۔نوایم ایم کی گولیوں کا برسٹ جیسے آیا تھا ویسے ہی گوشت پھاڑتا ہوا پار بھی ہو گیا تھا بس حیاتی تھی ورنہ میں بھی پار ہی ہو جاتا۔'' چھلگری گردے اٹے ہوئے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے اپنے مخصوص لہجے میں بولا تھا۔

جونگل خان۔۔۔سکندر علی کے نام پر ذرا چونکا تھا۔ اس نے یونہی وضاحت سے پوچھا۔

''چھلگری۔۔۔یہ سکندر علی وہی نوجوان پولیس افسر تو نہیں جو اینٹی ڈکیت فورس کا لیڈر ہے۔ ڈی ایس پی سبھاگو خان کا داماد۔۔۔''

Marfat.com

''ہاؤ سائیں۔۔۔وہی تھا۔۔۔''چھلگری نے جواب دیتے ہوئے کہا۔
''ویسے سائیں۔۔۔تھا بڑا جی دار نوجوان آخری سانس تک لڑتا رہا تھا۔''
''تو کیا وہ مر گیا۔۔۔!!''جونگل کے منہ سے بے اختیار نکلا۔
''چھلگری یار۔۔۔یہ تو اچھا نہیں ہوا۔۔۔''
''کیا اچھا نہیں ہوا سائیں وڈا۔۔۔''چھلگری کی آنکھوں میں حیرت تھی۔
''یار! اسی پولیس افسر۔۔۔سکندر کی تو میں تجھ سے خیر مانگنے آیا تھا۔''جونگل خان نے کہا۔
''سائیں وڈا اب خیر کیسی ۔۔۔جب وہ خود ہی نا رہا تو ۔۔۔''چھلگری قدرے سفاکی سے بولا اور پھر پوچھا۔
''سائیں وڈا۔۔۔آخر کیا بات ہے؟ سکندر علی کے بارے میں آپ کچھ زیادہ فکر مند نظر آ رہے ہیں۔''
تب جونگل خان نے اسے اپنے اور ڈی ایس پی سبھا گو خان کے درمیان ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتا دیا۔
''سائیں یہ تو واقعی غلط ہو گیا۔''چھلگری سنجیدگی سے بولا۔
''غلطی میری تھی۔۔۔کہ میں نے تجھے بتانے میں دیر کر دی تھی۔''جونگل خان نے کہا پھر بولا۔
''ٹھیک ہے جو ہو گا میں دیکھ لوں گا۔۔۔تو ایسا کر یہاں ذرا ستا لے اور ذرا خیال رکھا کر آج کل میرے ہاں سرکاری افسروں کا آنا جانا لگا رہتا ہے۔تو ذرا مجھ سے دور رہ۔میں نہیں چاہتا کسی کو موقع دوں کیونکہ جب سے میں نے سیاست چھوڑ دی ہے خود کو اکیلا محسوس کرنے لگا ہوں۔''
جونگل خان کے لہجے میں پچھتاوے کی جھلک تھی اور چھلگری پر خیال انداز میں اپنا سر ہلانے لگا۔

Marfat.com

☆.....☆.....☆

جب تک سکندر باہر رہتا تھا رضیہ کو عجیب وغریب وسوسے گھیرے رکھتے تھے اس وقت بھی جبکہ شام کے سائے دیوار پر اترنے لگے تو رضیہ کا جی ہولنے لگا۔ سکندر کا ہنوز کہیں پتہ نہ تھا اور وقت ہوتا تو وہ اتنی پریشان نہ ہوتی مگر جب اسے پولیس پارٹی کا لیڈر بنا کر ایک بدنام اور خطرناک ڈاکو احسان چھلگری کے گروہ کا قلع قمع کرنے کی ذمہ داری پولیس محکمے نے سونپی تھی تب سے رضیہ کچھ زیادہ ہی پریشان رہنے لگی تھی۔

سکندر علی آج پھر علی الصباح ہی نکل پڑا تھا گھر سے۔۔۔اور رضیہ دعاؤں کے سائبان تلے اپنے شوہر کو رخصت کر کے خود تصویر انتظار بن گئی۔

معاً باہر کسی بھاری گاڑی کے انجن کی آواز ابھری اور پھر بند ہو گئی۔۔۔رضیہ کا دل جانے کیوں یکبارگی زور سے دھڑکا۔ پھر ایک ساتھ کئی بھاری بوٹوں کی آواز گونجی۔ رضیہ کے دل نے کلمہ خیر کی گردان شروع کر دی تھی۔ ایکا ایکی پھر اس نے محسوس کیا جیسے اس کے اندر ایک چھناکا ہونے والا ہے اس کے وجدان نے اس پر آگہی کے دروازے وا کرنے شروع کر دیئے تھے اور جب کال بیل زور سے بجی تو اسے اپنے کنپٹیوں پر سنسناہٹ سی محسوس ہونے لگی۔

ملازمہ نے جب دروازہ کھولا تو وہ ایک چیخ مار کر پرے ہٹ گئی۔ رضیہ پر تو جیسے سکتہ طاری ہونا شروع ہو چکا تھا اس کی نگاہیں کھلے دروازے کے پار پولیس کے آدمیوں پر جمی ہوئی تھیں۔ جنہوں نے اپنے کاندھے پر میت اٹھا رکھی تھی اور وہ اپنے مغموم چہروں کے ساتھ اندر داخل ہو چکے تھے پھر انہوں نے گہوارے کو صحن کے وسط میں رکھ دیا۔ گہوارے میں رضیہ کے شوہر اور جواں سال نڈر پولیس افسر سکندر علی کا جسد خاکی وردی میں ملفوف گہرے سکوت میں ڈوبا ہوا تھا تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ایک اور گاڑی آندھی طوفان کے ساتھ وہاں آن رکی اس میں سے ڈی ایس پی سبھا گوخان اتر رہا تھا اسے شاید اپنے داماد کی المناک موت کی اطلاع مل چکی تھی۔

Marfat.com

☆.....☆.....☆

ڈی ایس پی سبھا گوخان کی حالت اس وقت زخمی سانپ کی سی ہورہی تھی وہ بار بار اپنی مٹھیوں کو یوں بھینچ رہا تھا جیسے اس میں ڈاکو احسان چھلگری کی گردن دبی ہو وہ وڈیرا جونگل خان سے بھی سخت خائف ہو چکا تھا۔۔۔جس نے دوست بن کر اسے اتنا بڑا نقصان پہنچایا تھا۔وہ اس وقت اپنے سرکاری بنگلے میں موجود تھا۔اس کے سامنے اس کی جواں سالہ بیٹی زندہ لاش کی مثل گم صم بیٹھی ہوئی تھی جس نے بیوگی کا غم اپنے جوان کندھوں پر لیا تھا بے چاری کے ہاتھوں کی حنا بھی ابھی ماند نہ ہوئی تھی کہ تقدیر نے اس کا سہاگ اجاڑ دیا تھا وہ یوں چپ اور خاموش بیٹھی تھی جیسے اپنے شوہر سکندر کی آہٹ کی منتظر ہو۔

سبھا گوخان اپنی جوان معصوم بیٹی کی حالت پر بری طرح کڑھ رہا تھا وہ جانتا تھا کہ چھلگری کو وڈیرا جونگل خان کی پشت پناہی حاصل ہے اور وہ بہت اثر ورسوخ والا آدمی ہے۔خود جونگل خان نے بعض حالات میں سبھا گوخان کی مدد کی تھی اور کرتا رہتا تھا۔جن میں پروموشن اور اس سلسلے کے کئی کام جونگل خان نے چٹکی بجاتے انجام دیئے تھے جواباً سبھا گوخان بھی وڈیرے جونگل خان کے کالے کرتوتوں پر پردہ ڈالتا رہا تھا مگر اب اس کی اپنی رضیہ بیوہ ہو کر زندہ درگور ہو چکی تھی اور جونگل خان کی یہ دوستی ذاتی مخالفت میں بدل گئی تھی وہ جونگل خان کی کئی مکروہ سرگرمیوں سے واقف تھا جن میں اس کی نجی جیلوں اور اس طرح کے کئی دوسرے کارنامے شامل تھے۔

شاید قدرت نے ظلم کا ساتھ دینے کی پاداش میں سبھا گوخان کو مکافات عمل سے گزارا تھا۔اس کا کل سرمایہ حیات اس کی اکلوتی بیٹی رضیہ ہی تھی۔جسے نوجوانی میں بیوہ دیکھ کر وہ بری طرح تڑپ رہا تھا۔

چند لمحوں بعد وہ موبائل پر وڈیرے جونگل خان کا نمبر ملانے لگا۔اس کے سانسوں کا تموج بے انتہا غصے کی غمازی کر رہا تھا۔

Marfat.com

''ھالو بابا۔۔۔رئیس جونگل خان بول رہا ہوں۔'' چند ثانیوں بعد موبائل پہ جونگل خان کی مخصوص آواز ابھری اور سبھا گو خان اپنی کپکپاہٹ اور پھنکارتی ہوئی سانسوں پر قابو پانے کی ناکام کوشش کرنے لگا۔ پھر بولا۔

''جونگل خان ۔۔۔! یہ اچھا نہیں ہوا۔۔۔'' غم و غصے کی شدت میں وہ صرف اتنا ہی کہہ سکا۔

''بابا۔۔۔سبھا گو صاحب ۔۔۔تم کو کاوڑ (غصہ) کرنے کا پورا حق ہے مگر سچ یہ ہے کہ یہ سب کچھ اچانک اور لاعلمی میں ہوا۔'' جونگل خان نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

''جونگل خان! مجھے چھلگری چاہیے بس ۔۔۔'' سبھا گو خان لفظ چبا چبا کر بولا۔ صاف محسوس ہو رہا تھا کہ وہ شدید برداشت کی کیفیت سے دوچار تھا اس وقت پہلا موقع تھا کہ وہ جونگل خان سے اس طرح مخاطب ہوا تھا۔

''بابا۔۔۔مے آ کھیانا تم کو گلا کرنے کا حق ہے۔'' جونگل خان سپاٹ لہجے میں بولا۔

''بابا۔۔۔تم کو اس کا سر دھان (قصاص) ملے گا۔''

''مجھے سر دھان نہیں صرف سر چاہیے ۔۔۔چھلگری کا سر۔۔۔'' سبھا گو خان دانت پیستے ہوئے بولا۔

''نا بابا۔۔۔اس طرح تو بات نہیں بنے گی پھر۔۔۔''

دوسری جانب سے جونگل خان کو بھی تاؤ آ گیا تھا لیکن اب سبھا گو خان کو اس کی پرواہ نہیں رہی تھی وہ اس سے مرعوب ہوئے بغیر بولا۔

''بات اب رہی کہاں ہے جو بنے گی۔۔۔''

''جونگل خان میرا ناقابل تلافی نقصان ہو چکا ہے۔۔۔اگر چاہتے ہو کہ ہماری دوستی قائم رہے تو چھلگری کو فوراً میرے حوالے کر دو۔۔۔اس سے کم پر بات

Marfat.com

نہیں بنے گی۔۔۔"

"بابا۔۔۔تم نے چھلگری۔۔۔چھلگری کی رٹ تو ایسے لگا رکھی ہے جیسے وہ میری جیب میں ہو۔۔۔" دوسری جانب جونگل خان کی پھنکارتی ہوئی آواز ابھری۔

"چنگا بابا ٹھیک ہے۔۔۔جو جی میں آئے کرتے پھرو۔۔۔" یہ کہہ کر جونگل خان نے موبائل آف کر دیا اور سبھاگو نے اپنا موبائل قریبی صوفے پر عالم طیش میں اچھال دیا۔

☆.....☆.....☆

"خیر تو ہے جونگل سائیں ۔۔۔کس سے بات کر رہے تھے فون پر۔۔۔سعید احتشام بابر نے وڈیرے جونگل خان کو غصے میں موبائل سامنے میز پر پٹختے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔

"تھا کوئی ۔۔۔یونہی خواہ مخواہ گلے پڑ رہا تھا ۔۔۔" جونگل خان ٹالتے ہوئے بولا۔

وہ دونوں اس وقت تنہا حویلی میں اپنے کمرہ خاص میں بیٹھے شراب سے شغل کر رہے تھے سامنے ٹیبل پر ولایتی وہسکی کی بوتلیں اور خوبصورت بلوریں پیگ رکھے ہوئے تھے ساتھ میں سوڈے کی بوتل اور آئس کیوبس بھی میز پر دھری تھی ۔۔۔وہ دونوں ہلکی ہلکی چسکیوں کے درمیان نمکو بھی گاہے گاہے کھا رہے تھے۔

"یار ایک کام کرو۔۔۔احتشام!" طویل خاموشی کے بعد وڈیرا جونگل خان نے اچانک اپنے سامنے بیٹھے سعید احتشام سے کہا۔

"ہاں ۔۔۔ہاں کہو ۔۔۔" سعید احتشام بابر ہونٹوں سے پیگ لگاتے ہوئے بولا۔

"یار وہ ڈی ایس پی ہے نا۔۔۔سبھاگو خان ۔۔۔اس کی بدلی کرا دو۔۔۔کہیں دوسری جگہ۔۔۔بلکہ ڈسٹرکٹ آؤٹ کروا دو اسے۔۔۔" جونگل خان اپنا

Marfat.com

پیگ خالی کرتے ہوئے بولا۔

سعید احتشام جونگل خان کی بات سن کر ذرا چونکا پھر کچھ یاد کرتے ہوئے بولا۔

''یہ ڈی ایس پی سبھا گو خان ۔۔۔وہی ہے جس کا داماد سکندر علی بدنام ڈاکو چھلگری کا مقابلہ کرتے ہوئے جاں بحق ہوا ہے۔''

''ہاں۔۔۔ہاں۔۔۔وہی ہے یہ۔۔۔'' جونگل خان قدرے بیزاری سے بولا اور سعید احتشام بابر پر خیال انداز میں اپنا سر ہلانے لگا۔

☆.....☆.....☆

''یہ کھپر ہے۔'' خان محمد نے ایک جالی دار اور خاصے بڑے چوبی بکسے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قریب میں گھبرائی ہوئی لیلیٰ سے کہا۔۔۔مذکورہ بکسے میں مضبوط لوہے کی جالیاں لگی ہوئی تھیں جہاں ایک انتہائی خوفناک سانپ کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔

اس وقت دور ریتیلے افق پر سورج اپنی نارنجی روشنی سے لق ودق صحرا میں موتی سے بکھیر رہا تھا۔۔۔خان محمد موقع ملتے ہی لیلیٰ کو صحرا کی سیر کراتے ہوئے اپنے سانپوں کے فارم میں لے آیا تھا جہاں ایک بڑے سے احاطے میں ایک تاریک سی کوٹھری سی بنی ہوئی تھی اور باہر ان گنت چھوٹے بڑے ان گنت لوہے کی جالی سے بنے ہوئے بکس رکھے ہوئے تھے اور ان بکسوں میں انواع واقسام کے سیاہ چتکبرے ، چتری اور سبز دھاری دار سانپ کنڈلیاں مارے بیٹھے ہوئے تھے۔کئی نے تو بڑے خوفناک انداز میں اپنے پھن بھی کاڑھ رکھے تھے جن کی ''سوں۔۔۔سوں'' کرتی پھنکاروں سے فارم دہشت ناک انداز میں گونج رہا تھا لیلیٰ اس صورتحال سے کافی خوفزدہ اور پریشان دکھائی دے رہی تھی۔

وہ قدرے سہم کر خان محمد سے بولی۔''خان محمد! چلو واپس یہاں سے۔مجھے

Marfat.com

نجانے کیوں وحشت سی ہورہی ہے۔تمہارا بھی عجیب شوق ہے یہ۔۔۔"

اس کی بات سن کر خان محمد نے ایک قہقہہ لگایا جیسے اسے اپنے شوق سے فخر ہوا ہو۔وہ بولا۔

"ایک تو تم شہری لوگ ڈرپوک بہت ہوتے ہو۔۔۔ہمارے یہاں گوٹھ کی عورتیں تو ان سانپوں کو اپنے گلے کا ہار بنا کر جھلاتی پھرتی ہیں۔۔۔"

چند ثانیے توقف کے بعد وہ دوبارہ بولا۔"آؤ تمہیں اور دوسرے سانپ بھی دکھاؤں۔۔۔ان سے ڈرو مت یہ سب میرے دوست ہیں۔"

پھر اس نے قریب کھڑے چند گیروے رنگ کے کپڑے پہنے خاکستری رنگت والے جوگیوں کو کوئی اشارہ کیا اور آگے بڑھ گیا لیلیٰ کو بھی مجبوراً اس کے ساتھ چلنا پڑا سے یہ جگہ تو کیا پورا گوٹھ ہی نہیں بھایا تھا اگرچہ اس وقت بارشوں کی وجہ سے ہر طرف ہریالی ہی ہریالی تھی اسے یہ جگہ بہت پسماندہ اور بے رونق سی دکھائی دی تھی۔

"یہ پدم ہے۔۔۔اور یہ دمن ۔۔۔"خان محمد اپنی دھن میں مست اور سانپوں کے نام لیلیٰ کو بتاتے ہوئے اندر کوٹھری میں آ گیا تھا جدھر بڑے بڑے خوفناک قسم کے سانپ کنڈلی مارے بیٹھے تھے بعض سانپ تو چوبی دستوں کی چھتوں پر بھی بیٹھے ہوئے تھے۔جنہیں دیکھ کر لیلیٰ ایک لمحے کو دہل گئی تھی مگر خان محمد ان سب کے نام گنوا کر فخر محسوس کر رہا تھا۔

"اور یہ باڈھو اور کاریہر ہے۔۔۔اس کے ڈستے ہی انسان دوسرا سانس نہیں لے سکتا اور یہ سنگ چور ہے۔۔۔یہ ڈستا ہے تو انسان کا جسم پانی بن کر بہہ جاتا ہے۔۔۔یہ سب یہاں کی بڑی خطرناک بلائیں ہیں۔۔۔جو عموماً بارشوں کے موسوں میں نکلتی ہیں۔"

اسی دوران قریب کھڑے ایک جوگی نے ایک سانپ خان محمد کے گلے میں ڈال دیا یہ دیکھ کر لیلیٰ دہشت زدہ ہوگئی اور وہ حیرت وخوف سے ملے جلے تاثرات سے

Marfat.com

خان محمد کو تکنے لگی جو بڑے اطمینان سے سانپ کو اپنے گلے کی مالا بنائے مسکرا رہا تھا پھر جانے ایکا ایکی اس کے جی میں کیا سمائی کہ وہ سفید چتری سانپ اپنے گلے سے اتار کر لیلیٰ کے اوپر اچھال دیا جس نے لیلیٰ کے اوپر گرتے ہی فوراً اس کی صراحی دار گردن سے لپٹ کر اس کے چہرے کے آگے اپنا بڑا سا پھن کاڑھ لیا اور لیلیٰ خوفزدہ سی کھڑی رہ گئی اس کی خوبصورت آنکھیں پھیل چکی تھیں اور گلابی بھرے بھرے ہونٹ دائرے کی صورت میں وا ہو گئے تھے اس کی گھگی بندھ گئی تھی سانپ اپنی چھوٹی مگر خوفناک آنکھوں سے لیلیٰ کو تکے جا رہا تھا۔

''خ۔۔۔خان۔۔۔محمد۔۔۔!'' مارے خوف و دہشت کے لیلیٰ کی زبان سے الفاظ پھسلے مگر خان محمد اطمینان سے کھڑا اس کی جانب دیکھ کر مسکراتا رہا۔۔۔پھر بولا۔

''ڈرو نہیں تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔۔۔''

مگر اسی لمحے لیلیٰ کو پیروں سے جان نکلتی ہوئی محسوس ہونے لگی اور سر چکرانے لگا اگلے ہی لمحے وہ زمین پر ڈھیر ہو چکی تھی اس کے زمین بوس ہوتے ہی سانپ اس کی گردن سے علیحدہ ہو کر ایک جانب کو رینگ گیا۔اس صورتحال نے خان محمد کو ذرا بوکھلا دیا لیکن دوسرے ہی لمحے وہ لیلیٰ کے گداز جسم کو بے سدھ پڑا دیکھ کر عجیب سے انداز میں مسکرانے لگا۔

لیلیٰ کی جب آنکھ کھلی تو وہ دہل گئی۔وہ ایک نیم تاریک اور بوسیدہ سی کوٹھری میں کھتری چارپائی پر پڑی تھی۔اگلے ہی لمحے وہ تھرا اٹھی۔۔۔اس نے اپنے اوپر خان محمد کو جھکے پایا۔۔۔اس کا چہرہ پسینے سے تر بتر تھا۔۔۔لیلیٰ کو یوں لگا جیسے اس کے سینے پر کوئی خوفناک ناگ پھن گاڑھے بیٹھا ہو اور کسی بھی لمحے اسے ڈس لینا چاہتا ہو۔۔۔وہ خوفزدہ سی نظروں میں خان محمد کو دیکھنے لگی۔

''لیلیٰ۔۔۔!قسم مولا کی تم بہت حسین ہو۔۔۔بہت زیادہ

Marfat.com

خوبصورت۔۔۔'' خان محمد جذبات کی شدت سے مغلوب ہوکر بولا یہی وہ وقت تھا جب لیلیٰ کو اپنے بدن میں چیونٹیاں رینگتی محسوس ہوئیں اور اپنے تحفظ کا خیال خوف پر غالب آ گیا اس نے اپنی ہمت مجتمع کی اور خان محمد کو ذرا پرے دھکیل دیا اور اٹھ کھڑی ہوئی وہ اب کافی سنبھل چکی تھی مگر اس کا چہرہ شرم اور غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔

''خان محمد۔۔۔! یہ کیا حرکت تھی۔۔۔چلو یہاں سے۔۔۔'' خان محمد بھی خاصا سنبھل چکا تھا۔۔۔یوں لگ رہا تھا جیسے کسی نیند سے بیدار ہوا ہو تاہم اس کے چہرے پر قدرے ندامت کے آثار نمایاں تھے اور پھر لیلیٰ کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر اس نے ہولے سے ''سوری'' کہا پھر وہ اسے واپس حویلی میں لے آیا۔

ماروی کے لیے اپنے گوٹھ کے یہ خوبصورت صحرائی مناظر نئے تو نہ تھے مگر وہ جب بھی اپنے گوٹھ آئی تو ان مناظر میں کھوسی جاتی تھی آج تو اس کا کلاس فیلو شکیل بھی ہمراہ تھا۔۔۔وہ دونوں ہی ان مناظر میں کھوئے کھوئے کافی آگے نکل آئے تھے چہار سولق ودق صحرا پھیلا ہوا تھا۔شکیل بھی اس ماحول سے کافی انسپائر ہو رہا تھا۔

ماروی نے روایتی مقامی لباس زیب تن کر رکھا تھا اس مخصوص تھری عورتوں والے لباس میں وہ خاصی جچ رہی تھی۔یہ لباس وہ کبھی کبھار پہنتی تھی شکیل کو بھی ماروی اس روایتی لباس میں بہت بھلی اور منفرد سی نظر آ رہی تھی۔

پیلی چیزیا، چمکتا ہوا گھاگھرا شوخ رنگ کی چولی میں اس کے حسن کی سادگی ایک عجیب سی کشش پیدا کر رہی تھی کانوں میں چاندی کے بالے ماتھے پر جھالر چھگن نے اسے بالکل ایک خوبصورت اور ثقافتی نمونہ بنا دیا تھا انگلیوں میں بے شمار گھنگھروؤں والے چھلے اور صراحی دار گردن میں چاندی کی موٹی سی مفسلی بھی اس کے منفرد حسن میں اضافے کا باعث بن رہی تھی۔

وہ دونوں اس وقت ڈھلتے سورج کی سنہری کرنوں میں مغلوف ایک ریتیلے ٹیلے پر کھڑے تھے۔

Marfat.com

''ماروی ۔۔۔تمہارا گاؤں واقعی بہت خوبصورت ہے بالکل افسانوی سا۔'' شکیل ایک خوش کن تبصرہ کرتے ہوئے ماروی سے مخاطب ہوا جو ماروی کو بھلا لگا مگر پھر شکیل نے محسوس کیا جیسے ماروی ایک دم سنجیدہ اور اداس سی ہوگئی ہے اور پھر وہ اداسی سے بولی۔

''شکیل یہاں زندگی باہر سے جتنی خوبصورت لگتی ہے اندر سے اتنی ہی دکھی ہے۔۔۔ہم ائیر کنڈیشن گاڑیوں کے اندر بیٹھ کر اس گاؤں کی سیر کو نکلیں تو یہ ہمیں اچھا لگے گا مگر جب یہاں تنگ و تاریک گویوں اور کھپریل کی چھتوں والے بوسیدہ سے مکانوں (جھونپڑیوں) میں اپنے شب و روز گزاریں تو ہمیں صحیح طور پر اندازہ ہوگا کہ یہاں کی زندگی کتنی گھٹن اور تکلیف دہ ہے یہاں کے لوگ پانی جیسی بنیادی ضرورت تک سے اکثر محروم ہیں۔''

اتنا کہہ کر ماروی خاموش ہوگئی پھر اچانک اسے بوجھل پن کا احساس ہوا اور پھر لہجے میں کھنک پیدا کرتے ہوئے بولی۔

''آؤ۔۔۔معاف کرنا تم پہلی دفعہ یہاں آئے ہو۔۔۔بجائے تمہیں اس ماحول سے لطف اندوز کرنے کے۔۔۔بور کر رہی ہوں۔۔۔پھر وہ دونوں ٹیکری سے اترنے لگے تو ایک طرف بیل گاڑی چلی جا رہی تھی اور گاڑی بان اپنی دھن میں مگن شاہ لطیف کی تخلیق کردہ سر کوھیاری گاتا ہوا جا رہا تھا اور ذرا پرے اونٹوں کا قافلہ بھی انہیں گزرتا دکھائی دیا۔جس کے خاکستری پیٹھوں والے دبلے پتلے ساربان مہار تھامے ،سرائیکی زبان میں با آواز بلند گاتے ہوئے جا رہے تھے یہ دیکھ کر شکیل نے بے اختیار ماروی سے استفار کیا۔

''ماروی! یہ لوگ کیا گاتے جا رہے ہیں۔۔۔؟''

ماروی نے مسکرا کر بتایا۔

''یہ اپنے گھروں کی طرف واپس لوٹتے ہوئے ان قافلوں کا مخصوص گیت

Marfat.com

ہے جسے ''بیلن اور گولاڑو'' کہتے ہیں ان کا ایک گیت ہمراچو بھی ہوتا ہے جس کے معنی ''ساتھ آؤ'' کے ہوتے ہیں یہ بول زیادہ تر سندھی سرائیکی زبان میں ہوتے ہیں اس کی بات سن کر شکیل کا اشتیاق بڑھنے لگا اور اس نے مزید آگے چلنے کی خواہش ظاہر کی۔ ریت کی فضا میں اب تپش بتدریج خنکی میں تبدیل ہوتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

قریب ہی گوٹھ کی ناریاں اور تانبے کی رنگت کی عورتیں اپنے اپنے سروں پہ بیک وقت دو۔۔۔دو گھڑے اٹھائے چلی جا رہی تھیں انہوں نے اپنی کہنیوں تک پلاسٹک کے سفید کڑے پہن رکھے تھے۔

شکیل یہ سب بڑے اشتیاق سے دیکھے جا رہا تھا اور شکیل کو اس ماحول میں دلچسپی لیتے دیکھ کر ماروی کا جی بھی خوش ہو رہا تھا مگر ایک بار پھر وہ اداسی سے بولی۔

''شکیل۔۔۔ان بے چاروں کی زندگی بڑی کٹھن ہے تم ان کی آنکھوں میں دیکھو تمہیں ایک طلب نظر آئے گی۔ایک بنیادی ضرورت کی طلب اور بنیادی ضرورت پانی ہے جو انہیں بہت مشکل سے دستیاب ہوتا ہے۔''

''حیرت ہے اتنا اچھا اور خوبصورت بلکہ ثقافتی اہمیت کا حامل یہ گاؤں جو ہمارے ملک کا حصہ ہے۔۔۔مگر یہاں کے باسی اتنی کسمپرسی کی زندگی گزارتے ہیں۔۔۔''شکیل نے ایک تکلیف دہ حیرت سے بولا۔

''ہاں۔۔۔شکیل یہ گاؤں جتنا خوبصورت ہے۔۔۔اس کے دکھ اندر سے اتنے ہی بدصورت ہیں۔۔۔یہ لوگ بارش کی آس میں روز سورج کو ابھرتا اور ڈوبتا دیکھتے رہتے ہیں۔۔۔یہاں پر کئی علاقے ایسے ہیں جہاں پانی کی عدم دستیابی کی وجہ سے کاشتکاری نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے بیشتر باشندوں کا ذریعہ معاش بھیڑ بکریاں پالنا ہے۔یہاں کی عورتیں بھی اندرون سندھ کے دوسرے دیہی علاقوں کی طرح دیہات کے پیداواری عمل میں برابر کی شریک ہوتی ہیں۔یہ مردوں سے زیادہ سختیاں جھیلتی ہیں۔دن بھر کے روزمرہ کام کاج کے علاوہ دور دراز کنوؤں سے پانی بھر کر لانا

Marfat.com

روز کا معمول ہے۔تھر میں عورتوں کا سر پر دو تین گھڑے رکھ کر چلنا عام بات ہے۔"

ماروی اتنا بتا کر ذرا تھم سی گئی۔۔۔جانے کیوں شکیل کو یہاں کی سیر حاصل معلومات ماروی کی زبانی سن کر اچھا محسوس ہو رہا تھا۔ماروی دوبارہ گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے بولی۔

"مگر یہاں اپنی سیاست چمکانے والی مقتدر شخصیتیں جب ان مناظر کو ثقافت کا لقب دیتی ہیں تو یہ تعریف نہیں بلکہ سراسر منافقت اور بے رحمی ہوتی ہے۔۔۔وہ تین گھڑوں کے بوجھ تلے ثقافت کا حسن تلاش کرنے والے یہ نہیں جانتے کہ ان بے چاروں کی زندگی کتنی تکلیف دہ ہے۔"

ماروی خاموش ہوئی تو شکیل جیسے درد محسوس کرتے ہوئے بولا۔

"تو کیا حکومت کچھ نہیں کرتی ان بے چاروں کے لیے۔۔۔میرا مطلب ہے کہ کوئی مربوط منصوبہ بندی جن سے ان بے چارے غریبوں کی زندگی سدھر سکے۔۔۔"

"حکمرانوں کو اپنی سیاسی پینترہ بازیوں سے فرصت ملے تو وہ کچھ کریں نا۔" ماروی نے تلخ لہجے میں جواب دیا۔

"تو پھر پانی کے حصول کے لیے یہ غریب باشندے کیا کرتے ہیں؟" شکیل نے دریافت کیا۔

"ضرورت ایجاد کی ماں ہے ۔۔۔اس کی مثال یہاں صادق آتی ہے۔" ماروی بتانے لگی۔

"یہاں کچھ ایسے علاقے ہیں جہاں بڑے بڑے ٹیلے ہیں اور ان ٹیلوں کے دامن میں ایک جوہڑ ہوتا ہے جسے ہم "آبڑا" یا "ٹوبا" کہتے ہیں۔یہ دشت میں ان کی پیاسی زندگی کی آخری امید ہوتا ہے۔مون سون کی بارشوں میں یہ ٹوبے یا آبڑے پانی سے بھر جاتے ہیں اور یوں یہ غریب لوگ اپنی پانی کی ضرورت پوری

Marfat.com

کرتے ہیں۔"

اتنا بتا کر ماروی خاموش ہوگئی اور پھر شام کے سائے سرمئی ہوتے دیکھ کر اس نے واپس حویلی چلنے کا قصد کیا اور وہ دونوں چل پڑے۔

☆.....☆.....☆

پہر رات گزر چکی تھی ۔۔۔صحرا خنک۔۔۔فضا تلے ٹھٹھر رہا تھا رات کی تاریکی میں طباق چاند عجیب پراسرار سا منظر پیش کر رہا تھا۔۔۔گاؤں کا ہر ذی نفس خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہا تھا مگر قرمزی پتھروں والی حویلی کے مکین ابھی جاگ رہے تھے۔البتہ ان میں شکیل اور لیلیٰ سو چکے تھے وہ آج خاصے تھک چکے تھے کیونکہ خان محمد اور ماروی نے آج انہیں اپنے گوٹھ کی جی بھر کے سیر کروائی تھی اور وہ خود بھی سونے کے لیے جا چکے تھے لہذا اس وقت اس کشادہ ہال نما کمرے میں وڈیرے جونگل خان اور اس کی بیوی مہرالنساء اور سامنے صوفے پر احتشام اور ان کی بیوی براجمان تھے۔کل صبح انہیں واپس لوٹنا تھا اور لوٹنے سے پہلے وہ کسی اہم موضوع پر بات چیت کرنے کے لیے ابھی تک جاگ رہے تھے۔

"جونگل سائیں. بچوں کے بارے میں کیا سوچا ہے آپ نے۔۔۔؟"

چند ثانیے خاموشی کے بعد بالآخر سعید احتشام نے کھنگھار کر گفتگو کی ابتدا کرتے ہوئے کہا۔۔۔

"بابا۔۔۔سوچنا کیا ہے لیلیٰ میری بیٹی ہے اور بس۔۔۔"

جونگل اس کی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے کھل کر بولا۔

"تو ٹھیک ہے سائیں۔۔۔پھر ماروی بھی ہماری بیٹی ہوئی۔۔۔"

احتشام نے بھی دوستانہ لہجے میں کہا مگر اگلے ہی لمحے وہ ششدر رہ گیا کیونکہ اس کی بات پر جونگل خاں یکدم اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔۔۔اس کے چہرے کے بدلے ہوئے تیور ظاہر کر رہے تھے کہ اسے یہ بات بہت بری لگی ہے وہ رعونت

Marfat.com

سے بولا۔

''احتشام۔۔۔مجھے تم سے ایسی بات کی توقع نہ تھی۔۔۔تم جانتے ہو گے کہ ہم میں سنگ داری کی جاتی ہے دی نہیں جاتی۔۔۔سنگ (بیٹی کا رشتہ) ہم اپنے ہی خاندان میں دیتے ہیں۔۔۔دھاریئے (غیروں) میں نہیں۔۔۔''

جونگل خان کی بات پر سعید احتشام اور بیگم احتشام دم بخود رہ گئے تھے انہیں اس دوستانہ ماحول میں اچانک پیدا ہونے والی بدمزگی کی قطعاً امید نہ تھی انہوں نے ایک لمحے کو ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور چپ سادھ لی۔

☆.....☆.....☆

اینٹی ڈکیت فورس کے انچارج دلیر جونیئر پولیس آفیسر سکندر علی کی ہلاکت کے بعد اب اس کے سر ڈی ایس پی سبھا گوخان نے اس کی جگہ لے لی تھی۔۔۔کہاں وہ چھلگری کے مقابلے میں آنے کے لیے ہمیشہ پہلو تہی کرتا رہا مگر اب اس نے بذات خود محکمے کے حکام بالا کو سفارش بھیجی تھی کہ چھلگری کی سرکوبی کی مہم اسے سونپ دی جائے اور پھر تھوڑی پس و پیش کے بعد اوپر والوں نے اس کی درخواست قبول کر لی اب اس نے بہ حیثیت سینئر پولیس آفیسر کے اسپیشل اینٹی ڈکیت ٹاسک فورس کی قیادت سنبھال لی اور چھلگری اور اس کے خطرناک گروہ کا قلع قمع کرنے کے لیے نئے سرے سے حکمت عملی تیار کرنی شروع کر دی تھی۔

اگرچہ وہ یہ بات جانتا تھا کہ چھلگری تھر کے وڈیرے جونگل خان کا آدمی ہے اور بذات خود جونگل خان کتنا بااثر آدمی تھا مگر اب سبھا گوخان کو کسی بات کی پرواہ نہیں تھی کیونکہ اب اس کی دم پر پاؤں پڑ چکا تھا اور اس کو یقین تھا کہ چھلگری اس کے ہاتھ سے نہیں بچ سکے گا اس کے سامنے بار بار اس کی جوان اکلوتی اور بیوہ بیٹی کا معصوم چہرہ محو گردش کرتا رہتا تھا اس نے قسم اٹھا رکھی تھی کہ اب وہ چھلگری کو کسی قیمت پر نہیں چھوڑے گا اگر جونگل خان بیچ میں آیا تو اسے بھی منہ توڑ جواب دے گا وہ خود وڈیرے

Marfat.com

جونگل خان کے ایسے ایسے بہیمانہ رازوں سے واقف تھا جنہیں وہ طشت از بام کر دیتا تو جونگل خان جیل کی سلاخوں کی ہوا کھا رہا ہوتا اگر چہ اس کے پاس جونگل خان کے خلاف کوئی ایسے ثبوت نہ تھے لیکن ان کا حصول بھی اس کے لیے کوئی بڑی بات نہ تھی۔

لہٰذا اس نے بلا خوف نئے سرے سے چھلگری کے خلاف منصوبہ بندی کرتے ہوئے سب سے پہلے سندھ کے ان زیریں اور کچے کے علاقوں کو پوائنٹ آؤٹ کیا جہاں اس کی خاص کمین گاہیں تھیں اور وہاں اس کی موجودگی متوقع تھی۔

ان علاقوں میں سرفہرست دادو کا نیم پہاڑی علاقہ لکھی شاہ صدر، سونا بنڈی اور دریائے سندھ کے دواطراف میں پھیلے ہوئے گھنے جنگلات کے علاوہ کیٹی بگھیو اور کیٹی جتوئی شامل تھے۔

ایک دن وہ اسی ادھیڑ پن میں تھا کہ خفیہ پولیس کے ایک مخبر نے خونی ڈاکو چھلگری کی اہم کمین گاہ کی اطلاع دی جہاں اس کی گروہ سمیت موجودگی کے شواہد ملے تھے اسے گوٹھ حبیب کوٹ اور گوٹھ رک کے میدانی اور نیم جنگلاتی علاقے میں دیکھا گیا تھا۔ سجاگو خان سراغ ملتے ہی فوراً حرکت میں آ گیا۔

اس مرتبہ اس کی اسپیشل اینٹی ڈکیت ٹاسک فورس میں پولیس کے علاوہ رینجرز کے جوان اور تربیت یافتہ کمانڈوز بھی تھے کچے کے علاقوں اور طویل و ناہموار مسافتوں کو پاٹنے کے لیے تیز رفتار اور مخصوص چوڑے ٹائروں والی جیپوں کے علاوہ بھاری بھر کم چوڑے ٹرک اور بکتر بند گاڑیاں بھی تھیں۔ یہ پرخطر سفر شروع کرنے سے قبل انہوں نے گوٹھ نصرت کے پولیس بیس کیمپ کو اپنے خفیہ مشن کی اطلاع کر دی تھی ساتھ ہی اسے ٹاپ سیکرٹ رکھنے کا حکم دیا تھا۔

بہر کیف۔۔۔ یہ قافلہ جدید ہتھیاروں سے لیس ہو کر رخت سفر ہوا۔ سجاگو خان ڈی ایس پی نے اپنے اس مشن کا نام آپریشن ڈیزرٹ فورس رکھا تھا۔

''گوٹھ نصرت'' جہاں سے انہوں نے اپنی اصل کاروائی کا آغاز کرنا تھا

Marfat.com

لاڑکانہ سے تقریباً بیس پچیس کلومیٹر کے فاصلے پر تھا انہوں نے اپنے مہماتی سفر کا آغاز پو پھٹتے ہی حیدرآباد سے براستہ سیہون شریف اور دادو سے کیا۔

قریباً پانچ چھ گھنٹوں کی نان سٹاپ اور تیز رفتار ڈرائیونگ کے بعد یہ سب لوگ لاڑکانہ شہر اور پھر وہاں سے گوٹھ نصرت میں بنے اپنے پولیس بیس کیمپ پہنچے سورج سوا نیزے پر آ پہنچا تھا گرم لو کے تھپیڑوں نے اس کا استقبال کیا یہاں انہوں نے ذرا دیر آرام کیا اور سفر کی تکان وغیرہ اتاری۔

اب وہ اپنی مخصوص اصطلاع اور اندازے کے مطابق اپنے ٹارگٹ زون کے قریب قریب تھے۔ گوٹھ نصرت جہاں ان کا عارضی مقام تھا کچے کے علاقے کا ایک چند سو نفوس پر چھوٹا سا گاؤں تھا بہر طور آئندہ کی فیصلہ کن پیش قدمی رات کی تاریکی میں شب خون مارنے پر منتج ہوئی تھی۔

پھر جیسے جیسے شام کے سائے گہرے ہونا شروع ہوئے تو سب جوان چوکس ہو کر ایک نسبتاً بڑے سے کیمپ نما کوٹھری میں جمع ہو گئے جہاں ایک قدرے چوڑی اور پرانی سی میز پر سبھا گو خان لیڈنگ میپ پھیلائے اسے بغور دیکھ رہا تھا دیگر جوان بڑی مستعدی کے ساتھ خاموش کھڑے تھے البتہ گھاگ نگاہیں میز پر پھیلے نقشے پر جمی ہوئی تھیں وہ سب نقشے پر جھکے ہوئے تھے آخر سبھا گو خان اپنے ہاتھ میں پکڑے ایک مارکر سے نقشے پر ایک جگہ گول سا نشان بناتے ہوئے گھمبیر لہجے میں بولا۔

''ہمارے مخبر کی اطلاع کے مطابق چھلگری کو اس وقت دیہہ حبیب کوٹ میں گوٹھ رک شاہ کے شمال مغرب میں یا اس کے آس پاس کچے میں پایا جانا چاہیے۔''

چند ثانیے کے بعد وہ دوبارہ بتانے لگا۔

''مذکورہ علاقہ ذرا میدانی اور مٹی کے اونچے ٹیلوں پر مشتمل ہے جدھر پھوگ ،آک اور روہیر کی بعض دوسری قد آدم جھاڑیاں اور کیکر کے درخت وغیرہ ایک جنگل بناتے ہیں اس علاقے کی ایک جانب جہاں کیکر وغیرہ کا کافی گنجان جنگل سا پھیلا ہوا

Marfat.com

ہے اور ایک ریلوے لائن بھی قوس کی صورت میں آگے جا کر مڑ رہی ہوتی ہے ادھر چوڑے پاٹوں والے دو دریا بیک وقت شاخوں کی صورت میں منقسم ہو کر بہتے ہیں جن میں ایک رائس کینال اور دوسرا دادو کینال کے ناموں سے موسوم ہیں یہی جگہ یا اس کے اطراف واکناف کا علاقہ ہمارا ٹارگٹ زون ہے۔"

اتنا بتا کر سبھا گو خان چند لمحے خاموش ہوا۔فورس کے دیگر جوان بغور اس کی بات سن اور سمجھ رہے تھے پھر سبھا گو خان نے مارکر کو اپنی انگلیوں میں پھنساتے ہوئے دوبارہ کہنا شروع کیا۔

"یہاں سے ہم دو حصوں میں تقسیم ہو کر ٹارگٹ کی جانب پیش قدمی کریں گے ایک حصہ یعنی ایک پارٹی ٹارگٹ کو آگے سے کور کرے گی اسے ہم اپنی سہولت کے لیے اپر پارٹی کہیں گے جو حملے میں پہل کرے گی اور اس کی کمان میرے ہاتھ میں ہو گی جبکہ دوسری پارٹی ٹارگٹ کو عقبی سمت سے کور کیے صرف گھات لگائے بیٹھی رہے گی یعنی یہ حکم کی منتظر رہے گی اسے ہم لینڈس ڈاؤن پارٹی کہیں گے اس کا کام وائرلیس سیٹ پر ملنے والے حکم پر دشمن کو بوکھلانے اور ان کا مورال توڑنا ہو گا یہ دشمن کے خلاف ایک نفسیاتی حملہ بھی کہلائے گا اور اس کی قیادت انسپکٹر محمد بچل جانوری کے ہاتھ میں ہو گی۔"

یہ کہتے ہوئے سبھا گو خان نے اپنے سامنے کھڑے ایک مضبوط تن وتوش کے حامل شخص کی طرف دیکھا یہ انسپکٹر محمد بچل جانوری تھا اس نے اپنے افسر کی نگاہوں کا مطلب سمجھتے ہوئے فوراً اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر مکمل تعمیل کا یقین دلایا۔

"اینی۔۔۔کوئیسچنز۔۔۔"

سبھا گو خان نے آخر میں اپنی بلند آواز میں جوانوں سے پوچھا۔

"نوسر۔۔۔" سب بیک وقت اور مستعدی سے بولے۔

"اوکے ۔۔۔اب فوراً گاڑیوں کو "ٹاپ آف" کرو ہمیں ابھی نکلنا

Marfat.com

ہے۔۔۔ہری اپ۔۔۔"

☆.....☆.....☆

سعیدا حتشام اپنے اور وڈیرا جونگل خان کے درمیان ہونے والے گفتگو کے بارے میں شکیل اور لیلیٰ کو آگاہ کر چکا تھا نیز یہ بھی بتا دیا تھا کہ جونگل خان نے لیلیٰ کا رشتہ تو اپنے بیٹے خان محمد کے لیے قبول کر لیا تھا مگر اپنی بیٹی ماروی کا رشتہ شکیل کو دینے سے بڑی رعونت کے ساتھ انکار کر دیا تھا۔

شکیل کو خاص طور پر اس بات کا دکھ پہنچا تھا اور وہ ماروی کے باپ کے اس رویہ سے مایوس ہو چکا تھا وہ ان وڈیروں کی ضد اور انا سے خوب واقف تھا تب اسے ماروی کا وہ جملہ یاد آنے لگا اس نے جواباً اس سے کہا تھا۔

"ہم لڑکیاں جتنی بھی پڑھ لکھ جائیں مگر ہمیں فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں ہوتا۔"

آج اسے ماروی کی یہ بات درست معلوم ہو رہی تھی، شکیل کو اب ایک اداس سی چپ لگ گئی تھی۔

یہ سب لوگ اگلے ہی دن علی الصباح اپنی لینڈ کروزر میں سوار ہو کر حیدر آباد لوٹ آئے تھے اور اس وقت اپنی عالیشان کوٹھی کے وسیع و عریض لان میں بیٹھے شام کی چائے پی رہے تھے۔

شکیل نے مزید اس سلسلے میں اپنے والدین سے کوئی بات کرنے سے گریز کیا تھا تاہم بیگم احتشام روایتی ماؤں کی طرح اسے دلاسا دیتے ہوئے بولی۔

ہمارے بیٹے کو رشتوں کی کیا کمی ہے، دنیا میں کوئی ایک ماروی ہی تو نہیں ہزاروں ہیں، ایک سے بڑھ کر ایک۔۔۔"

"آپ درست کہتی ہو ممال۔۔۔" شکیل رسان سے بولا۔

"واقعی دنیا میں ہزاروں لڑکیاں ہیں ایک ماروی ہی تو نہیں ہے۔" شکیل کی

Marfat.com

ذومعنی بات بیگم احتشام کے دل کو لگی تھی۔

''آپ لوگ مجھے رہنے دیں آپ اگر چاہیں تو لیلیٰ بہن، کے لیے کوئی فیصلہ کر سکتے ہیں، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔''

''واہ۔۔۔یہ بھی خوب رہی۔۔۔اپنے بیٹے کے لیے میرا رشتہ تو قبول کر لیا مگر بھائی شکیل کے لیے انہوں نے تنگ نظری کا ثبوت دیا، پھر مجھے بھی یہ رشتہ منظور نہیں۔'' لیلیٰ اپنے بھائی شکیل کا اشارہ سمجھتے ہوئے تنک کر بولی۔

''نہیں لیلیٰ۔۔۔میرے معاملے میں تم خود کو ملوث نہ کرو، تم اپنے فیصلے میں آزاد ہو۔'' شکیل نے اپنی بہن سے کہا تو اس کی بات پر لیلیٰ حیرت اور قدرے خفگی سے بولی۔

''بھائی۔۔۔یہ آپ اتنی غیریت کیوں دکھا رہے ہیں۔۔۔کیا آپ کا دکھ میرا دکھ نہیں۔۔۔میں بہن ہوں آپ کی۔۔۔''

چند ثانیے کے بعد وہ بالآخر فیصلہ کن لہجے میں بولی۔

''اگر انہیں بھائی کا رشتہ قبول نہیں تو میری طرف سے بھی انکار سمجھا جائے۔۔۔میں سمجھتی ہوں مجھے مجبور نہیں کیا جائے گا۔'' یہ کہتے ہوئے وہ وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔

سعید احتشام اور بیگم احتشام خاموش بیٹھے تھے، انہوں نے فی الحال دونوں کی گفتگو میں حصہ نہیں لیا تھا تاہم انہیں بھی حسب توقع جواب لیلیٰ سے مل چکا تھا دراصل وہ خود بھی یہی چاہتے تھے اور لیلیٰ نے ان کی یہ مشکل آسان کر دی تھی، انہیں اس بات کا بخوبی اندازہ ہو چکا تھا کہ ان کا بیٹا شکیل ماروی کو پسند کرتا ہے اور یہی صورتحال جونگل خان کے بیٹے خان محمد کی لیلیٰ کے سلسلے میں تھی لیکن جونگل خان نے خود غرضی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے بیٹے کے لیے تو لیلیٰ کا رشتہ منظور کر لیا تھا مگر اپنی بیٹی ماروی کا رشتہ شکیل کو دینے سے صاف انکار کر دیا تھا اور یہی بات ان دونوں میاں بیوی

Marfat.com

کے علاوہ لیلیٰ کو بھی بری لگی تھی۔

یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ اس وقت وڈیرے جونگل خان کا فون آ گیا۔ چند رسمی باتوں کے بعد جونگل خان اپنے مخصوص کھرکھراتے لہجے میں بولا۔

''ہاں بابا۔۔۔پھر ہم کب آئیں لیلیٰ بیٹی کو انگوٹھی پہنانے۔۔۔'' احتشام کو اتنی جلدی جونگل خان کے فون کے آنے کی توقع نہ تھی تاہم وہ سنجیدگی سے بولا۔

''جونگل سائیں آپ ضرور آئیں، آپ کا اپنا گھر ہے۔ رہی انگوٹھی والی بات تو اس کے بارے میں فیصلہ ہونا ابھی باقی ہے۔''

چند ثانیے کی خاموشی کے بعد سعید احتشام دوبارہ بولا۔

''دراصل آپ کی طرح ہماری بھی کچھ روایات ہیں۔'' سعید احتشام کے لہجے میں ایک کاٹ سی آ گئی تھی۔

''ٹھیک ہے بابا۔۔۔آپ کی روایات کا ہم دل سے احترام کریں گے۔''

دوسری جانب سے جونگل خان کی آواز ابھری۔

''مجھے آپ سے یہی امید تھی جونگل سائیں۔۔۔'' سعید احتشام کا لہجہ ہنوز سنجیدہ تھا۔ تاہم پھر بھی وہ اپنے لہجے کے طنز کو لفظوں میں عیاں کئے بغیر نہ رہ سکا اور بولا۔

''دراصل جونگل سائیں۔۔۔ہم اپنے بچوں کے معاملے میں کھلے دل رکھتے ہیں، ان پر مرضی تھوپنے کی کوشش نہیں کرتے، کہنے کا مقصد یہ ہے کہ میں اس سلسلے میں لیلیٰ بیٹی کی رائے کو پہلے فوقیت دوں گا۔''

''بچیوں سے کیسی رائے لینا بابا۔۔۔'' دوسری طرف سے جونگل خان کی بھاری آواز گونجی۔

''عورتوں کو اگر اتنا ہی عقل کل سمجھا جاتا تو آج طلاق کا اختیار مرد کے پاس نہ ہوتا بابا۔۔۔''

Marfat.com

جونگل خان کی اس بات پر سعید احتشام کو ان کی ذہنی پسماندگی کا احساس ہوا اسے یہ بات بری لگی تھی تاہم وہ ہموار لہجے میں بولا۔

''نہیں جونگل سائیں تعلیم نے عورت کو اب برے بھلے کی تمیز سکھا دی ہے ہمیں اپنی تربیت پر مکمل بھروسہ ہے کہ ہماری تربیت ہمارے نظریات سے کبھی متصادم نہیں ہوسکتی۔''

''اچھا بابا۔۔۔ٹھیک ہے۔۔۔ٹھیک ہے۔۔۔''وڈیرا جونگل خان شاید احتشام بابر کی گفتگو سے بوجھل اور بیزار سا ہوتے ہوئے بولا۔

''آپ ضرور لیلیٰ بیٹی سے اس کی مرضی پوچھ لو ہمیں کوئی اعتراض نہیں مگر یہ بھی ذہن میں رہنا چاہیے کہ وہ ہمارے بیٹے خان محمد کی پسند ہے ،اللہ حافظ۔۔۔''دوسری طرف سے فون آف ہو چکا تھا۔

''بے وقوف! خود کو سمجھتے کیا ہیں، اپنی اوطاقوں میں دو چار غریب ہاریوں پر تسلط جما کر ساری دنیا کو اپنی میراث سمجھنے لگتے ہیں۔''سعید احتشام اپنے دانت بھینچ کر بڑبڑاتے ہوئے بولا۔

ان کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر اہل خانہ نے اندازہ لگا لیا تھا کہ دونوں دوستوں میں بدمزگی کی ابتداء ہو چکی ہے کیونکہ یہ پہلا موقع تھا کہ سعید احتشام نے جونگل خان کے خلاف ایسے کلمات ادا کئے تھے، وہ ہنوز غصے میں بل کھا رہے تھے۔

''کم آن۔۔۔شامی۔۔۔۔ٹیک اٹ ایزی۔۔۔پلیز ڈونٹ ٹیک دی سیریسلی دس میٹر۔۔۔''ان کی بیگم از راہ تشفی ان سے بولی اور ان کے لیے چائے بنانے لگی۔

☆.....☆.....☆

ادھر خان محمد اور ماروی پر بھی موجودہ حالات کی تبدیلی واضح ہو چکی تھی جس کا واضح ثبوت شکیل اور لیلیٰ کی وہ سرد مہری تھی جو انہوں نے روا رکھی تھی کیونکہ کافی روز گزر

Marfat.com

جانے کے باوجود بھی شہر سے ان دونوں بہن بھائیوں کا کوئی فون نہیں آ رہا تھا ورنہ تو ان کے گوٹھ آتے ہی اکثر فون پر گفتگو ہو جایا کرتی تھی۔

ادھر جب ماروی کے بھائی خان محمد نے لیلیٰ سے فون پر رابطہ کرنا چاہا تو اسے دوسری طرف سے کوئی دوستانہ رسپانس نہیں ملا سوائے روکھے پھیکے ''ہائے ہیلو'' کے۔۔۔علاوہ ازیں لیلیٰ نے خان محمد سے کسی خاص ٹاپک پر بھی گفتگو کرنے سے بھی احتراز کیا تھا جس پر خان محمد کی روایتی اکھڑ مزاجی اور خود ساختہ انا نے یکدم ضد کا روپ دھار لیا تھا، ایسی ضد جس کے پیچھے ذاتی عناد کے سوا کچھ نہیں رہتا۔ادراک تو اسے حقیقت کا ہو ہی چکا تھا کیونکہ اس کے باپ نے جب اس کی بہن ماروی کا رشتہ شکیل کو دینے سے انکار کر دیا تھا تو بھلا پھر سعید احتشام کس طرح اپنی بیٹی کا رشتہ خان محمد کو دے سکتا تھا، اس سلسلے میں ماروی کی سوچ بالکل غیر جانبدارانہ تھی۔

اگرچہ وہ خاموش تھی مگر دل سے یہ بات تسلیم کر چکی تھی کہ اگر اسکے باوا جانی نے اس کا رشتہ دینے سے انکار کیا ہے تو وہ بھی یہی حق رکھتے ہیں تاہم ماروی کو اس بات کا افسوس تھا کہ اتنے عرصے کی دوستی اب سرد جنگ میں بدل جائے گی بلکہ بدل چکی تھی، غرض دونوں خاندانوں کے دلوں میں خلیج بڑھنا شروع ہو گئی تھی اور اس دن تو مہر ثبت ہو گئی جب وڈیرا جونگل خان نے کچھ عرصے بعد دوبارہ سعید احتشام کا لیلیٰ کے رشتے کے سلسلے میں دوبارہ فون کیا تو انکار کی صورت میں سعید احتشام بابر کی طرف سے صاف جواب مل گیا۔

☆.....☆.....☆

''بابا سائیں۔۔۔لیلیٰ صرف میری ہے اور بس۔۔۔میں اسے ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہتا ہوں۔۔۔دیکھتا ہوں آپ کا سعید احتشام کیا کرتا ہے۔'' اس دن خان محمد اچانک حیدر آباد ''لیجھر ہاوس'' جانے کے لیے تیار ہوا تھا۔باپ سے مڈبھیڑ ہونے پر اس نے اپنے عزائم کا برملا اظہار کر ڈالا تھا۔

Marfat.com

"نا۔۔۔میڈا پٹ ۔۔۔نا ۔۔۔ذرا ماٹھ (صبر) کر ۔۔۔تو اپنے باباسائیں کے ہوتے ہوئے کیوں گڑتی (فکر) کرتا ہے بابا۔۔۔" جونگل خان اپنے بیٹے کے عزائم کا اندازہ لگاتے ہوئے اسے تسلی دیتے ہوئے بولا۔

"باباسائیں۔۔۔احتشام بابر تو آپ کے خاص الخاص دوستوں میں سے ایک تھا، اس کے باوجود اس نے لیلیٰ کا رشتہ دینے سے صاف انکار کر دیا ہے، اب کس بات کا صبر کروں میں۔۔۔" خان محمد جھلا کر بولا۔

"ہالا بابا ہالا۔۔۔۔جوانی کا خواں ہے تیرا ڈھو (قصور) نہیں۔۔۔" وڈیرا جونگل خان بیٹے کو تسلی دینے کی غرض سے بولا۔

"دیکھو بابا۔۔۔ہم نے دنیا دیکھی ہے۔۔۔سیاست بھی کی ہے اور دھونس اور دھمکی سے بھی کام نکالا ہے مگر بہت سے ٹیڑھے اور ناممکن کام ہم نے دھمکی سے نہیں بلکہ سیاست سے نکالے ہیں، آج جس سیٹ پر تمہارا احتشام موجود ہے نا۔۔۔یہ بھی ہماری ہی وجہ سے ہے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ بچوں کے معاملے میں اچھے اچھے لنگوٹیے یار بھی دانت نکوس کر سامنے آجاتے ہیں۔" اتنا کہہ کر جونگل خان ذرا تھما پھر جاتے جاتے خان محمد کے کاندھے پر تھپکی مارتے ہوئے بولا۔

"اگر مخالف سے لڑنا ہے تو غصہ مت کرو ورنہ کمزور ہو جاؤ گے اور مخالف تم پر غالب آجائے گا۔ یاد رکھنا میری بات۔۔۔"

☆.....☆.....☆

رات انتہائی تاریک تھی، ہر طرف ہولناک ویران سناٹا پھیلا ہوا تھا، ذرا دور گھنا جنگل کسی آسیب کی طرح منہ پھاڑے کھڑا تھا، ہوا پاکیزہ روح کی مانند محو خرام تھی، قریب ہی رائس کینال کا پانی سبک روی سے بہہ رہا تھا جس کی جھلملاتی سطح پر آوارہ بدلیوں سے اٹھکیلیاں کرتا ہوا نیم پوشیدہ چاند کا عکس لرزاں براندام تھا، ایک ریلوے لائن بھی دور تک جا کر بائیں سمت میں بل کھاتی ہوئی تاریکیوں میں گم ہو رہی تھی۔

Marfat.com

ڈی ایس پی سبھا گوخان اپنی ''اپر پارٹی'' کے ہمراہ ''ٹارگٹ'' کی جانب پیش قدمی کر چکا تھا جبکہ دوسری ''لینڈ ڈاؤن پارٹی'' انسپکٹر محمد بچل جانوری کی سرکردگی میں آگے بڑھ رہی تھی۔

چند لمحوں بعد سبھا گوخان کو وائرلیس پر اطلاع موصول ہوئی، یہ انسپکٹر محمد بچل تھا، وہ پرجوش آواز میں بولا۔

''سر! مخبر کی اطلاع بالکل درست ہے، ہم نے متوقع ٹارگٹ کو عقبی سمت سے کور کر رکھا ہے، اینی آرڈر سر۔۔۔اوور۔۔۔''

''شاباش بچل۔۔۔تم انہیں کور کیے رکھو، ہوشیاری کے ساتھ اگلے حکم کے منتظر رہنا، جب تک گرین سنگل تمہیں نہ دیا جائے، حملہ نہ کرنا۔۔۔اگر خطرہ محسوس کرو تو بلا دریغ تم اپنی مرضی کے مطابق بدلتی سچویشنز سنبھال سکتے ہو۔۔۔اور۔۔۔'' سبھا گو خان بولا۔

''او کے! رائٹ سر۔۔۔اوور۔۔۔'' بچل نے کہا۔

''ٹھیک ہے اوور۔۔۔اینڈ آل۔۔۔'' سبھا گوخان نے وائرلیس آف کیا اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ آگے چل پڑا۔ یہ سب جیپوں اور بکتر بند گاڑیوں میں ''رائس کینال'' کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگے۔

گاڑیوں کی تمام ہیڈ لائٹس آف تھیں، تھوڑی دیر بعد چاند کی نیم تاریکی میں محو سفر رہنے کے بعد وہ ایک پلیا کے ذریعے رائس کینال کو پار کر کے اب کیکر کے تاریک جنگل مین داخل ہو گئے تھے، ان سب کے دل کنپٹیوں میں دھڑک رہے تھے وہ کسی بھی لمحے بدنام زمانہ خطرناک اور خونی ڈاکو چھلگری سے نبرد آزما ہونے کے لیے بالکل تیار تھے، ایک مقام پر انہیں اچانک مشرق کی سمت گولیوں کی تڑتڑاہٹ سنائی دی اور پھر تو جیسے سارا جنگل دھماکوں سے گونج اٹھا۔ یہ لوگ بری طرح ٹھٹھک گئے تھے۔

Marfat.com

سبھاگو خان کا پہلا خیال ''لینڈ زڈاؤن'' پارٹی کی طرف گیا تھا، شاید ان کی پہلے چھلگری کے گروہ سے مڈبھیڑ ہوگئی تھی، وہ ضرور دیکھ لئے گئے تھے کیونکہ فائرنگ کے آہنگ سے محسوس ہورہا تھا کہ یہ یک طرفہ فائرنگ نہیں بلکہ ''تبادلہ فائرنگ'' تھی اوراس خیال کے چند ثانیے بعد تصدیق بھی ہوگئی کیونکہ اگلے ہی لمحے وائرلیس پر سبھاگو خان کو اطلاع ملی دوسری جانب محمد بچل کی ہانپتی ہوئی آواز آرہی تھی۔

''سر۔۔۔بدقسمتی سے ہم ٹریس کر لئے گئے ہیں اوراپنے دفاع کے لیے مجبوراً میں نے فائرنگ کے آرڈر جاری کردیئے ہیں، اب میرے لیے کیا حکم ہے سر۔۔۔اوور۔۔۔''

''ٹھیک ہے تم محاصرہ اور فائرنگ جاری رکھو، میں گاہے بگاہے تم سے رابطہ بھی کرتا رہوں گا۔۔۔اور۔۔۔اینڈ آل۔۔۔''

سبھاگو خان نے کہا اور اگلے ہی لمحے اس نے اپنے نوجوانوں کو مخصوص اشارہ کیا اوران سب نے ایکا ایکی اپنی جدید ساخت کی گنیں سیدھی کرلیں، ان کے پاس راکٹ لانچرز بھی تھے، انہوں نے فوراً گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس آن کر دیں اورآگے بڑھنے لگے۔ایک خونریز معرکہ ان کا منتظر تھا، اسے اس بات کی پرواہ نہیں تھی کہ ''لینڈ زڈاؤن پارٹی'' کو ٹریس کرلیا گیا تھا کیونکہ اب خود بخود ان پارٹیوں کی حیثیت بدل گئی تھی یعنی جو کام ان کی ''اپر پارٹی'' نے کرنا تھا وہ مجبوری کے تحت پہلے ''لینڈزڈاؤن پارٹی'' نے کرڈالا تھا۔

اب اس مذکورہ پارٹی کا کام سبھاگو خان کی ''اپر پارٹی'' سرانجام دینے والی تھی جو دشمن کو بوکھلاہٹ میں مبتلا کرسکتی تھی۔

☆.....☆.....☆

پرتعیش بیڈروم میں اس وقت اسٹیریو ڈیک پر گیت کے بول ماروی کو مدہوش کیے دے رہے تھے، وہ جہازی سائز کے نرم وگداز بیڈ پر نیم دراز موسیقی سے

Marfat.com

لطف اندوز ہورہی تھی، بیڈ کے سائیڈ ٹیبل پر رکھا کلاک دن کا ایک بجا رہا تھا۔

پھر کمرے میں گونجتی ہوئی گیت کی آواز معدوم ہوگئی شاید کیسٹ ختم ہوچکی تھی البتہ خالی کیسٹ کے چلنے کی گھر۔۔۔گھر کی آواز ڈیک سے ابھر رہی تھی۔

ماروی نے اپنی سرمگیں سرمگیں آنکھیں یکدم یوں جھپک کر کھولیں جیسے خواب سے بیدار ہوئی ہو، تب وہ ایک گہری سانس کھینچ کر کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی۔یکا یک اسے یوں لگا جیسے اس کے اندر کوئی ساز بجا رہا ہو، ایسا ساز جس کی لے اسے اپنے ساتھ بہا کر لے جانا چاہتی ہو، ساز کا طلسم اسے جکڑے لے جا رہا تھا۔

اس کے دل کے نہاں خانوں میں کسی کی دھندلی دھندلی شبیہہ سی ابھر رہی تھی پھر جیسے وہ واضح ہوتی چلی گئی اور اب اس نوجوان بیراگی کا سانولا چہرہ اس کے سامنے تھا۔

وہ حیران تھی کہ ایک عام سے معمولی لڑکے نے اس جیسی لڑکی کے اندر ایسی کیا جوت جگادی ہے کہ اسے اچھا بھلا بیٹھے بیٹھے بے قراری سی ہو جاتی ہے اور بے قراری بھی ایسی کہ اسے گھٹن کا احساس ہونے لگتا تھا جب وہ اپنی عالیشان حویلی سے نکل کر اس دیوانے سانول کی جھونپڑی میں جا پہنچتی تو اسے قدرے قرار ملتا۔

اور اس وقت بھی ایسا ہوا بیٹھے بیٹھے اچانک اسے شدید گھٹن کا احساس ہونے لگا اور دل بے اختیار باہر کی جانب مائل بہ حرکت ہونے لگا اور پھر تھوڑی دیر بعد وہ وسیع وعریض صحرا میں کھڑی تھی، یہ دشت اسے بڑا سکون اور نروان بخشتا تھا۔باہر اس وقت سماں ہی اور تھا، مون سون کی بارشوں کی خوشیوں میں لوگوں نے دھمال ڈال رکھا تھا ایک طرف آبڑوں اور جوہڑوں میں ننگ دھڑنگ بچے نہا رہے تھے دوسری جانب گوار، باجرہ کے ہرے بھرے کھیتوں کی منڈیروں پر لڑکیاں رنگین چولیوں اور شوخ گھاگھرے پہنے، چھاج میں اناج پھٹکتے ہوئے ''مورٹور'' گنگنا رہی تھیں۔تو کہیں خاکستری پیٹھوں والے ساربان اونٹوں کی مہاریں تھامے ''سرماڑی'' الاپتے ہوئے

Marfat.com

چلے جارہے تھے۔

ماروی ان دلفریب مناظر میں ڈوبی ہوئی بے خودی میں پا پیادہ چلتی اس ''جبل بھٹ'' تک آ پہنچی جہاں کیکر تلے نوجوان مجذوب سانول کی جھونپڑی تھی۔

جھونپڑی کے ذرا قریب پہنچ کر ماروی کو ٹھٹک کر رکنا پڑا، اس نے دیکھا کہ سانول کی جھونپڑی کے قریب کچھ لوگوں کا ہجوم تھا، جن کے چہرے عقیدت واحترام میں ڈوبے ہوئے تھے، انہوں نے اپنے ہاتھوں میں انواع واقسام کی اشیاء بطور ''نذرانہ'' تھامے ہوئی تھیں، ماروی اکثر یہ مجمع سانول کی جھونپڑی کے پاس دیکھا کرتی تھی اور اسے دیکھ کر سخت ذہنی کوفت ہوتی تھی، وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی سانول کی جھونپڑی کے قریب پہنچی تو اسے اندر سے سانول کے کسی پر برہم ہونے کی آوازیں آتی سنائی دیں، ماروی نے بغور سنا، وہ غصے میں تھا اور اسے ''نذرانہ'' دینے آئے ہوئے لوگوں کو وہاں سے چلے جانے کا کہہ رہا تھا۔

ماروی حیرت سے سوچنے لگی کہ یہ لوگ بھی کتنے سادہ لوح ہیں۔ایک ایسے شخص سے اپنی حاجتیں اور منتیں مانگنے کے لیے آرہے ہیں جو خود بے چارہ حاجت مند ہے، سب کچھ تیاگ کر اس دور دراز اور بے آب ریگستان میں جھونپڑی ڈال کر پڑا رہنے والا بھلا کس طرح ان کا نجات دہندہ یا حاجت روا بن سکتا ہے، جب اس نے اپنے اس خیال کا اظہار وہاں موجود لوگوں سے کیا تو اسے بڑا ہی جاہلانہ جواب سننے کو ملا تھا۔

لوگوں کے خیال کے مطابق گھر بار چھوڑ چھاڑ کر اور تکالیف وصعوبتیں کاٹنے والا بیراگی اللہ کے قریب ہوتا ہے۔

''تم لوگ آخر کیوں اس غریب کو بار بار تنگ کرنے یہاں آتے ہو؟''

بالآخر ماروی سے رہا نہ گیا اور اس نے قریب کھڑی عورتوں کی ٹولی سے مخاطب ہو کر کہا۔

Marfat.com

''اے۔۔۔کیا اکھتی (کہتی) ہے معافی گمن (مانگ) آئی (لڑکی)۔۔۔ بھلا ایسن (ہم) بھٹ سائیں کو کیوں تنگ کرے ساں۔۔۔''ایک پکی عمر کی خرانٹ سی عورت نے تنک کر جواب دیا۔

''تو کیا غلط کہہ رہی ہوں۔۔۔'' ماروی نے بھی اسی لہجے میں جواب دیا قریب کھڑے دیگر لوگ بھی حیرت و دلچسپی کے ساتھ ان کی تکرار سن رہے تھے۔

''تم لوگ آخر کیوں اسے تنگ کر رہے ہو، وہ تو تمہاری بات سننے کو بھی تیار نہیں ہے۔''

''بی بی یہ بے پرواہ بندے اللہ کے ایسے ہی ہوتے ہیں۔'' قریب کھڑے ایک پچھی سے بوڑھے نے اپنے جواب سے نوازا' اور ماروی کو اس کی سوچ پر افسوس ہونے لگا۔

اثنائے راہ انہی عورتوں میں سے ایک سانولی سی عورت جس نے میلا سا گھاگھرا اور پیلی چولی پہن رکھی تھی اپنے کولہوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے ماروی سے بولی۔

''تم یہ بتاؤ پہلے کہ تو خود یہاں کیا کرنے آئی ہے۔۔۔''اس کی بات پر ماروی چونک سی گئی، وہ لاجواب ہوگئی تھی۔

☆.....☆.....☆

خان محمد نے اپنے باپ جونگل خان کی بات بظاہر غور سے سنی تھی مگر خان محمد اکھڑ مزاج اور ضدی نوجوانوں میں سے تھا جو بظاہر دوسروں کی تلقین تو توجہ سے سنتے ہیں اور عارضی طور پر رضامند بھی دکھائی دیتے ہیں مگر کرتے بالآخر وہی ہیں جو ان کے اندر سمائی ہوتی ہے۔

خان محمد کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی تھا، اس نے سب باتوں کو بالائے طاق رکھ کر خود ہی اس مسئلے سے نپٹنے کی ٹھانی اور سب سے پہلے اس نے حیدر آباد کا قصد کیا اس کے یوں اچانک حیدر آباد جانے پر گھر والوں کو اچنبھا ہوا مگر اس نے حیدر آباد

Marfat.com

اپنے کسی دوست کی شادی میں آنے کا عذر بتا کر بجیرو لئے سیدھا ''کینجھر ہاوس'' آ گیا۔

یہاں پہنچ کر اس نے سب سے پہلے اپنے راز دار دوست دادن سندھو سے رابطہ کیا، وہ یونیورسٹی کیمپس میں رہائش پذیر تھا، وہ گھٹے ہوئے جسم کا مالک، ایک رعونت آمیز نوجوان تھا، اسے بھی اپنے جگری یار خان محمد کے یوں اچانک گوٹھ سے واپسی پر حیرت ہوئی تھی۔

اس وقت وہ دونوں کینجھر ہاوس کے ایک پرتعیش کمرے میں دبیز قالینوں پر گاؤں تکیے رکھے آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے، ان کے درمیان طشتری پر اشیائے خوردونوش رکھی ہوئی تھیں، دیوار گیر کلاک اس وقت رات کے گیارہ بجا رہا تھا اور کمرے کی فضاء ائیر کنڈیشن کی وجہ سے خاصی خنک ہو رہی تھی۔

''خیر تو ہے خانو۔۔۔یوں اچانک۔۔۔''

''دادن چمچے سے چیوڑا منہ میں وال کر دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ کر بولا اور بلوریں پیگ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

''دادن۔۔۔لیلیٰ کو جانتے ہو نا۔۔۔؟'' خان محمد عجیب سے لہجے میں بولا۔

''ھاؤ سائیں۔۔۔وہی نا۔۔۔جو ہماری بھاجائی (بھابھی) بننے والی ہے۔'' دادن معنی خیز لہجے میں بولا۔

''ہاں دادن وہی۔۔۔اسے اغوا کرنا ہے۔''

خان محمد سرسراتے ہوئے لہجے میں بولا۔اس کا خیال تھا کہ دادن اس کی بات پر چونک پڑے گا مگر اس کی بات سن کر دادن کے ہونٹوں کے باریک کنارے ذرا پھیل سے گئے پھر وہ اگلے ہی لمحے انتہائی سنجیدہ نظر آنے لگا اور بولا۔

''دیکھو یار۔۔۔ہم یاروں کے یار ہیں، تیری دوستی پر سر لگاتے ہیں، میری بات کا غلط مطلب نہ لینا۔''

Marfat.com

وہ چند لمحے توقف کے بعد دوبارہ بولا۔

''میرا مطلب ہے کہ تم نے سارے پہلوؤں پر غور تو کر لیا ہے نا۔۔۔''

خان محمد اس کی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے ذرا خفگی سے بولا۔

''تو اس کے باپ سے ڈرتا ہے۔۔۔کیا ہم گھٹ ہیں کسی سے۔۔۔''

''میری بات کا تو نے آخر غلط مطلب لیا ہے نا۔۔۔'' دادن نے شکایتی لہجے میں کہا۔

''میرا مطلب صرف یہ تھا کہ اگر لیلیٰ کو اغوا کرنے سے تمہارا مقصد پورا ہو سکتا ہے تو میں تمہارے ساتھ ہوں یار۔۔۔ایسا نہ ہو کہ اسے اغوا کر کے صورتحال بگڑ جائے اور لینے کے دینے پڑ جائیں۔''

''ٹھیک ہے یار! تو میرا ساتھ نہیں دیتا ہے تو نہ دے۔۔۔میں گوٹھ سے اپنے ''ہمراہ'' (ساتھی، آدمی) لے آؤں گا۔'' خان محمد روایتی اکھڑ مزاجی سے بولا۔

''یہی میں چاہتا تھا خانو۔۔۔'' دادن اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے طمانیت سے بولا اور خان محمد چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

''یہ میں نے تم سے اس لیے کہا تھا کہ۔۔۔اگر بعد میں تمہارے قدم ڈگمگانے لگیں تو میں تمہیں بے وفائی کا طعنہ یاد دلا سکوں۔۔۔چل اٹھ میں تیرے ساتھ ہوں۔'' اس کے بعد وہ آئندہ کا لائحہ عمل طے کرنے لگے۔

درحقیقت دادن کو حالات کا ادراک تھا، وہ لیلیٰ کی حیثیت سے اچھی طرح واقف تھا، وہ یونیورسٹی کی کوئی عام لڑکی نہ تھی کہ ترنوالہ بن جاتی اور کسی کو خبر تک نہ ہوتی ،اسے یہ بھی معلوم تھا کہ لیلیٰ سیکرٹری سطح کے معروف بیوروکریٹ کی بیٹی ہے اسے اغوا کرنے کا مطلب پورے صوبے کی مشینری کو اپنے پیچھے لگانا تھا۔

☆.....☆.....☆

لیلیٰ پر آج کل قنوطیت نے پوری شدت کے ساتھ حملہ کیا ہوا تھا۔

Marfat.com

اس کی ایک بڑی وجہ ماروی تھی جس سے آج کل اس کی بات چیت تقریباً بند تھی یوں تو لیلیٰ کی اور بھی کئی سہلیاں تھیں مگر ماروی اس کی واحد سہیلی تھی جس سے وہ کافی حد تک ''کلوز'' ہو جایا کرتی تھی اور اسے اس کی سنگت میں بڑی آسودگی محسوس ہوتی تھی مگر جب سے دونوں خاندانوں کے مابین رشتوں کا تنازع ہوا تھا، تب سے ان کی دوستی کے بیچ بھی غیر محسوس طور پر خلیج حائل ہوتی چلی گئی۔

وہ اوائل جون کی ایک گرم شام تھی لیلیٰ کا دل اس دن اتنا اکتایا تھا کہ اس نے اپنی کار نکالی اور بلا سوچے سمجھے ڈرائیونگ پر نکل گئی، وہ اس بات سے یکسر بے خبر تھی کہ ایک اور گاڑی بھی اس کے تعاقب میں لگ چکی ہے۔

وہ اطمینان سے کار میں لگے ڈیک پر ایم سی ہیمر کو سن رہی تھی، اس کی گاڑی کافی دیر تک مختلف بھری پری شاہراہوں پر دوڑتی رہی پھر ایک ایسی ذیلی سڑک کی طرف مڑ گئی جو نسبتاً ویران تھی، اکا دکا گاڑیوں کے علاوہ وہاں کسی کا گزر نہ تھا، اس کے تعاقب میں آتی ہوئی گاڑی اچانک اسے کراس کرتی ہوئی عین سڑک پر ترچھی ہو کر کھڑی ہو گئی۔

اگر لیلیٰ نے بروقت بریک پر پاؤں نہ رکھ دیئے ہوتے تو اس کی کار سامنے راہ روکے کھڑی جیپ سے ٹکرا جاتی، کار کے ٹائرز زور سے چرچرائے اور کار ایک جھٹکے سے رک گئی۔

لیلیٰ کی کار کے رکتے ہی سامنے راستہ روکے کھڑی جیپ سے چند افراد جنہوں نے اپنے چہروں پر اجرکوں کے ڈھاٹے باندھے ہوئے تھے، رائفلیں تھامے باہر کو کودے اور بجلی کی سی پھرتی کے ساتھ لیلیٰ کی کار کے قریب آ کر ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولا اور ہکا بکا بیٹھی لیلیٰ کو بیدردی سے کھینچ کر باہر نکال لیا اور پھر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی، ایک ''ڈھاٹا پوش'' نے اس کی ناک پر رومال رکھ دیا اور دوسرے ہی لمحے وہ دنیا و مافیہا سے بیگانہ ہو رک ڈھاٹا پوش کے بازوؤں میں جھول گئی تب انہوں

Marfat.com

نے لیلیٰ کے بے سدھ جسم کو اٹھا کر آناً فاناً اپنی جیپ میں ڈالا اور وہاں سے ہوا ہو گئے۔
لیلیٰ کی کار کا دروازہ کھلا پڑا تھا اور اندر سے ایم سی ہیمر "کین ٹچ دس" گا رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

وڈیرا جونگل خان کو اپنے بیٹے خان محمد کا یوں اچانک شہر چلے جانا ایک بے نام سی تشویش میں مبتلا کر رہا تھا، وہ آخر اس کا باپ تھا، اپنے بیٹے کی آتش مزاجی سے واقف تھا، اسے ڈر تھا کہیں خان محمد غصے اور طیش میں آ کر کوئی ایسا قدم نہ اٹھا لے جو بعد میں اس کے لیے مصیبت بن جائے۔

وہ جب تک حویلی میں موجود تھا، جونگل خان کو اس طرف سے تسلی تھی مگر پھر یوں اچانک شہر کینجھر ہاوس چلے جانا، اسے اچھنبے اور کسی قدر تشویش میں مبتلا کر رہا تھا۔
جونگل خان نے چند لمحوں بعد اپنے مصاحب خاص جبل کو اپنے کمرہ خاص میں بلایا۔

"حاضر سائیں وڈا۔۔۔" وہ اندر آتے ہوئے مودبانہ بولا۔
"بابا۔۔۔ پٹ خان محمد کی طرف سے ذرا پریشانی ہو رہی ہے۔" جونگل خان عالم پریشانی میں دھیرے سے بڑبڑایا۔
"بھوتار سائیں۔۔۔ چھوٹے سائیں پر میرا کنبہ قربان، ہماری حیاتی بھی اسے لگے، خیریت تو ہے نا۔۔۔" وہ اپنے مخصوص لہجے میں قدرے چونک کر بولا۔
"اڑے بابا۔۔۔ خیریت ہی تو نہیں ہے۔" وڈیرا جونگل خان اپنی گھنی بھنوؤں کو سکیڑتے ہوئے پریشانی سے بولا۔
"پٹ خان محمد اچانک شہر چلا گیا ہے، وہ ضرور کینجھر ہاوس میں ہوگا۔ تم ایک کام کرو اس کی دن رات نگرانی کے لیے کسی ایک خاص بندے کو بھیجو جو نہ صرف ہوشیاری کے ساتھ نظر رکھے بلکہ اس کی پل پل کی سرگرمیوں کی اطلاع بھی دے

Marfat.com

سکے۔"

وڈیرے جونگل خان کی بات سن کر منشی جبل عجیب مخمصے کا شکار نظر آنے لگا اسے یہ کام قدرے عجیب اور پیچیدہ سا لگ رہا تھا جس کا وہ وڈیرا جونگل خان سے برملا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکا، وہ ہاتھ جوڑتے ہوئے مودبانہ اور ذرا جھک کر بولا۔

"سس۔۔۔سائیں۔۔۔وڈا۔۔۔چھچھ۔۔۔۔چھوٹے سائیں کی نگرانی۔۔۔بھلا یہ کس طرح۔۔۔؟"

"اڑے بابا۔۔۔پتہ نہیں تیری عقل کو کیا ہو گیا ہے، لگتا ہے آج کل تو زیادہ بھنگ چڑھانے لگ گیا ہے۔" جونگل خان غصے سے بولا۔

"اڑے بابا۔۔۔یہ سب میں تمہارے چھوٹے سائیں کے بھلے کی خاطر کر رہا ہوں۔۔۔طاقت کے نشے اور ضد کے گھمنڈ میں آ کر انسان کبھی کبھی اپنے آپ کو بڑا نقصان پہنچا دیتا ہے بس میں جو کہہ رہا ہوں وہی کرو۔"

"حاضر سائیں وڈا۔۔۔برابر۔۔۔برابر۔۔۔" جبل ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔

اسی دوران ایک ملازم نے جونگل خان کو موبائل ہاتھ میں تھماتے ہوئے بتایا۔

"بھوتار سائیں۔۔۔احتشام صاحب کا فون ہے۔"

"ھالو بابا۔۔۔" وڈیرا جونگل خان کی بات کو مکمل ہونے سے قبل ہی دوسری طرف سے سعید احتشام بابر کی پھنکارتی ہوئی آواز ابھری۔

"جونگل خان! میری بیٹی کو اغوا کرنے کا مطلب سمجھتے ہو تم۔۔۔"

کوئی دوسرا موقع ہوتا تو شاید جونگل خان بھی اس کی بات کو مکمل نہ کرنے دیتا مگر اس وقت سعید احتشام کے ان الفاظ نے ایک لمحے کے لیے جونگل خان پر دفعتاً خاموشی طاری کر دی تھی، اسے اپنی سماعتوں میں احتشام کی پھنکاریں مارتی تیز

Marfat.com

تیز سانسوں کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی تاہم وہ ذرا سنبھلے ہوئے گھمبیر لہجے میں بولا۔

''تم ابھی اپنے حواسوں میں نہیں ہو شاید۔۔۔پھر بات ہوگی۔'' یہ کہہ کر جونگل خان نے اپنا موبائل آف کر دیا۔لیکن چند لمحوں بعد دوبارہ موبائل کی بیل پر اس نے اسے اپنے کانوں سے لگایا۔

''جونگل خان! چوبیس گھنٹے کے اندر اندر میری بیٹی لیلیٰ صحیح سلامت گھر نہ آئی تو تمہارے۔۔۔بیٹے کو دنیا کا کوئی قانون پھانسی سے نہیں بچا سکتا۔'' حسب توقع دوسری جانب سے احتشام بابر کی ہانپتی کانپتی آواز سنائی دی۔

جونگل خان اس بار اس کی آواز پر بھڑک اٹھا۔

''زبان سنبھال کر بات کرو احتشام۔۔۔! میں اس لہجے کا عادی نہیں ہوں مجھے صرف دوستی کا پاس ہے بس۔۔۔''

''دوستی اب رہی کہاں ہے جونگل خان۔۔۔!''

دوسری جانب سے احتشام بابر بھی اسی لہجے میں بولا۔

''تم دوستی کیا کرو گے جونگل خان۔۔۔! تمہیں تو دشمنی کا بھی سلیقہ نہیں آیا بزدلوں کی طرح عورتوں پر ہاتھ ڈال کر سمجھتے ہو کہ میدان مار لیا ہے۔۔۔''

''بس احتشام بہت ہو گیا۔۔۔مجھ سے اس طرح گفتگو کر کے تم خود کو بہت بڑے جنجال میں ڈال رہے ہو، اس کا شاید تمہیں اندازہ نہیں۔۔۔'' جونگل خان سرسراتے ہوئے بولا۔

''پہلے تو تم اپنے آپ کو جنجال سے نکالنے کی کوشش کرو جونگل خان۔۔۔!'' سعید احتشام پاٹ دار آواز میں بولا۔

''وہ دور اور تھا جب اغوا جیسی وارداتوں کو معمولی سمجھا جاتا تھا۔۔۔اب تو تم ایک غریب ہاری کی بھی لڑکی کو اٹھواؤ گے تو پھانسی کا پھندا تمہارا مقدر ہوگا۔یہ تو پھر بھی

Marfat.com

میری بیٹی ہے، سعید احتشام بابر کی۔۔۔جو تلافی کی صورت میں موت سے کم سزا پر راضی نہ ہوگا۔۔۔"

"اڑے بابا۔۔۔!تم اتنے یقین سے کس طرح کہہ سکتے ہو کہ یہ سب میرے بیٹے خان محمد نے کیا ہے۔" جونگل خان کو مصلحتاً دھیما ہونا پڑا تھا در حقیقت اسے یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ جس بات کا اسے خدشہ تھا وہی ہو کر رہا۔ خان محمد نے جوش میں آ کر ایک ایسا انتہائی قدم اٹھالیا تھا جس سے وہ خود بھی بہت بڑی مشکل میں پڑ سکتا تھا بلکہ پڑ چکا تھا اور اسی بات نے جونگل خان کو نرم پڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔

دوسری جانب سے سعید احتشام کی دوبارہ استہزایہ آواز ابھری۔

"میں تمہارا کوئی "ہاری" نہیں ہوں جونگل خان! جو تم مجھے ان باتوں سے بہلا لو گے، میری طرف سے تمہیں چوبیس گھنٹوں کا الٹی میٹم دیا جاتا ہے۔ ورنہ اعلیٰ احکام سے میں تمہارے بیٹے کے خلاف "ڈیتھ وارنٹ" جاری کرادوں گا۔"

پھر دوسری جانب سے آواز آنا بند ہوگئی۔

جونگل خان دانت بھینچ کر رہ گیا، اسے سعید سے زیادہ اپنے بیٹے خان محمد پر طیش آ رہا تھا مگر پھر جلد ہی اس کا غصہ تشویش میں بدل گیا۔

"جبل۔۔۔!" وہ دھاڑا۔

"حاضر سائیں وڈا۔۔۔" جبل بوتل کے جن کی طرح حاضر ہو گیا۔

"اڑے بابا۔۔۔وہی ہوا نا جس کا ڈر تھا، تم فوراً خان محمد سے رابطہ کرنے کی کوشش کرو اور اسے فی الحال حویلی آنے سے باز رکھنا، اس سے کہو کہ مجھ سے فون پر رابطہ کرے اور کوشش کرے کہ تر (اندرونی زیریں علاقے) کی طرف نکل جائے، مجھے یقین ہے اس نے وہ بے وقوفانہ حرکت کر ڈالی ہے جس کا مجھے پہلے ہی سے خدشہ تھا۔"

"برابر سائیں۔۔۔۔" جبل مختصراً بولا۔

اس کے بعد جونگل خان بے چینی کے ساتھ ٹہلنے لگا اور بار بار اپنی مٹھیاں

Marfat.com

اور دانت بھینچنے لگا، وہ آج سے پہلے کبھی اتنا بے چین اور پریشان نہیں ہوا تھا مگر اس بار وہ خاصا بوکھلا گیا تھا، چند ثانیے بعد وہ موبائل پر کسی کا نمبر ملانے لگا۔

☆.....☆.....☆

لق و دق تپتے ریگستان کی باد سموم ماروی کے چہرے کو جھلسائے دے رہے تھی مگر وہ ان چیزوں کی کب پرواہ کرتی تھی۔

شام صحرائی ٹیلوں پر دھیرے دھیرے اپنی زلفیں بکھیر رہی تھی، ماروی کا اونٹ ذرا پرے تھوہر کے خشک جھنڈ سے بندھا ہوا تھا، وہ خود اس وقت سانول کی جھونپڑی کے بالکل قریب کھڑی تھی، اس وقت خلاف توقع سانوں کی جھونپڑی میں ہجوم نہ تھا۔

ماروی ٹاٹ کا پردہ اٹھا کر اندر داخل ہو گئی تھی، سامنے بوسیدہ سے نمدے پر سانول اپنے گھٹنے سینے سے لگائے آنکھیں موندے سچل سرمست کی شاعری گنگنا رہا تھا۔

ہے غنیمت مجھ کو یارو ،دوستی دلدار کی
کیو ں نہ بیگانہ رہوں جب یہ جہاں فانی ہوا
سیکھے گا عشق جو بھی جھیلے گا وہ مصیبت

ماروی جیسے سرمدی سروں میں کھو سی گئی۔ وہ چونکی اس وقت جب سانول نے اچانک اسے ''ماروی'' کہہ کر پکارا۔ ماروی نے جھک کر اپنی آنکھیں کھولیں۔ اسے عجیب سی مگر خوشگوار مہک کا احساس ہونے لگا۔

''ماروی دیکھ رہا ہوں میں تو کچھ زیادہ پریشان رہنے لگی ہے۔''

''ہاں۔۔۔سانول۔۔۔تو نے میرے اندر عجیب سی جوت جگا دی ہے جو آنچ مجھے مسرور بھی کرتی ہے اور مغموم بھی۔۔۔''

ماروی کے لہجے میں عجیب سا اعتراف تھا۔ وہ مزید بولی۔

Marfat.com

''کبھی کبھی میں بے اختیاری ہونے لگتی ہوں مگر جب پیچھے مڑ کر دیکھتی ہوں تو مجھے روایتوں کے ایسے بوسیدہ قلعے نظر آتے ہیں جو کسی بھی وقت میرے ناتواں کاندھوں پر آ گریں گے اور میں ان میں دفن ہو جاؤں گی۔''

''محبت کرنے والے اتنے کمزور نہیں ہوتے ماروی۔۔۔!'' سانول اس کی بات سن کر جذب کی سی کیفیت میں بولا۔

اس کے جٹاؤں جیسے بالوں کے عقب میں ڈوبی ہوئی تیز مگر روشن آنکھیں ماروی کے حسین چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور ماروی خود کو کسی انجانی گرفت میں محسوس کر رہی تھی، یہ کوئی نئی بات نہ تھی، اس جھونپڑی میں آ کر کچھ ایسا ہی سحر اس پر طاری ہو جاتا تھا۔

''یہ سلسلہ آخر کب تک چلے گا؟ اس کا کوئی تو نتیجہ نکلے یا پھر یہ سب کچھ تو چھوڑ دے میری خاطر۔۔۔سانول۔۔۔!'' ماروی رسان سے بولی۔

سانول اسے چونک کر دیکھنے لگا پھر اس سے پہلے وہ کچھ کہتا، اسی اثنا میں ماروی کو باہر کچھ لوگوں کی تیز تیز آوازیں آنے لگیں۔ ماروی ایک لمحے کو چونکی اور پھر سانول کو خدا حافظ کہتی ہوئی باہر نکل آئی۔

باہر گوٹھ کے کچھ لوگ جمع تھے اور عجیب سی نظروں سے ماروی کو دیکھے جا رہے تھے، ماروی نے ایک بیزار کن نگاہ ان پر ڈالی اور اس طرف چل دی جہاں اس کا اونٹ تھوہر کے جھنڈ سے بندھا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ حویلی پہنچی تو اسے وہاں کی فضا ذرا بدلی بدلی سی محسوس ہوئی، حویلی کا ہر شخص اسے پریشان نظر آ رہا تھا اس کی ماں بھی خاصی فکر مند نظر آ رہی تھی۔

''کیا ہوا۔۔۔امڑ (ماں) کیوں اتنی پریشان ہو۔'' اس نے سرسری لہجے میں ماں سے پوچھا۔

''بیٹی تمہاری سہیلی تھی نا۔۔۔وہ۔۔۔لیلیٰ۔۔۔اسے کسی نے اٹھا لیا ہے۔''

Marfat.com

''کک۔۔۔کیا۔۔۔؟'' ماروی کو جیسے اپنی سماعتوں پر شبہ ہونے لگا۔
''اس کے باپ احتشام کا ابھی تھوڑی دیر پہلے فون آیا تھا۔'' اس کی ماں نے تفصیل بتانا شروع کی۔
''بہت غصہ کر رہا تھا۔۔۔کہ اس کی بیٹی لیلیٰ کو ہم نے اغوا کرایا ہے، اسے خان محمد پر شبہ ہے۔''
''او۔۔۔نو۔۔۔'' ماروی کے ہونٹ از راہ تشویش سکڑ گئے۔
یہ اچھا نہیں ہوا۔۔۔امڑ۔۔۔سعید احتشام کو یوں یکدم ایسا الزام نہیں لگانا چاہیے تھا۔۔۔'' پھر چند لمحے توقف کے بعد اس نے اچانک پوچھا۔
''بھائی ویسے ہے کہاں۔۔۔امڑ۔۔۔''
''یہی تو پتہ نہیں چل رہا۔۔۔'' اس کی ماں کی تشویش بڑھتی جا رہی تھی۔
''اللہ خیر ہووے۔۔۔دھڑیں سائیں (اللہ سائیں) رحم کرے، میرے بچے پر۔۔۔'' اس کی ماں کے آنسو نکل آئے اور ماروی اسے کندھے سے لگا کر تسلیاں دینے لگی۔

☆.....☆.....☆

لیلیٰ کو ہوش آیا تو چند ثانیے اس کے حواس مختل رہنے کے بعد دھیرے دھیرے بحال ہونا شروع ہوئے، تب اس پر یہ بھیانک انکشاف ہوا کہ اسے اغوو کیا جا چکا ہے۔ اسے آہستہ آہستہ سب کچھ یاد آتا جا رہا تھا کہ وہ کس طرح اپنے گھر سے نکلی اور ایک جیپ اس کی گاڑی کے آگے آ کر راستہ روک کر کھڑی ہو گئی پھر اس میں سے چند ڈھاٹا پوش افراد اترے جنہوں نے اسے قابو کر لیا اور تب وہ ہوش و خرد کی دنیا سے کوچ کر چکی تھی۔ یہ سوچ کر پہلے تو اس کے اندر شدید غصے کی لہر سی اٹھی جو بتدریج بعد میں انجانے خدشات اور تشویش میں بدلتی چلی گئی۔
اس نے اپنے اردگرد کے ماحول کا جائزہ لیا، وہ ایک کچا مگر قدرے کشادہ

Marfat.com

اور ہوادار کمرہ تھا، اونچی چھت کا یہ کمرہ گارے مٹی سے بنا ہوا تھا۔ وہاں موجود اشیاء میں ایک رلی بچھی چارپائی تھی جس پر وہ اس وقت بیٹھی ہوئی تھی جبکہ قریب ہی ایک پانی کا بڑا سا مٹکا رکھا ہوا تھا جس کے ڈھکنے کے اوپر جست کا ٹیڑھا میڑھا گلاس بھی الٹا پڑا ہوا تھا کمرے کی کل کائنات بس یہی تھی اوپر ایک جگہ دیوار پر قدرے بلند روشندان تھا جہاں سے شام کے اندھیروں میں ڈوبتا ہوا آسمان صاف نظر آ رہا تھا۔ اندر روشنی کا کوئی بندوبست نہیں تھا، لیلیٰ کے محتاط ذہن نے آس پاس کے سناٹے سے یہ اندازہ لگایا کہ یہ جگہ دور دراز کے علاقے میں تھی۔

اس نے اپنے مسکے ہوئے کپڑوں کو درست کیا اور چارپائی سے نیچے اتر آئی اس نے اپنے حلق میں کانٹے چبھتے ہوئے محسوس کئے مگر اس نے پاس رکھے مٹکے کو ہاتھ نہیں لگایا، اس کے اندر غم و غصے کی ملی جلی کیفیات جنم لے رہی تھیں، وہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھی کہ آخر یہ گھٹیا حرکت کس نے کی تھی تب اسے اپنے والدین کا بھی خیال آیا جو اس کے یوں ناگاہ گم ہو جانے پر کتنے پریشان ہو رہے ہوں گے۔ اس دوران اس کا خیال یونہی خان محمد کی طرف چلا گیا اور وہ چونک سی گئی، باہر فراٹے دار ہوا چل رہی تھی پھر ٹھیک اسی وقت لیلیٰ نے جب کمرے کے اکلوتے دروازے کی جانب قدم بڑھائے تو اسے ٹھٹھک کر رکنا پڑا دوسری جانب کسی کے قدموں کی آہٹ ابھری تھی۔

لیلیٰ کا دل دروازے کے باہر اچانک ابھرنے والی آہٹ پر زور سے دھڑکا تھا، وہ ٹھٹھک کر اپنی جگہ پر ساکت ہو چکی تھی، چند ثانیے بعد کنڈا کھلنے کی کھڑبڑ ہوتی رہی اس کے بعد کنڈا کھلنے کی آواز کے ساتھ ہی دروازہ بھی ہلکی چرچراہٹ سے کھلتا چلا گیا اور اگلے ہی لمحے لیلیٰ سامنے مسکراتے ہوئے شخص کو دیکھ کر پہلے تو چونکی پھر اس کے چہرے پر برہمی کے آثار نمودار ہوتے چلے گئے۔

''یہ۔۔۔ یہ تم ہو۔۔۔ مجھے پہلے ہی شک تھا۔'' لیلیٰ قدرے دانت پیستے

Marfat.com

ہوئے بولی۔

سامنے خان محمد کھڑا تھا، سفید شلوار قمیض میں ملبوس، اس کے بائیں پہلو پر ہولسٹر بھی جھول رہا تھا۔

''ایسی گھٹیا حرکت ۔۔۔کر کے تم میری نظروں سے گر چکے ہو خان محمد۔۔۔!'' لیلیٰ پر بدستور غصہ سوار تھا۔

''مجھے ضرورت بھی نہیں ہے تمہاری نظروں میں مقام بنانے کی ۔۔۔تمہارا باپ خود کو بڑی اونچی شے سمجھتا تھا نا۔۔۔اب پتہ چلے گا اسے۔۔۔''

''شٹ اپ۔۔۔'' لیلیٰ برہمی سے بولی۔

''میرے ابو کا تمیز سے نام لو، تم کیا سمجھتے ہو خود کو۔۔۔اپنی اوطاقوں میں غریب ہاریوں پر رعب جما کر تم لوگ اپنے آپ کو زیادہ طاقتور سمجھنے لگتے ہو۔''

''بکواس بند کرواپنی ۔۔۔'' خان محمد زور سے دھاڑا۔ لیلیٰ کے نشتر بھرے جملے اسے اپنی سماعتوں کو چیرتے ہوئے محسوس ہوئے۔

''منہ سنبھال کر بات کرو، تم اپنے بابا کے گھر نہیں کھڑی ہو اس وقت ۔۔۔''

''میں تو تمہیں اپنے باوا کے گھر میں بھی اس طرح للکار سکتی ہوں۔۔۔''

خان محمد لیلیٰ کے اس ترکی بہ ترکی جواب پر بھڑک اٹھا اور اگلے ہی لمحے کمرے کی ساکت فضا تھپڑ کی ''چٹاخ'' اور لیلیٰ کی ''کراہ'' سے گونج اٹھی۔ خان محمد کے تھپڑ نے لیلیٰ کا نازک گال سرخ کر ڈالا تھا، غصے اور بے بسی سے لیلیٰ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''اگر آئندہ اس قسم کی بکواس کی تو اچھا نہ ہوگا۔'' اتنا کہہ کر خان محمد واپس چلا گیا اور کمرے میں لیلیٰ کی سسکیاں گونجنے لگیں۔

☆.....☆.....☆

وڈیرا جونگل خان کو معلوم ہو چکا تھا کہ اس کے بیٹے کے خلاف اغوا کی

Marfat.com

رپورٹ لکھی جا چکی ہے اور ایف آئی آر بھی کٹ چکی ہے مگر اسے پریشانی زیادہ اس بات کی ہو رہی تھی کہ اس کا ابھی تک خان محمد سے رابطہ نہیں ہو سکا تھا اور نا ہی خان محمد نے خود کوئی ایسا قدم اٹھایا تھا، وڈیرا جونگل خان سوچ سوچ کر پاگل ہوا جا رہا تھا کہ جانے اس کا بیٹا کہاں اور کس حال میں ہوگا۔ دراصل جونگل خان چاہتا تھا کہ اگر خان محمد نے واقعی کوئی ایسا قدم نادانی یا جوش میں آ کر اٹھا بھی لیا ہے تو در بدر ہونے کی بجائے وہ اس کے ''پروں'' میں آ جائے، اسے خدشہ تھا کہ اگر پولیس سے اس کے بیٹے کا ''ٹکڑا'' ہو گیا تو صورتحال سنگین بھی ہو سکتی ہے کیونکہ وہ سعید احتشام بابر کی پوزیشن اور حیثیت سے واقف تھا، خان محمد اکیلا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا ان کا۔۔۔ جونگل ابھی سوچ ہی رہا تھا۔ کہ کیا کرے اتنے میں کمدار جبل سندھو نے ایک اہم اطلاع دی

''سائیں وڈا۔۔۔! چھوٹے سائیں کا پتہ لگ گیا ہے۔ قادو یہ خبر لایا ہے وہ ادھر اوطاق میں ہے، بس آپ کو ساتھ چلنا ہے۔

''چلو۔۔۔ پھر جلدی۔۔۔'' وڈیرا جونگل نے گونجیلی آواز میں کہا۔

پھر وہ جیسے ہی باہر آ کر اپنی پجیرو میں سوار ہونے لگا، اس کا ایک مصاحب خاص دوڑتا ہوا وہاں آن پہنچا، اس کے چہرے سے بدحواسی ہویدا تھی، وہ پھولی ہوئی سانسوں کے بیچ بمشکل بولا۔

''سس۔۔۔ سائیں وڈا۔۔۔ قہر ہو گیا۔۔۔''

''اڑے بکواس کر جلدی۔۔۔ ہوا کیا ہے بابا۔۔۔'' جونگل خان غصے سے بولا۔

''سس۔۔۔ سائیں۔۔۔ بھوتار۔۔۔ چھ۔۔۔ چھلگری آیا ہے۔''

''یہ منحوس اس وقت کیوں آن ٹپکا۔'' جونگل خان نخوت سے بولا۔

''اچھا ٹھیک ہے، اسے وہاں رکھو ذرا۔۔۔ میں بعد میں ملونگا اس

"۔۔۔

Marfat.com

جونگل خان جب پجیرو میں سوار ہونے لگا تو وہ مصاحب خاص دوبارہ ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔

"سائیں۔۔۔وہ بہت زخمی ہے اور اس کی حالت بھی بہت خراب ہو رہی ہے۔"

اس انکشاف پر جونگل خان پجیرو میں سوار ہوتے ہوتے رہ گیا، چند لمحے کسی گہری سوچ میں ڈوب کر اس نے جبل سندھو کو پہلے جنگل ڈیرے کی اوطاق کی طرف چلنے کو کہا۔

تھوڑی دیر بعد جب جونگل خان اوطاق میں پہنچا تو اندر چارپائی پر چھلگری کی حالت زار دیکھ کر بھونچکا رہ گیا، اس کی دونوں گھنی بھنویں سکڑ کر آپس میں مل گئی تھیں اور نچلا ہونٹ بالائی دانتوں کی قطار تلے دب گیا تھا، چھلگری کی ہیئت کذائی دیکھ کر اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ اس جیسا عیار اور خطرناک شخص ایسی حالت کو بھی پہنچ سکتا ہے۔

چھلگری خون میں لت پت تھا، وہ شدید زخمی تھا جو اس بات کی غماز تھی کہ اسے گولیوں سے چھلنی کیا گیا تھا۔ وڈیرا جونگل خان کو یہ اندازہ کرنے میں دیر نہ لگی کہ چھلگری کا یہ حال پولیس مقابلے میں ہوا ہے۔ جبل سندھو اور قادو یہ اپنے اوپر قبر کی سی خاموشی طاری کئے گم صم کھڑے تھے، جبل سندھو۔۔۔اگر گھوڑا زخمی ہو جائے تو کیا کرتے ہیں۔" جونگل خان نے سرسراتے لہجے میں کہا۔

"جی۔۔۔جی سائیں۔۔۔" جبل سندھو کے الفاظ اس کے حلق میں ہی اٹک گئے۔

"بابا۔۔۔! پھر دیر کس بات کی ہو رہی ہے، جان چھڑاؤ اس سے۔۔۔یہ اب کسی کام کا نہیں رہا ہے۔" جونگل خان نے سفاکی سے کہا اور پھر اوطاق سے باہر آ گیا، ٹھیک اسی وقت اندر سے پستول چلنے کی آواز آئی اور اس نے معنی خیز انداز میں

Marfat.com

اپنا سر ہلا دیا۔

وہ مطمئن تھا کہ جبل سندھو نے چھلگری کو ہر اذیت سے دائمی نجات دلا دی تھی تاہم اسے تھوڑا قلق ہوا کہ اس کا ایک اہم مہرہ خود اس کے ہاتھ سے ضائع ہوا تھا۔

ابھی وہ چھلگری کی لاش کو ٹھکانے لگا ہی رہے تھے کہ جونگل خان کو سامنے ریت کا بادل سا اڑتا ہوا نظر آیا پھر بتدریج وہ بادل کئی چھوٹی بڑی گاڑیوں کے ایک کارواں میں بدلنے لگا اور اگلے ہی لمحے جونگل خان بری طرح ٹھٹھکا تھا کیونکہ وہ گاڑیاں پولیس اور رینجرز کی تھیں جو اسی جانب دوڑی چلی آ رہی تھیں۔ جونگل خان شدید تذبذب کا شکار دکھائی دے رہا تھا، دیکھتے ہی دیکھتے پولیس کی گاڑیاں وہاں پہنچ کر رک گئیں۔

پھر ایک جیپ سے ڈی ایس پی سبھا گو خان نیچے اترا، اس کا چہرہ گرد و غبار سے اٹا ہوا تھا مگر جوش آنکھوں سے مترشح تھا، اس کے ساتھ دیگر پولیس اہلکار اور رینجرز کے جوان بھی نیچے اتر آئے تھے، ڈی ایس پی سبھا گو خان، وڈیرا جونگل خان کے قریب آ کر اسے کینہ توز نگاہوں سے گھورنے لگا۔

وڈیرا جونگل خان کو جتنی جلدی تھی، اتنی ہی اسے دیر ہو رہی تھی سبھا گو خان کو اپنی جانب اس طرح گھورتے دیکھ کر اس کی طبیعت مقدرسی ہونے لگی تاہم اس نے اپنے آپ کو نارمل رکھتے ہوئے کہا۔

''اڑے بابا۔۔۔تمہارا کام ہم نے کر دیا ہے، جاؤ اندر چھلگری کی لاش موجود ہے۔۔۔لے جاؤ اور سرکار سے انعام پاؤ۔''

جونگل خان کا رعونت آمیز رویہ ڈی ایس پی سبھا گو خان کو کھلنے لگا، وہ ایک ایک لفظ کو چباتا ہوا بولا۔

''جونگل خان۔۔۔!چھلگری کا تمہارے پاس پناہ میں آنا تمہیں مشکوک بناتا ہے۔''

Marfat.com

سبھا گوخان کے کرخت لہجے نے جونگل خان کے تن بدن میں آگ بھڑکا دی، اسے وہ وقت یاد آنے لگا جب یہی سبھا گوخان اس کے آگے دم ہلایا کرتا تھا اور آج اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑا تھا۔

''ہمارے ٹکڑوں پر منہ مارنے والے جب ہمارے آگے بھونکتے ہیں تو ہمیں انہیں اچھی طرح جواب دینا آتا ہے۔''

''جونگل خان۔۔۔!زبان سنبھال کر بات کرو۔''ڈی ایس پی سبھا گوخان کرختگی سے بولا۔

''بدنام اور خونی ڈاکو چھلگری زخمی حالت میں یہاں تمہارے پاس کیوں آیا تھا اور تم نے اسے گولی کیوں ماری۔۔۔اپنی پوزیشن واضح کرو جونگل خان۔۔۔!''

''اڑے بابا۔۔۔!صاف بات ہے، وہ ڈاکا ڈالنے یہاں آیا تھا اور ہم نے جان کے خوف سے اسے گولی ماردی۔''جونگل خان نے بظاہر لاپرواہی سے کہا مگر پھر جلد ہی وہ اپنے اس بچگانہ جواز پر ذرا گڑبڑا سا گیا۔

ڈی ایس پی اس کی بات سن کر طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

''جونگل خان!چھلگری تو خود شدید زخمی تھا، اس کو تو اپنی جان کے لالے پڑ رہے تھے، وہ بھلا کیا ڈاکا ڈالتا اور وہ بھی بالکل تنہا۔۔۔تم قانون کے سامنے جواب دہ ہو جونگل خان۔۔۔!''

''دیکھو سبھا گوخان۔۔۔!'وڈیرا جونگل خان موقع کی نزاکت کا اندازہ کرتے ہوئے اپنے رویے میں ذرا لچک پیدا کرتے ہوئے بولا۔

''تمہارا مقصد چھلگری کو جہنم واصل کرنا تھا، سو وہ پورا ہو گیا، مجھے اس وقت بہت ضروری کام سے جانا ہے، بہتر یہی ہے کہ اس بات کو یہیں ختم کر دیا جائے۔''

''تم جہاں جانا چاہتے ہو جا سکتے ہو مگر یہ یاد رکھنا کہ قانون کی نظروں میں تم مشکوک ہو گئے ہو۔''

Marfat.com

سبھاگو خان کی بات سن کر وڈیرا جونگل خان ایک لمحے کو چونکا پھر چند لمحے سبھاگو خان کو عجیب سی نظروں سے دیکھتا رہا، اس کے بعد اپنی بجیرو کی جانب بڑھ گیا۔

☆.....☆.....☆

لیلیٰ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا رہی تھی، خان محمد کے تھپڑ سے اب تک جلن محسوس ہو رہی تھی، وہ اس وقت کو کوس رہی تھی جب اس نے خان محمد جیسے بدقماش اور جاہل انسان سے روابط بڑھائے تھے، نا وہ اسے اتنا قریب کرتی اور نہ ہی آج اسے یہ دن دیکھنے پڑتے، وہ جن حالات سے گزر رہی تھی، وہ بالکل غیر یقینی تھے، کچھ پتہ نہ تھا کہ آئندہ کیا ہونے والا تھا۔

لیلیٰ کو باہر خان محمد کے ساتھیوں کے ہولے ہولے قہقہوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اسی اثناء میں دروازہ کھلا اور وہ یکدم سنبھل کر بیٹھ گئی، اندر آنے والا خان محمد تھا، اس کے چہرے پر دبی دبی مسرت سی پھوٹ رہی تھی۔ لیلیٰ خان محمد کو دیکھ کر ذرا چونکی تھی کیونکہ اس نے اپنے ایک ہاتھ میں سرخ گوٹا کناری والا بالکل دلہنوں جیسا لباس تھاما ہوا تھا۔ خان محمد کو دیکھ کر جانے کیوں لیلیٰ کو اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہونے لگا، خان محمد سرخ جوڑے کو لیلیٰ کی طرف بڑھاتے ہوئے خمار آلود لہجے میں بولا۔

''لیلیٰ میں تم سے کتنا پیار کرتا ہوں، تمہیں اس کا اندازہ نہیں، غصہ تھوک دو، لو یہ لباس پہن لو، ابھی اور اسی وقت تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

خان محمد نے جیسے دھماکہ کیا اور لیلیٰ اپنی جگہ سن ہو کر رہ گئی، خان محمد کے لہجے کی لڑکھڑاہٹ اور اس کے منہ سے آنے والی شراب کی بدبو لیلیٰ کو ہولائے دے رہی تھی۔

''خان۔۔۔خان محمد۔۔۔یہ۔۔۔یہ کیا کہہ رہے ہو تم۔۔۔تم اپنے ہوش

Marfat.com

میں نہیں ہو۔۔۔جاؤ۔۔۔یہاں سے جاؤ۔۔۔خدا کیلئے۔۔۔"لیلیٰ چند قدم پیچھے ہٹتے ہوئے کپکپاتے ہوئے لہجے میں بولی۔

"تم صحیح کہہ رہی ہو لیلیٰ۔۔۔!تم ہو ہی اتنی حسین کہ تمہیں دیکھ کر میں واقعی ہوش میں نہیں رہتا۔"

وہ اپنی مست کلامی کے دوران آنکھوں میں نشیلا پن لیے دھیرے دھیرے آگے بڑھتا جا رہا تھا اور لیلیٰ پیچھے ہٹتی جا رہی تھی، اس کا پورا جسم ٹھنڈے پسینے میں نہا رہا تھا اور اس کی آنکھیں انجانے خوف سے پھیلنے لگی تھیں۔

"لیلیٰ۔۔۔!مجھے معاف کر دینا، میں نے تمہارے اس پھول سے گال پر تھپڑ مارا۔آؤ میں اس جگہ تمہیں۔۔۔" وہ اس کے گال کو چھوتے ہوئے مستی میں بولا۔

لیلیٰ مارے خوف کے پیچھے ہٹتی جا رہی تھی پھر اس کی کمر دیوار سے جا لگی اور دونوں ہاتھ پھیل کر دائیں بائیں دیوار سے چپک گئے، اسے خان محمد بھیڑیئے کی صورت دکھائی دے رہا تھا۔

"تت۔۔۔تم۔۔۔چاہتے کیا ہو؟" وہ گھبرا کر بولی۔

"میں تمہیں چاہتا ہوں بس۔۔۔۔" خان محمد جواباً مدہوشی سے بولا۔

"مگر یہ طریقہ غلط ہے۔" لیلیٰ نے فوراً پینترا بدلا۔وہ جانتی تھی کہ خان محمد نشے میں ہے اگر اس کے ساتھ سخت لہجے میں بات کی تو وہ مشکل میں پڑ سکتی ہے لہذا اس نے نرم رویہ اختیار کرنے کی ٹھانی۔

"تو تم صحیح طریقہ بتا دو۔۔۔مگر ذرا جلدی۔۔۔"

"خان محمد۔۔۔تمہیں خدا کا واسطہ۔۔۔۔میری عزت یوں تار تار نہ کرو۔۔۔تمہاری بھی تو آخر بہن ہے۔۔۔تمہیں اپنی بہن ماروی کا واسطہ۔۔۔" یہی وہ لمحہ تھا جب خان محمد کی بے لگام پیش قدمی کو یکدم بریک لگ گیا، اس کا نشہ ہرن

Marfat.com

ہونے لگا پھر لیلیٰ نے دیکھا کہ خان محمد جھنجھلا کر اس سے کافی دور جا کر کھڑا ہو گیا تھا۔
لیلیٰ نے دوبارہ گھگھیاتے ہوئے کہا۔
''خان محمد مجھے میرے گھر چھوڑ دو۔۔۔پلیز۔۔۔''
خان محمد جواب کافی سنبھل چکا تھا بولا۔
''لیلیٰ! میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا، میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں تمہارے باپ نے صاف انکار کر دیا، خود تم نے بھی انکار کیا تھا۔''
لیلیٰ کو یہی محسوس ہو رہا تھا کہ خان محمد ہوش میں آ چکا تھا، لہذا وہ بدستور ہموار لہجہ اپناتے ہوئے بولی۔
''نہیں خان محمد۔۔۔ہم نے انکار تو نہیں کیا تھا، صرف سوچنے کا وقت مانگا تھا''
''جھوٹ بولتی ہو تم۔۔۔'' خان محمد غصے سے چلا کر بولا۔
''تم لوگوں کو یہی ضد ہے کہ ہم نے ماروی کا رشتہ تمہارے بھائی شکیل کے لیے منظور نہیں کیا، اس لیے اب تم مجھ سے شادی کرنے سے انکار کرتی ہو مگر ایک بات یاد رکھنا لیلیٰ! کہ تم صرف اور صرف میری ہو، میں ابھی جا رہا ہوں، کل پھر آؤں گا اور میرے ہمراہ اور بھی لوگ ہوں گے جو ہمارا باقاعدہ نکاح پڑھائیں گے سمجھ تم۔۔۔'' خان محمد نے اتنا کہا اور دلہنوں والا سرخ جوڑا چارپائی پر پھینکتے ہوئے کمرے سے نکل گیا۔
اور لیلیٰ ایک گہری سانس لے کر رہ گئی، وہ دانت پیستے ہوئے چارپائی پر پڑے سرخ جوڑے کو گھورے جا رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

سعید احتشام بابر کی حالت دیدنی ہو رہی تھی۔ وہ کبھی فون کی طرف بڑھتے تو کبھی قریبی صوفے پر براجمان روتی سسکتی اپنی بیگم کو دلاسہ دیتے، ان کا بیٹا شکیل بھی

Marfat.com

اماں کے پاس موجود تھا۔

''تم حوصلہ رکھو، صوبے کی ساری انتظامیہ حرکت میں آ چکی ہے، بس ابھی اطلاع آنے والی ہو گی۔'' ابھی انہوں نے اتنا ہی کہا تھا کہ یکدم فون کی بیل بجی اور سعید احتشام تیزی سے فون کی طرف لپکے۔

☆.....☆.....☆

''یار خانو۔۔۔اب جو کچھ بھی کرنا ہے جلدی کر ڈالو۔۔۔تاخیر ہمارے لیے مشکل کھڑی کر سکتی ہے کیونکہ اس وقت پورے صوبے کی مشینری حرکت میں آ چکی ہے۔'' دادن، خان محمد سے قدرے تشویش بھرے لہجے میں بولا۔

''ٹھیک ہے دادن میں آج ہی یہ قضیہ نپٹا دیتا ہوں۔'' خان محمد نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

اسی دوران ایک ساتھی اندر داخل ہوا وہ خاصا گھبرایا ہوا تھا آتے ہی بولا۔

''کوئی گاڑی ہمارے فارم کی طرف آ رہی ہے۔''

اس کی بات سن کر وہ ٹھٹھک گئے اور سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگے پھر وہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے اور کوٹھری نما کمرے سے باہر آ گئے، اس وقت سورج کی الوداعی کرنیں شام کو خوش آمدید کہہ رہی تھیں، چاروں طرف ویرانہ پھیلا ہوا تھا اور جا بجا بھربھری مٹی والے میدان پر کانٹے دار پودے اگے ہوئے تھے۔

دور سے انہیں گاڑی مٹی کے بادل اڑاتی ہوئی دکھائی دی پھر کوٹھری کی چھت پر موجود رائفل بردار نوجوان نیچے اتر کے ان کے قریب آیا، اس کے ہاتھ میں دوربین تھی، وہ تسلی آمیز لہجے میں بولا۔

''خیر آ۔۔۔گاڑی پولیس کی نہیں ہے۔''

خان محمد نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے دوربین اس کے ہاتھ سے جھپٹ کر اپنی آنکھوں سے لگالی اور اگلے ہی لمحے وہ خوشی سے بولا۔

Marfat.com

''دادن ۔۔۔یہ بجیر و ہماری ہے ۔۔۔لگتا ہے بابا جانی آ رہے ہیں ادھر۔۔۔''

''یہ تو اور بھی اچھا ہو گیا۔۔۔'' دادن اس سے دوربین لیتے ہوئے مطمئن لہجے میں بولا۔

''مگر انہیں یہاں کا کس طرح علم ہوا۔۔۔؟'' خان محمد قدرے حیرت سے بڑبڑایا۔

''ارے بابا وہ تمہارا باپ ہے آخر۔۔۔اسے بھلا تمہاری فکر۔۔۔تمہارے تحفظ کا خیال نہ ہو گا کیا۔۔۔؟''

گاڑی کا رخ ان کے فارم کی جانب ہی تھا، وہ قریب پہنچ کر رکی، اس کے بعد بجیر و کا دروازہ کھلا اور وڈیرا جونگل خان اپنے مسلح محافظوں کے ساتھ نیچے اتر آیا۔

''سلام بابا جانی۔۔۔!''

''اڑے بابا۔۔۔تو کب سے اپنے آپ کو عقل کل سمجھنے لگا ہے۔۔۔'' جونگل خان اس کے سلام کو نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔ خان محمد خاموش کھڑا تھا۔

''تجھے معلوم نہیں میں نے تجھے اس جلد بازی سے روکا تھا۔ تو نے کسی ہاری کی بیٹی کو نہیں اغوا کیا ہے سمجھا تو۔۔۔''

''حیرت ہے بابا جانی۔۔۔! آپ بھی ایسی باتیں کر رہے ہیں آپ احتشام جیسے شخص سے ڈر رہے ہیں۔۔۔'' خان محمد کے خون نے بھی جوش مارا تھا۔

دادن اور اس کے دیگر ساتھی خاموشی کے ساتھ دونوں باپ بیٹوں کے درمیان ہونے والی گفتگو سن رہے تھے۔

''دل تو چاہتا ہے تجھے ایک چپاٹ (تھپڑ) رسید کر دوں۔۔۔'' جونگل خان قدرے درشتی سے بولا۔

Marfat.com

''پر جوان اولاد پر مجھے ہاتھ اٹھانا اچھا نہیں لگتا۔۔۔'' وہ قدرے نرم پڑتے ہوئے اسے سمجھاتے ہوئے بولا۔

''دیکھ میڈاپٹ۔۔۔! احتشام سے میں نہیں ڈرتا مگر تو نے اپنی نادانی میں آ کر اسے بہت طاقتور بنا دیا ہے، تو سمجھتا کیوں نہیں۔ آج میری حیثیت وہ نہیں رہی ہے کہ ہم جو چاہیں وہ ہو جائے، میں سیاست سے آؤٹ ہو چکا ہوں مگر پھر بھی میں نے اپنی ذاتی حیثیت اتنی بنا رکھی ہے کہ کوئی ہم سے آنکھ ملا کر بات کرنے کی جرات نہیں کر سکتا مگر شاید اب تیری بیوقوفی کی وجہ سے مجھے جھکنا پڑ جائے۔۔۔'' اتنا کہہ کر جونگل خان خاموش ہو گیا۔ وہ قدرے ہانپنے لگا تھا، قریب کھڑے ایک محافظ نے اسے ٹھنڈے پانی کی چھاگل دی۔

جونگل خان نے پانی کے چند گھونٹ بھرے اور چھاگل قریب کھڑے محافظ کو تھما دی پھر بولا۔

''اب جو ہوا اس پر مٹی ڈال۔۔۔ یہ بتا لیلیٰ تو ٹھیک ہے نا۔۔۔ وہ ہے تو ادھر ہی نا۔۔۔''

''ہاں بابا جانی۔۔۔ وہ ہمارے ہی پاس ہے اور بالکل ٹھیک ہے۔'' خان محمد نے ہولے سے کہا۔

''چل میڈاپٹ۔۔۔! شاباش اسے میرے پاس لے کر آ۔۔۔ میں اسے خود احتشام کے گھر چھوڑ کر آؤں گا اور معاملہ یہیں رفع دفع ہو جائے گا۔''

خان محمد اپنے باپ کی بات سن کر بری طرح چونکا۔ اس نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اپنے باپ کی طرف دیکھا پھر حیرت سے بولا۔

''بابا جانی۔۔۔! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔۔۔؟''

''میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں، کہاں ہے لیلیٰ۔۔۔ اسے اسی وقت میرے حوالے کر دو۔۔۔'' جونگل خان کا لہجہ ایکدم تحکمانہ ہو گیا۔

Marfat.com

خان محمد نے اپنے باپ کی بات سن کر ایک نظر قریب کھڑے دادن کی طرف دیکھا جو خود خاصا پریشان اور متذبذب نظر آ رہا تھا پھر فیصلہ کن لہجے میں اپنے باپ سے بولا۔

''نہیں۔۔۔بابا سائیں۔۔۔!یہ ہرگز نہیں ہوسکتا، میں جو قدم اٹھالیتا ہوں اس سے کبھی پیچھے نہیں ہٹتا۔۔۔''

''اڑے بابا۔۔۔!میں تیرے بھلے کی بات کر رہا ہوں۔۔۔'' جونگل خان بولا۔

''جو طریقہ تم نے اختیار کیا ہے۔۔۔وہ انتہائی خطرناک ہے، اس میں تمہاری جان کو خطرہ ہے۔۔۔میں تمہاری جان بچانا چاہتا ہوں۔۔۔''

''معاف کرنا بابا جانی۔۔۔!آپ کو میری جان نہیں اپنی ساکھ پیاری ہے۔'' بالآخر خان بدلے ہوئے لہجے میں بولا۔

''خان محمد۔۔۔۔!'' جونگل خان کو یکدم طیش آ گیا پھر جلد ہی وہ تحمل کی راہ اختیار کرتے ہوئے ملائمت سے بولا۔

''خان محمد۔۔۔!میری بات مان لے۔۔۔اس میں تیرا ہی بھلا ہے، اب بھی وقت ہے لیلیٰ کو میرے حوالے کر دے۔۔۔''

''بس بابا جانی۔۔۔!اب مجھے اندازہ ہو گیا ہے۔۔۔کہ میں نے جو کچھ کیا درست کیا، میں لیلیٰ کو آپ کے حوالے نہیں کر سکتا، میں اس سے ہر قیمت پر شادی کروں گا، چاہے مجھے اس کے لیے زبردستی ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔۔۔'' خان محمد فیصلہ کن لہجے میں بولا۔

اور اس سے پہلے کہ جونگل خان کچھ کہتا، کوٹھری کی چھت پر چڑھے ایک ساتھی نے چلا کر انہیں متوجہ کیا۔

''ہوشیار۔۔۔پولیس آ رہی ہے۔۔۔''

Marfat.com

اس کے یہ کہنے کی دیر تھی کہ یکدم وہاں افراتفری مچ گئی، خان محمد بھی ایک لمحے کو متوحش نظر آنے لگا پھر اچانک اس نے اپنے باپ جونگل خان کی طرف دیکھا اور پہلی بار اس کی آنکھوں میں اپنے باپ کے لیے نفرت کی چنگاڑیاں سی سلگ اٹھیں۔

جونگل خان بھی موجودہ صورتحال سے بوکھلایا ہوا نظر آنے لگا۔

''بابا جانی۔۔۔! آپ سے مجھے ایسی بات کی ہرگز توقع نہ تھی۔'' خان محمد الفاظ چبا کر بولا۔

''کیا بکواس کر رہا ہے تو۔۔۔تو یہ سمجھ رہا ہے کہ پولیس کو میں یہاں لایا ہوں؟'' جونگل خان اس کی غلط فہمی پر بھڑک اٹھا تھا۔

ادھر دادن اور اس کے چند ساتھیوں نے اپنی رائفلیں وغیرہ تھام کر پوزیشنیں سنبھال لی تھیں۔ دادن، خان محمد کے قریب آ کر ہانپتی ہوئی آواز میں بولا۔

''خانو۔۔۔! اندر آ جاؤ۔۔۔یہاں کھڑے رہنا خطرے سے خالی نہیں۔'' مگر خان محمد اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔

''دادن۔۔۔! ہمیں یہیں سے جلدی فرار ہونا ہے۔''

''یہ نہیں ہو سکتا خانو۔۔۔!'' دادن اس کی بات رد کرتے ہوئے بولا۔

''پولیس کی گاڑیاں بہت قریب آ چکی ہیں۔۔۔ہمیں یہیں رہ کر ان کا مقابلہ کرنا ہوگا۔''

''خانو۔۔۔! میری بات مان لے، اب بھی وقت ہے، لیلیٰ کو میرے حوالے کر دے۔۔۔'' جونگل خان مخدوش ہوتی ہوئی صورتحال کی نزاکت کا اندازہ لگاتے ہوئے بولا اور پھر اس نے اندر کی جانب قدم بڑھائے مگر خان محمد یکدم باپ کی راہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

''آگے سے ہٹ جا خان محمد۔۔۔! میں لیلیٰ کو یہاں سے لے کر جاؤں گا یہ

Marfat.com

تم سب کے حق میں بہتر ہوگا۔۔۔'' خان محمد اپنے بیٹے کو پرے دھکیلتے ہوئے بولا۔
''باباجانی۔۔۔!رک جائیں میں ایسا نہیں ہونے دوں گا، میں لیلیٰ کو آپ کے حوالے نہیں کرسکتا۔۔۔آپ اپنی ساکھ کی خاطر اپنے بیٹے کی خوشی کو قربان کرنا چاہتے ہیں۔۔۔

خان محمد کا لہجہ گلوگیر ہوگیا تھا پھر وہ دوڑ کر اندر کوٹھری میں داخل ہوگیا اور بجلی کی سی پھرتی سے اس نے اندر سے دروازہ بند کرلیا۔باقی دیگر ساتھیوں نے بھی پوزیشنیں سنبھال لی تھیں، جونگل خان اپنی جگہ تنہا ہکا بکا کھڑا رہ گیا، اس نے ایک نظر اپنے عقب میں ڈالی تو دنگ رہ گیا، پولیس کی بھاری جمعیت ایک بڑے کارواں کی صورت قریب سے قریب آتی جارہی تھی، یہ دیکھ کر جونگل خان تیزی سے آگے بڑھا اور کوٹھری کا دروازہ زور سے دھڑ دھڑاتے .وئے چیخ کر بولا۔
''خانو۔۔۔!تجھے ضرور میری طرف سے غلط فہمی ہوئی ہے اب بھی وقت ہے، باہر آجا۔۔۔تم لوگ پولیس کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔۔۔دیکھ میڈاپٹ۔۔۔!اپنے باواجانی کی بات مان لے۔۔۔''
''نہیں۔۔۔بابا۔۔۔پولیس ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔۔۔لیلیٰ جب تک ہمارے قبضے میں ہے۔۔۔آپ یہاں سے چلے جائیں بابا۔۔۔'' اندر سے خان محمد بھی چیختے ہوئے بولا تھا۔
''تو بہت بڑی غلطی کررہا ہے۔۔۔خانو۔۔۔!مان لے اپنے باباجانی کی بات۔۔۔'' جونگل خان کی آواز اب نڈھال ہوئی جارہی تھی۔

وہ آخر باپ تھا، اولاد کو خطرے میں گھرا دیکھ کر وہ حد سے زیادہ پریشان ہوا جارہا تھا، اب اس کے چہرے سے کروفر اور دبدبہ عنقا ہوچکا تھا، اس کی جگہ اب بدحواسی اور بوکھلاہٹ نے لے لی تھی، اسے اتنا اندازہ ہوچکا تھا کہ یہ بے وقوف لڑکے۔۔۔پولیس کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔

Marfat.com

اسی دوران پولیس کی بھاری جمعیت نے چاروں طرف سے فارم ہاوس کو گھیرے میں لے لیا۔

جونگل خان نے یہ دیکھا تو پاگلوں کی طرح دوڑتا ہوا اسی جانب بھاگا جہاں ایس ایس پی میگافون لئے کھڑا تھا۔اس کے ہمراہ دیگر پولیس اہلکار بھی کھڑے تھے۔

''ٹھہرو ۔۔۔بابا ۔۔۔ٹھہرو ۔۔۔!میں اپنے پٹ (بیٹے) کو سمجھا رہا ہوں۔'' پھر اچانک اس کی نگاہ احتشام بابر پر پڑی۔وہ بھی وہاں پہنچ چکا تھا، جونگل خان اسے دیکھتے ہی اس کی جانب بڑھا اور ملتجیانہ انداز میں بولا۔

''احتشام بابا۔۔۔!دیکھو میں اپنے بیٹے کو سمجھا رہا ہوں ،تھوڑی مہلت تو ملے گی نا بابا۔۔۔!لیلیٰ میری بیٹی ہے، میں اسے حفاظت سے یہاں لے کر آؤں گا۔''

ایس ایس پی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر احتشام بابر کی جانب دیکھا، احتشام کا خفیف سا اشارہ پا کر اس نے جونگل خان کو فارم ہاؤس میں جانے کی اجازت دے دی۔

''بہت مہربانی بابا۔۔۔بڑی مہربانی ۔۔۔!'' جونگل خان اجازت ملتے ہی جیسے بچوں کی طرح خوش ہو گیا، اس وقت اس کی حالت دیدنی ہو رہی تھی۔

جونگل خان تیز تیز چلتا ہوا کوٹھری کی جانب آیا اور زور سے دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے بولا۔

''خان محمد میڈاپٹ ۔۔۔!دروازہ کھول دے، وہ دیکھ یہ سب تجھے مارنے کے لیے آ گئے ہیں ۔۔۔میری ۔۔۔میری بات مان لے ۔۔۔تجھے کم سے کم سزا دلاؤں گا۔''

وڈیرا جونگل خان کا لہجہ دلوں کو کاٹ ڈالنے جیسا ہو رہا تھا، کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ وہی مطلق العنان شخص ہے جو اپنی اوطاق میں ناک پر مکھی تک نہیں بیٹھنے دیتا تھا اور آج خستہ حال فارم ہاوس کے قریب کھڑا گڑگڑا رہا تھا۔

Marfat.com

''بابا جانی۔۔۔!خدا کے لیے آپ بیچ میں نا آئیں۔۔۔''چند ثانیے بعد اندر سے خان محمد کی آواز ابھری تھی۔

''مجھے کچھ نہیں ہوگا آپ آگے سے ہٹ جائیں ہم سب باہر آ رہے ہیں۔''

ادھر اب میگا فون پر خان محمد کو وارن کیا جا رہا تھا کہ وہ اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دے نیز جونگل خان کو بھی واپس پلٹ آنے کی تلقین کی جا رہی تھی۔

اسی اثناء میں دروازہ کھلا اور سب سے پہلے لیلیٰ برآمد ہوئی، وہ بہت سہمی ہوئی تھی، اس کیساتھ ہی خان محمد بھی نمودار ہوا کچھ اس طرح کہ اس نے لیلیٰ کی کنپٹی پر پستول رکھ کر اسے ڈھال بنا رکھا تھا، ساتھ ہی اس کے دیگر ساتھی بھی بندوقیں تھامے باہر آ گئے تھے، ادھر پولیس نے بھی ایک دم پوزیشن سنبھال لی تھی۔

''خبردار۔۔۔جو ہم پر کسی نے گولی چلائی ورنہ۔۔۔اس لڑکی کو بھون دیا جائے گا گولیوں سے۔۔۔''خان محمد اپنی جیپ کی جانب پیش قدمی کرتے ہوئے چیخ کر پولیس والوں سے بولا۔۔۔نہ صرف اس نے بلکہ اس کے ساتھیوں نے بھی لیلیٰ کو اپنی گنوں سے کور کیے ہوئے تھا۔

''ہمیں بآسانی یہاں سے نکلنے دیا جائے۔۔۔''خان محمد کا دھمکی خیز رویہ کارگر ثابت ہوا تھا کیونکہ اگلے ہی لمحے پہلے تو میگا فون پر انہیں وارن کرنے کا اعلان ہونا ختم ہوا پھر پولیس نے اپنی گنیں نیچے جھکا دی تھیں۔

سامنے ذرا فاصلے پر کھڑے ایس ایس پی اور احتشام بابر کے چہروں پر ہیجان کی سی کیفیت تھی، ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ان سب کو گولیوں سے بھون ڈالیں۔ پولیس کی گھاگ نگاہیں سامنے ذرا فاصلے پر باپ، بیٹے کے درمیان ہونے والی جذباتی تکرار پر مرکوز تھیں۔وڈیرا جونگل خان متوحش اور بدحواس سا ہوا جا رہا تھا اور اپنے بیٹے خان محمد کو اس خطرناک اور مجرمانہ اقدام سے روکنے کی سعی کر رہا تھا، وہ خان محمد کے ساتھ ساتھ ہی سرکتے ہوئے اس کی منتیں کرتا جا رہا تھا۔

Marfat.com

یہ خان محمد کے لیے انتہائی خطرناک سچویشن تھی جس کا غالباً اسے خود بھی اندازہ تھا، وہ چلا چلا کر اپنے باپ کو پرے ہٹنے کا کہہ رہا تھا۔

''باوا جانی۔۔۔! آپ ہمارے راستہ سے ہٹ جائیں، آپ نہیں جانتے آپ کی وجہ سے ہم خطرے میں پڑ سکتے ہیں۔''

''رک جا میڈا پٹ۔۔۔! رک جا۔۔۔ میں تجھے اتنا بڑا قدم اٹھانے نہیں دوں گا۔۔۔'' وڈیرا جونگل خان پر جیسے جنون سوار ہو گیا۔

پھر معاً وہ کچھ ہو گیا جس کی شاید خان محمد کو توقع نہ تھی مگر پولیس اسی موقع کی تلاش کی منتظر تھی۔

جونگل خان نے اچانک خان محمد کے ریوالور پر ہاتھ مارا اور کمال پھرتی سے لیلیٰ کو اس کی گرفت سے چھڑا کر اپنے قبضے میں کر لیا، یہ سب آناً فاناً ہوا تھا، خان محمد پر تو جیسے سکتا طاری ہو گیا تھا، اس کا ریوالور ہاتھ سے نکل کر اب جونگل خان کے ہاتھ میں آ چکا تھا جو اس نے اپنے بیٹے پر تان لیا تھا۔

خان محمد اور اس کے ساتھی ایکدم ہراساں نظر آنے لگے تھے کیونکہ انہوں نے لیلیٰ کو ٹارگٹ بنایا ہوا تھا اور اب وہ سب خود کو غیر محفوظ سمجھ رہے تھے۔

''خبردار۔۔۔! جو لیلیٰ کو ہاتھ لگایا تو۔۔۔'' جونگل خان پستول بیٹے پر تانتے ہوئے بولا۔

صورتحال بہت سنگین اور عجیب ہو گئی تھی۔ خان محمد کی آنکھوں میں شعلے رقصاں ہو چکے تھے، وہ ابھی تک یہی سمجھ رہا تھا کہ اس کا باپ یہ سب کچھ اپنی ساکھ کے لیے کر رہا ہے مگر حقیقتاً یہ بات قطعی نہیں تھی، جونگل خان کو اپنے بیٹے کی زندگی عزیز تھی کہ یہ معاملہ یہیں سلجھ جائے مگر اس کا نادان اور ضدی بیٹا اپنے باپ کو ہی اپنا دشمن سمجھے جا رہا تھا۔

ادھر پھرتی کے ساتھ پولیس نے اپنی گنوں کا رخ سیدھا کر دیا تھا۔ جونگل

Marfat.com

خان نے اپنے بیٹے پر ریوالور تانا ہوا تھا مگر خان محمد کو یقین نہ آ رہا تھا کہ اس کا باپ اس پر گولی چلائے گا لہذا بلا خوف وخطر اس نے اپنے باپ کو ایک زور سے ٹھوکر ماری مگر خود اس کا پاؤں بھی رپٹ گیا جس کی وجہ سے وہ ریوالور اور لیلیٰ کو اپنے قبضے میں نہیں کر سکا ۔البتہ اتنا ضرور ہوا کہ لیلیٰ اور جونگل خان دونوں ہی زمین پر آ رہے، لیلیٰ کے حلق سے تیز سی چیخ برآمد ہوئی، پہلے وہ بھربھری زمین پر چاروں شانے چت گری اور اس کے اوپر جونگل خان آ پڑا۔اب لیلیٰ کافی حد تک جونگل خان کے بھاری بھرکم وجود تلے چھپ کر رہ گئی تھی اور جیسے ہی لیلیٰ گن پوائنٹ سے آؤٹ ہوئی پھر کسی کو بھی کچھ سوچنے کا موقع نہ ملا، فضا میں جو سنسنی خیز تناؤ رچا ہوا تھا، وہ گولیوں کی تڑتڑاہٹ میں تبدیل ہو گیا، یہ فائرنگ پولیس نے اپنے افسر کے مخصوص اشارے پر خان محمد اور ان کے ساتھیوں پر کی تھی۔

فارم ہاوس کی بھربھری زمین پر کئی جسم اذیت ناک چیخوں کے ساتھ لہرائے اور پیوند خاک ہونے لگے ان میں وڈیرا جونگل خان کا بیٹا خان محمد بھی تھا جو گولیوں سے چھلنی ہو چکا تھا۔

فضا میں بارود کی ناگوار سی بو پھیل چکی تھی۔ فائرنگ نے جونگل خان پر سکتہ طاری کر دیا، خان محمد اور ان کے ساتھیوں کو جہنم واصل کرتے ہی پولیس والے جونگل خان اور لیلیٰ کی طرف دوڑے پھر گم صم جونگل کو ایک طرف کر کے لیلیٰ کو فوراً اپنی حفاظت میں لے لیا، لیلیٰ اس ماحول کی تاب نہ لاتے ہوئے بے ہوش ہو گئی جسے اس کے باپ سعید احتشام بابر نے سنبھال لیا۔

وڈیرا جونگل خان کی حالت دیدنی ہو رہی تھی، وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنے خاک نشیں بیٹے خان محمد کو تکے جا رہا تھا پھر وہ دیوانوں کی طرح چلاتا ہوا احتشام کی طرف بڑھا مگر راستے میں ہی پولیس کے اہلکاروں نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا۔

Marfat.com

''اڑے بابا۔۔۔یہ کیا کر دیا ۔۔۔میڈ ا۔۔۔ہیرے جیسا پٹ مار دیا۔۔۔تا بابا تا۔۔۔یہ ٹرائل کے خلاف ہے۔۔۔۔میں۔۔۔میں۔۔۔بھی تم لوگوں کے خلاف۔۔۔!''

وڈیرا جونگل خان کی آواز جیسے اندر ہی گھٹ کے رہ گئی اور وہ غش کھا کر سپاہیوں کی بانہوں میں جھول گیا۔

☆.....☆.....☆

قرمزی پتھروں والی حویلی میں کہرام مچا ہوا تھا حویلی کے بڑے سے احاطے میں صف ماتم بچھی ہوئی تھی، خان محمد کی رسم کل پڑھی جا رہی تھی۔

فضا میں اگر بتیوں کی خوشبو رچی ہوئی تھی، زنان خانے میں عورتوں کے رونے کی آوازیں وہاں موجود ہر ذی نفس کا دل چیرے دے رہی تھیں، گوٹھ کی عورتیں کیا، مرد کیا، سب کی آنکھیں پرنم اور چہرے سوگوار تھے، ان میں دور نزدیک کے عزیز و اقارب بھی شامل تھے، مردانے میں دعائیں پڑھی جا رہی تھیں اور لوگ ایک طرف بچھے نمدے کے نیچے حسب روایت اور حسب حیثیت ''عذر خوئی'' کے طور پر روپے رکھ کر اور بآواز بلند ''حکم اللہ جو'' (حکم اللہ کا) کہہ کر واپس اپنی اپنی جگہوں پر جا بیٹھے تھے۔

وڈیرا جونگل خان ایک کمرے میں زندہ لاش کی مثل پڑا ہوا تھا، اس پر فالج کا شدید حملہ ہوا تھا اور جسم کا دایاں حصہ بالکل مفلوج ہو چکا تھا، اس کی آنکھیں نیم وا تھیں اور زبان نکل کر ہونٹوں کے کناروں پر آ کر جھول گئی تھی، وہ صرف دیکھ اور سن سکتا تھا مگر ہلنے جلنے اور بات کرنے سے یکسر قاصر تھا۔ وہ ظلم کے انجام کی تصویر عبرت بنا ہوا تھا۔

اندر زنان خانے میں ماروی، ماں کو جو نیم بے ہوشی کی حالت میں بار بار غش کھائے جا رہی تھی سنبھالے ہوئے تھی اور ایک معروف لیڈی ڈاکٹر اسے مسکن آور

Marfat.com

انجکشن دے رہی تھی۔

اچانک مردانے میں ہلکا سا شور سنائی دیا۔

''بھٹ سائیں آیا۔۔۔ بھٹ سائیں آیا۔۔۔'' مردانے سے آنے والی آوازوں سے ماروی کے سامنے نوجوان دیوانے مجذوب سانول کی شبیہہ گھوم گئی مگر وہ چپ سادھے غمگین بیٹھی رہی۔

سانول وہاں آیا اور دعا میں شامل ہوا اور پھر اسی خاموشی کے ساتھ تھوڑی دیر وہاں بیٹھ کر چلا گیا پھر وہ واقعی وہاں سے چلا گیا کہیں دور۔۔۔ کسی کو بتائے بغیر۔۔۔ حتیٰ کہ ماروی کو بھی نہیں۔۔۔ پھر گوٹھ کے لوگوں نے کبھی اسے وہاں نہیں دیکھا اس کی جھونپڑی کی جگہ تھوہر کے کانٹے دار پودے اگ آئے تھے۔۔۔ لوگوں کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ وہ تھوہر کے پودوں پر اکثر نذرانے کے طور پر کچھ نہ کچھ رکھ جاتے تھے۔

پھر ایک دن اداس اداس سی ماروی بھی وہاں آن پہنچی تھی، اس نے سانول کی جھونپڑی کی جگہ تھوہر کے کانٹے اُگے دیکھے تو نجانے کیوں اسے یہ صحرا بڑا ہرجائی اور بڑا ظالم محسوس ہو رہا تھا، اس کے دل میں ایک ہوک سی اٹھی اور پھر اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور شاید وہ تھوہر کے پودوں کو اپنے آنسوؤں کا نذرانہ پیش کر رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

یہ کئی روز بعد کا ذکر ہے کہ ماروی اپنی ماں کے ساتھ حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی کی بارگاہ پر حاضری دینے آئی تو معاً اس کی نگاہ ایک فقیر منش شخص پر پڑی اور بری طرح چونک گئی، وہ سانول تھا جس کی آنکھیں ہمیشہ کی طرح بند تھیں اور وہ شاہ سائیں کی کوئی نظم گنگنا رہا تھا جس میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا ذکر تھا۔

''سانول۔۔۔'' ماروی نے اپنے دل پر قابو پاتے ہوئے اسے پکارا، اس

Marfat.com

کی آواز پر سانول نے یکدم اپنی آنکھیں کھول دیں ،ایک نظر ماروی کو دیکھا اور شناسائی کی ایک لہر اس کی کھوئی کھوئی آنکھوں میں دوڑی اور پھر دوبارہ اس کا چہرہ پرسکون ہوگیا،وہ اسی طمانیت سے ماروی کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

''ماروی ۔۔۔!میری محبت کو امر کر دے ۔۔۔میری محبت کو ۔۔۔امر کر دے ۔۔۔اسے جگ کی ہنسی نہ بنا۔۔۔ہم اب بھی اسی جگہ کھڑے ہیں ۔۔۔جہاں پہلے تھے ۔۔۔کچھ نہیں بدلا ۔۔۔سب ویسا ہی ہے ۔۔۔کوئی امید کوئی آس نہ رکھ۔۔۔ورنہ پاکیزگی کو داغ لگ جائے گا۔''

پھر وہ ''حق اللہ۔۔۔حق اللہ'' کہتا ہوا احاطے کی دوسری جانب چلا گیا اور ماروی پرنم نگاہوں کے ساتھ جہاں کھڑی تھی وہیں کھڑی رہ گئی۔

☆.....☆.....☆

Marfat.com

Marfat.com

خوبصورت اور مقبول مطبوعات

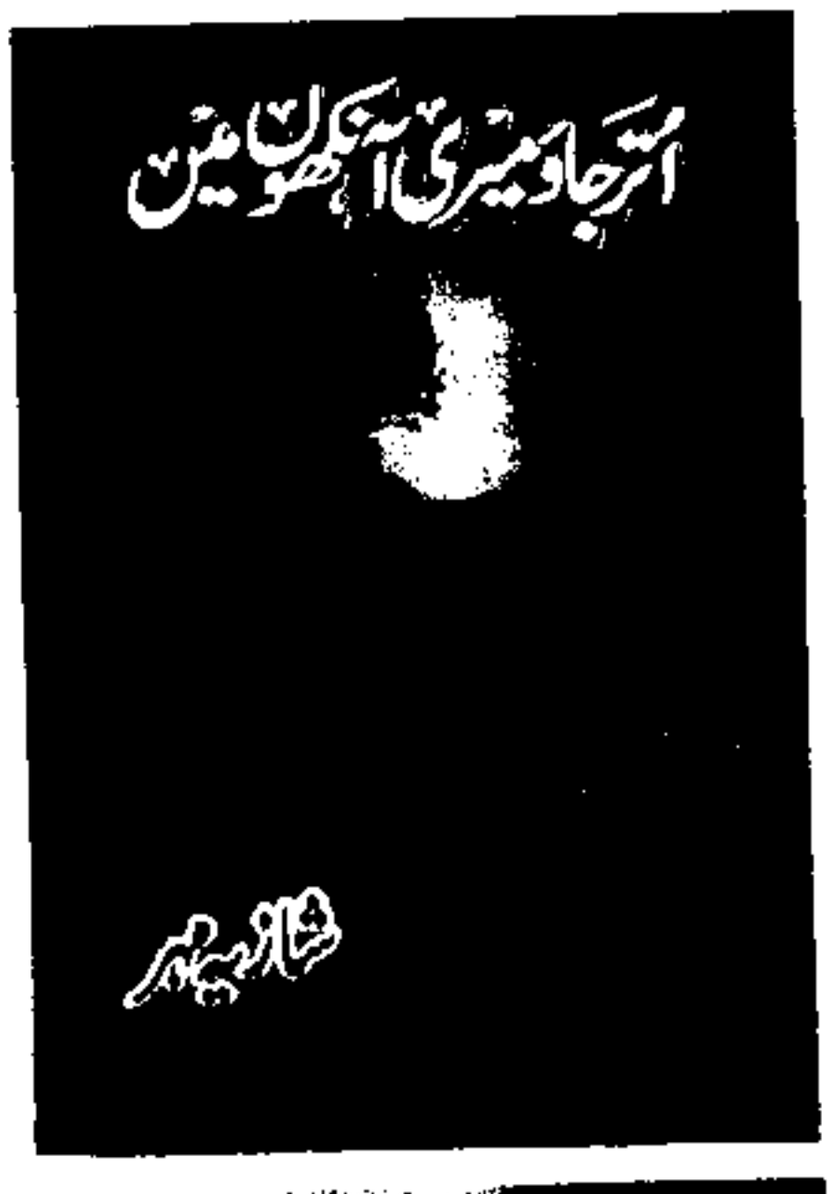

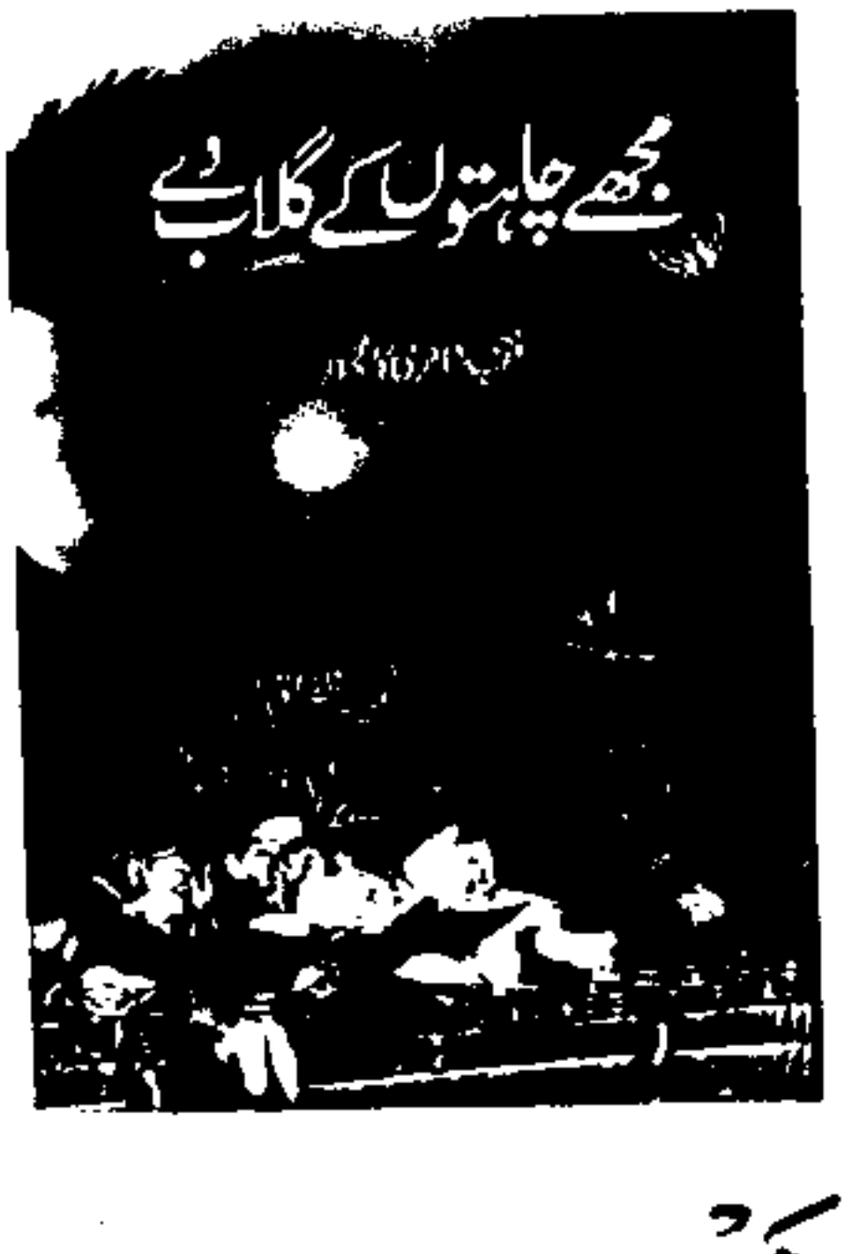

المجاہد پبلیشرز

0321-6450283-0300-6450283
E.mail:nasirnasir5@hotmail.com

Marfat.com